افواج پاکستان

(پاک فوج کی 57 سالہ تاریخ، جدوجہد اور عظیم کارنامے)

محمد اسلم لودھی

افواجِ پاکستان

کی تاریخ، جدوجہد اور کارنامے

تحقیق وترتیب

محمد اسلم لودھی

مشترکہ کاوش:

میسرز علم وعرفان

17 اردو بازار لاہور فون۔ 042-7352332

میسرز وفا پبلی کیشنز

882/8-B مکہ کالونی گلبرگ تھرڈ لاہور فون۔ 042-5759534

سنِ اشاعت .... فروری 2005ء

قیمت .... -/300 روپے

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
-1	انتساب	7
-2	ایک دعائیہ نظم	8
-3	عرضِ مصنف	9
-4	دفاع (قرآن حکیم کی روشنی میں)	13
-5	دفاع (حدیث مبارکہ کی روشنی میں)	19
-6	پاکستان آرمی کا پس منظر	24
-7	برٹش انڈین آرمی کی تقسیم	38
-8	پاکستانی فوج کی تشکیل نو	65
-9	آزادی کی مشکلات اور قوم کا اعتماد	91
-10	تنازعہ کشمیر کا پس منظر	105
-11	بھارتی فوج کا کشمیر پر دھاوا	114
-12	پاک فوج کی کشمیر میں آمد	125
-13	کشمیر میں جنگ بندی	151
-14	پاک فوج کے لیے امریکی امداد	154

نمبر	عنوان	صفحہ
15-	نئے پرچم اور فوجی وردی میں تبدیلی	160
16-	مشرقی محاذ پر بھارتی جارحیت	161
17-	رَن کچھ کا تنازع	164
18-	آپریشن جبرالٹر اور آپریشن گرینڈ سلام	165
19-	1965ء کی پاک بھارت جنگ	167
20-	پاک بھارت جنگ کے بعد کے حالات	169
21-	مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سانحہ	170
22-	مغربی محاذ پر جنگ کا آغاز	173
23-	بھارت کا پہلا ایٹمی دھماکہ	175
24-	سوویت یونین کی افغانستان پر یلغار	176
25-	سیاچن پر بھارتی یلغار	178
26-	بھارتی فوج کی ایکسرسائز براس ٹیکس 1987ء	179
27-	سوویت یونین کی شکست وریخت	181
28-	ایٹمی دھماکے	182
29-	کارگل آپریشن	183
30-	دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فوج کا کردار	186
31-	پاک فوج کی حکمت عملی اور صلاحیتیں	194
32-	آئیڈیا 2004ء پاکستان کی اعلیٰ پیمانے پر تیسری دفاعی نمائش	204
33-	دفاعی پیداوار میں پاکستان کی اہم کامیابیاں	209
34-	قومی تعمیر وترقی میں پاک فوج کا کردار	216
35-	واپڈا کی بحالی میں فوج کا کردار	227
36-	بلوچستان میگا پراجیکٹس کی تکمیل میں فوج کا کردار	251
37-	فوج مراعات یافتہ طبقہ نہیں	255
38-	فوج اور میڈیا	263
39-	اقتدار پر فوجی قبضے کے چند تلخ حقائق	273
40-	آرمی ہیریٹیج فاؤنڈیشن کا قیام	288
41-	آرمی چیفس	297
42-	جنرل پرویز مشرف	301
43-	پاکستان آرمی کے قابل فخر جوان (نشانِ حیدر)	311
44-	دفاع وطن میں مسیحی جوانوں کے کارنامے	380
45-	مشرقی پاکستان میں مبینہ مظالم اور حقیقی صورت حال	383
46-	استفادہ	

انتساب

21 ویں صدی میں پاک فوج دنیا کی بہترین افواج میں شمار کی جاتی ہے ان کی مہارت جواں مردی، حکمت اور دانش کا لوہا دنیا بھر میں مانا جاتا ہے۔

پاک فوج نے عسکری تاریخ میں یہ مقام کب، کیسے اور کس طرح حاصل کیا۔ اس کے باوجود کہ تقسیم ہند کے وقت پاکستان کے حصے میں شاید ہی فوج کی کوئی یونٹ مکمل اور مسلح حالت میں آئی ہو۔ پھر آتے ہی تنکوں کی طرح بکھری ہوئی اس فوج کو وادئ کشمیر میں اس بھارتی فوج سے مقابلہ کرنا پڑا جس نے انگریز فوج کے تمام اثاثوں، اسلحی ذخیرہ گاہوں اور اسلحہ بنانے والی فیکٹریوں پر قبضہ کر کے ایک جارحانہ قوت کی شکل اختیار کر لی تھی۔

دو بھرپور جنگوں اور پے در پے آزمائشوں سے عہدہ ہونے کے باوجود پاک فوج کو اگر آج دنیا کی بہترین افواج میں شمار کیا جاتا ہے تو اس کا کریڈٹ بلاشبہ اس کے ان افسروں اور جوانوں کو جاتا ہے جنہوں نے نامساعد حالات کے باوجود ہمت اور حوصلہ نہ ہارا اور دلجمعی سے قدم آگے بڑھاتے گئے۔ ایسے ہی چند افسروں اور جوانوں کو نشان حیدر اور دیگر اعلیٰ فوجی اعزازات سے نوازا تو گیا لیکن اس کے باوجود بے شمار افسر اور جوان گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا جام شہادت نوش کر کے اپنے رب کے مہمان بن چکے ہیں۔ اس کتاب کا انتساب ایسے ہی سرفروشوں کے نام ہے۔

ایک دعائیہ نظم

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
یہاں جو سبزہ اگے وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو
گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں کیلئے بھی روئیدگی محال نہ ہو
خدا کرے نہ کبھی خم ہو سر وقار وطن
اور اس کے حسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو
ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوج کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے مرے اک بھی ہم وطن کیلئے
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو

بشکریہ احمد ندیم قاسمی

عرضِ مصنف

پاک فوج قابلِ فخر ادارہ ہے تجربے' مہارت' جانفشانی اور اپنے مقصد سے لگن کے اعتبار سے دنیا بھر میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ وہی فوج ہے جس نے دنیا کی دوسری بڑی سپر پاور سوویت یونین کو اپنی اعلیٰ حکمت عملی سے شکست فاش دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ سفید روسی ریچھ اپنے ہی ناخنوں سے زخمی ہو کر افغانستان سے بھاگ نکلا۔ اور پھر اس کے جسم کے ٹکڑے ہو گئے جن سے وسطی ایشیاء کی اسلامی ریاستیں وجود میں آئیں جن پر روسی سامراج نے صدیون پہلے سے جبری قبضہ کر رکھا تھا۔

آج کے دور میں امریکہ بے شک دنیا کی واحد سپر طاقت ہے اور اسلحے کی جدیدیت کے اعتبار سے اس کا کوئی ثانی نہیں لیکن جب میدانِ جنگ میں جذبۂ ایمانی اور جنگی حکمت و دانش کی بات آتی ہے تو ہر کسی کی نگاہیں پاک فوج کے غیور' نڈر اور دلیر جوانوں کی طرف اٹھتی ہیں۔ لڑائی کا میدان ہو۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہو' ٹینکوں اور توپوں کی گھن گرج ہو' پاک فوج کا جوان نعرہ تکبیر نعرہ رسالت اور نعرۂ حیدری کے نعرے لگاتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ برستے گولوں اور چنگھاڑتے مزائلوں میں اسے اپنی فکر نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم خداوندی کے ساتھ ساتھ وطنِ عزیز کی حفاظت اور سنیئر کے حکم کی تعمیل ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ بلاشبہ پاک فوج کے یہی وہ

جوان ہیں جو سر بکف برفانی چوٹیوں کے برفانی مورچوں پر ہتھیار سنبھالے جارحانہ انداز میں دشمن کے بڑھتے ہوئے قدم روکے ہوئے ہیں۔ پاک فوج کے یہی وہ عظیم مجاہد ہیں جو برفانی پانی میں کھڑے ہو کر نہروں اور دریاؤں پر جنگی مقاصد کیلئے پُل بناتے ہیں۔ یہی وہ جرّی جوان ہیں جو خاردار بلند و بالا درختوں پر چڑھ کر تاروں کو سینکڑوں میل دور تک بچھاتے ہیں۔ یہی وہ عظیم لوگ ہیں جو بھوکے پیاسے اپنے اہل خانہ کے غم و خوشی سے بے نیاز وطن کی سرحدوں پر اپنے لہو سے حرّیت اور بہادری کی داستان رقم کرتے ہیں۔ دورانِ سیلاب اپنے ہم وطن بوڑھوں، بچوں اور حاجت مند لوگوں کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر محفوظ مقامات تک پہنچاتے ہیں جو زلزلے کی جان لیوا آفات میں بھی اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہم وطنوں کی دل جان سے مدد کرتے ہیں۔

قومی تعمیر و ترقی کے کاموں میں بھی پاک فوج کے جوانوں کی داستان کم طویل نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاک فوج اور اس کے غیور، نڈر اور بہادر افسروں اور جوانوں پر جتنا بھی فخر کیا جائے، کم ہے۔

عالمی سطح پر افواج پاکستان کے کردار کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اقوام متحدہ کی جانب سے دنیا کے بیشتر ممالک میں بھی امن و امان کی بحالی اور تعمیر و ترقی کیلئے تعینات کیا گیا۔ پاک فوج کے جوانوں نے بہترین تربیت، جذبہ ایمانی کو بروئے کار لاتے ہوئے ناموافق حالات، زمینی پس پردہ حقائق سے ناآشنائی کے باوجود ایسا غیر جانبدارانہ اور شاندار کردار ادا کیا کہ نہ صرف امن و امان کے حوالے سے مطلوبہ مقاصد حاصل ہوئے بلکہ مقامی لوگوں میں بھی پاک فوج کے بارے میں احترام کے جذبات پیدا ہوئے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ عالمی سطح پر پاک فوج کی پیشہ وارانہ تربیت، اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا ہے جو پاک فوج کے افسروں اور

جوانوں کیلئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے واپڈا کی بحالی اور بلوچستان کے میگا پراجیکٹس کے حوالے سے بھی فوج کے کردار سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ایٹمی پروگرام کی حفاظت اور تکمیل میں فوج کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر حملوں کے بعد عالمی سطح پر جو جارحانہ تبدیلیاں رونما ہوئیں اس کے تناظر میں اگر قومی مفاد کو پیش نظر رکھ کر فیصلے نہ کئے جاتے تو آج نہ صرف پاکستان بلکہ پورے خطے کی صورتحال یکسر مختلف ہوتی ہے اس حوالے سے فوج اور فوجی قیادت کے تدبر، دانش اور حکمت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جن کے بروقت فیصلوں کی بدولت پاکستان عالمی طاقتوں کی دہشت گردی اور عتاب کی زد میں آنے سے محفوظ رہا۔

گزشتہ ستاون سال سے پاک فوج جن کٹھن حالات سے گزر کر اکیسویں صدی میں داخل ہوئی ہے۔ قوم کے سامنے انہی کارناموں اور مشکلات کو اجاگر کرنے کی میں نے کوشش کی ہے تا کہ وطن سے محبت کرنے والے اپنی فوج اور اس کے افسروں اور جوانوں کے بارے میں حالات سے آگاہی حاصل کر سکیں اور ان کے دل میں اپنے محسنوں کے بارے میں احترام کے جذبات پیدا ہوں۔

میرے لئے یہ بات باعثِ فخر ہے کہ پاک فوج کے بارے میں قلم اٹھاؤں لیکن مجھے اس کام کی تحریک دینے والے روزنامہ پاکستان کے عسکری میگزین کے ایڈیٹر اور پاک فوج کے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خان ہیں۔ جنہوں نے پاک فوج کی ستاون سالہ تاریخ کے چند حصے عسکری میگزین میں شائع کر کے میرے اشتیاق کو جلا بخشی چنانچہ پاک فوج کی تاریخ کی تحقیق کیلئے میں اسی وقت سے جستجو میں لگ گیا۔ راستے میں بہت سی رکاوٹیں بھی آئیں جو مجھے دلبرداشتہ کرنے کیلئے کافی تھیں۔ لیکن جب

نیت صاف ہو اور ارادہ مضبوط تو وقتی رکاوٹیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ بہر کیف اس کتاب میں فوج کے حوالے سے کئی لکھنے والوں کی تحریریں بھی شامل ہیں جو بہت سی تلخ حقیقتوں سے پردہ اٹھاتی ہیں ان میں کرنل (ر) سفیر تارڑ کا مضمون ''واپڈا کی بحالی میں فوج کا کردار'' لیفٹیننٹ کرنل (ر) سکندر خان بلوچ کا مضمون ''اقتدار پر فوجی قبضے کے چند تلخ حقائق'' لیفٹیننٹ کرنل (ر) غلام جیلانی خان کے دو جامع مضامین ''فوج مراعات یافتہ طبقہ نہیں'' فوج اور میڈیا شامل ہیں۔

کرنل (ر) غلام جیلانی خان کی یہ بات میرے ذہن میں اب بھی تازہ ہے کہ سمندر میں اترے بغیر اس کی گہرائی کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا فوج سے والہانہ محبت نے مجھے اس حد تک پاگل کئے رکھا کہ میں نے جب تک یہ کتاب مکمل نہیں کر لی اس وقت تک قرار نہیں لیا۔ اب یہ کتاب فوج اور قارئین کے معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔ اس کا فیصلہ قارئین کے ہاتھ میں ہے لیکن یہ بات میں ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وطن اور فوج سے محبت کے حوالے سے میری یہ کاوش نہایت مخلصانہ اور والہانہ ہے۔ خدا کرے یہ ملک تا قیامت سلامت رہے اور اس میں رہنے والے ہمیشہ خوش و خرم آزاد و خود مختار رہیں۔ یہ پریشانیاں اور مصیبتیں انہیں چھو کر بھی نہ گزریں۔ (امین)

یہ کتاب ہرگز اتنی خوبصورت اور جاذبِ نظر شائع نہ ہوتی اگر مجھے آئی ایس پی آر لاہور کے میجر سیّد شاہد عباس، ہیڈ کلرک محمد حنیف خاں اور ڈاکٹر اظہار احمد خان کی سرپرستی و بھرپور تعاون حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ تصویروں کے حصول سے تحریری مواد کی فراہمی تک قدم قدم پر اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ کئی بار میں سوچنے لگا کہ مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہیے کیونکہ فوج کے جن ارباب اختیار کو بھرپور تعاون کرنا چاہیے۔ تعاون کی جانب سے بار بار یاددھانیوں کے باوجود مکمل خاموشی کا مظاہرہ ہی کیا گیا۔ اب دیکھتے ہیں اس کتاب کی وسیع پیمانے پر فروخت کے حوالے سے کون کس قدر مثبت کردار ادا کرتا ہے۔ میں نے ایک محبِ وطن پاکستانی کی حیثیت سے پاک فوج کی 57 سالہ تاریخ، جدوجہد اور عظیم کارناموں کے حوالے سے ایک اہم دستاویز قوم کو پیش کر دی ہے جو صرف موجودہ نسل بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی یقیناً مشعل راہ ثابت ہوگی۔

دفاع

قرآن حکیم کی روشنی میں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جابجا نبی کریم ﷺ اور امت محمدیہ کو مضبوط دفاع کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ جب تک کسی مملکت کی اپنی دفاعی پوزیشن مستحکم نہ ہو تو پہل کی کاروائی تو کجا اس ملک کی سالمیت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اسلام میں مدافعانہ اور جارحانہ دو قسم کے جہاد نہیں بلکہ صرف ایک قسم کا جہاد ہے۔ جس میں مدافعت اور جارحیت دونوں شامل ہیں۔ جسے (Offensive Defence) کہتے ہیں۔ دفاع سے متعلق اگر قرآنی آیات کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ صرف دفاع فرض نہیں ہوا۔ اس لئے کہ صرف دفاع کی مثال فطری حوائج کھانے پینے اور حاجت ضروریہ کی سی ہے۔ اور اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار چیز کو فطری جبلت سے نوازا ہے۔ دراصل قرآنی آیت کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم۔ قتال فرض کیا گیا۔ حالانکہ یہ تم کو پسند نہیں ہے) اس آیت کی رو سے جہاد فرض نہیں ہوا۔ بلکہ قتال فرض ہوا۔۔۔ تاکہ کوئی شخص اس کی تاویل صرف جہد سے نہ کرے بلکہ اسی آیت کو قتال پر منطبق کیا

جائے۔ نبی کریم ﷺ نے موقع کی مناسبت سے مدافعانہ اور جارحانہ دونوں قسم کی جنگیں لڑیں اس بات کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ غزوۂ خندق تک نبی کریم ﷺ نے دفاعی جنگیں (Defensive Battles) لڑیں اور غزوہ خیبر میں نبی کریم ﷺ نے جارحانہ طرز (Aggressive Role) اپنایا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو سب سے پہلی باقاعدہ جنگ غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ نے پہل کا اقدام کیا۔ بلکہ ہجرت کے بعد غزوہ بدر تک آٹھ مہمات مختلف علاقوں میں بھیجنا نبی کریم ﷺ کے جارحانہ اقدام کی غمازی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل بوقت مقابلہ مدافعانہ نہ تھا۔ اگر نعوذ باللہ ایسا ہوتا تو پھر نبی کریم ﷺ انتظار فرماتے کہ کفارِ مکہ مدینہ منورہ کے اندر آ کر مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کی گردنوں پر تلوار رکھتے۔ تب نبی کریم ﷺ اپنے دفاع کی اجازت مرحمت فرماتے۔ یہ ایک غیر فطری عمل ہوتا۔ اور خاص کر دین اسلام میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ دفاع اور حملہ ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ دفاع پہلا زینہ ہے۔ اسے سر کر کے دوسرے زینے جارحانہ اقدام (Aggressive Meas-ures) تک پہنچنا نفع بخش ہے اور نقصان سے خالی۔

ماضی میں ہندوستان کے ساتھ لڑی گئی چھوٹی بڑی پانچ جنگوں میں جہاں ہم نے جارحانہ اقدام کیا وہاں پر کامیابی بھی حاصل کی اور جہاں صرف دفاعی طرزِ عمل کو اختیار کیا وہاں نقصان کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس لئے کہ حملہ آور سے زیادہ دیر تک اپنا بچاؤ مشکل ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں جنگی تیاری کا حکم ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تیاری سے دفاعی حیثیت کو استحکام ملے گا۔ اس سے دشمن کے اوپر خود بخود

رعب طاری ہوگا۔ اور بہ امر مجبوری اپنے دفاع میں رہے گا جس سے ہمیں خود بخود دفاعی اقدام کا موقع میسر آئے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

واعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم

"اور جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ سامان جنگ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کیلئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے تم اللہ اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کرو۔"

اس آیات میں تشویق و ترغیب کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج (Regular Army) ہر وقت تیار رہنی چاہئے۔ تاکہ بوقتِ ضرورت فوراً جنگی کاروائی کر سکو۔ نیز دشمن کو یہ ہمت نہ ہو کہ وہ تم پر حملے کی جرأت کر سکے۔ قوت و طاقت کی تفسیر حالات اور ادوار کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے ایٹمی دور میں تیر و کمان کا حصول آیت کے مطابق سمجھنا قرآنی حکمت کے خلاف ہے۔

یایها الذین امنوا خذوا حذرکم فانفرو اثبات اوانفروا جمیعا.

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنا دفاع کئے رکھو پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے ہو کر جہاد کیلئے نکلو۔"

"حذر کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے۔ ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ میں معاون ہو۔ اس مفہوم میں داخل ہے ہتھیار، تدابیر تعلیم و تربیت اور سکھلائی سب کچھ حذر میں شامل ہیں۔"

انفروا خفافاً و ثقالا وجاهدوا باموالكم و انفسكم في سبيل الله.

"نکلو (اللہ کی راہ میں) ہلکے ہویا بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں

اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ یا تھوڑی جمعیت کے ساتھ جہاد جاری رکھنے کا حکم ہے۔ اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مالی اور جانی قربانیوں کا حکم ہے۔ ہلکے یا بوجھل دونوں حالتوں میں اپنی دفاع کیلئے مختلف تدابیر اپنانے کا اشارہ ہے۔

الا تنفروا يعذبكم عذابا اليما و يستبدل قوما غيركم ولا تضروه شيئا ط والله على كل شيى قدير ط

''اگر تم (اس کی راہ میں) نہ نکلے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اٹھائے گا۔ اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

قرآنی حکم کے مطابق اللہ کی راہ میں جہاد ترک کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ جو قومیں ملک وملت کی دفاع کی اہل نہیں انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانا اللہ کی حکمت ہے اور اللہ کیلئے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

وانزلنا الحديد فيه باس شديد ومنافع للنّاس وليعلم اللّٰه من ينصره ورسله بالغيب ط

''اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے اور اس میں لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں اور لوہے کو اللہ نے اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ جان لے بن دیکھے اس کے اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے۔''

انبیأ علیہم السلام کے مشن کو بیان کرنے کے ساتھ ہی لوہے کا ذکر اور اس میں منافع کا ذکر خود بخود اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی

قوت ہے۔

والذين معه اشدآء على الكفار رحمآء بينهم.

''اور وہ لوگ جو ان (محمد ﷺ) کے ساتھی ہیں کفار پر نہایت سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔''

کفار پر نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی سختی سے مراد درشتی اور تندخوئی نہیں۔ بلکہ یہاں مراد ایمان کی پختگی' اصول کی مضبوطی اور انسانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں چٹان کی طرح ناقابل تسخیر اور بے خوفی ہے۔ یعنی دین اور اسلامی اصول کے دفاع کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانے والے ہیں۔

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض ولكن الله ذوفضل على العالمين.

''اور اگر اللہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو زمین کا نظام تباہ ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جہان والوں پر مہربان ہے۔''

اسلام نے بغیر شدید ضرورت کے خون بہانا اور قتل وخونریزی ممنوع قرار دیا ہے۔ مگر ایسی حالت میں جبکہ چند بے رحم اور سنگ دل انسانوں کے ہاتھوں امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو۔ خدا کی زمین میں معصیت اور فساد کا دور دورہ ہو اور مخلوق خدا کی کوئی قیمتی متاع محفوظ نہ ہو۔ عورتوں کی عصمتیں محفوظ نہ ہوں بوڑھوں کی تکریم نہ ہو۔ ظالم کا پکڑنا مشکل ہو' مظلوم کی دادرسی والا کوئی نہ ہو۔ ایسے میں اسلام اپنے پیروکاروں کو اپنے دفاع اور شرانگیزوں سے مخلوقِ خدا کو نجات دلانے کیلئے قتال کی اجازت دیتا ہے۔

ودالذين كفروا عن اسلحتكم وامتعتكم فيميلون عليكم ميلة

واحدة ط

"کفار اس تاک میں رہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبار ٹوٹ پڑیں۔"

اس آیت میں ہتھیار اور سامان سے غفلت تین طرح کی ہے :

(ا) میدانِ جنگ میں حملے یا دفاع کے دوران آلاتِ حرب وضرب کے استعمال اور حفاظت سے کوتاہی۔

(ب) میدانِ جنگ کے علاوہ زمانۂ امن میں سٹوروں میں موجود سازوسامان کی دیکھ بھال (Maintenance) سے لاپرواہی۔

(ج) دفاعی پیداوار (Defence Production) میں سستی سے کام لینا اور غیر اقوام کے سہارے پر رہنا (سائنس کی تعلیم مراد ہے)

وقٰتلوهم حتى لاتكونَ فتنة ويكون الدين لله ط

"اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔"

دنیا سے فتنے کا سدباب اور دینِ اسلام عام کرنے کیلئے نکلنا ضروری ہے صرف دفاع سے اپنی مدافعت تو کسی وقت اور کسی حد تک ممکن ہے۔ لیکن دنیا میں موجود باطل نظام ہائے حیات کو ملیامیٹ کرنے کیلئے خروج ضروری ہے۔ دین اسلام کے اندر خروج نہایت اہمیت کا حامل ہے اس لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

كنتم امة اخرجت للنّاس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتو منون بالله.

"تم بہترین امت ہو لوگوں کیلئے نکالے گئے ہو۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

دفاع

حدیث مبارکہ کی روشنی میں

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی باقاعدہ اسلامی مملکت قائم ہوئی بحیثیت فرستادۂ خدا نبی کریم ﷺ اسی مملکت کے سربراہ اور عساکر کے سپہ سالار تھے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات میں سپہ سالاروں والی شان اور دبدبہ بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

نصرت بالرعب مسيرة شهر وقول الله عزوجل سنلقى في قلوب الذين كفروا الرعب بما اشركوا بالله قال جابرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم.

"نبی کریم ﷺ کا قول مبارک کہ مجھے ایک ماہ کی مسافت تک کے رعب و دبدبہ سے مدد دی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان کہ کافروں کے دلوں میں ہم عنقریب رعب و دبدبہ ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے۔ اس کو حضرت جابرؓ نے رسالت مآب ﷺ سے بیان کیا ہے۔"

ایک تجربہ کار کماندار ہونے کے ناطے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جنگ میں جارحانہ اور مدافعانہ دونوں اقدام کیلئے تیار کرتا تھا۔ یہاں تک کہ عارضی پسپائی کی حالت میں کئے جانے والے اقدامات بھی سکھانے تھے۔

ان امور کی عملی تربیت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے جہاد ودفاع کے فضائل امت کے سامنے بیان فرمائے۔ موضوع کی مناسبت سے دفاعی امور سے متعلق چند احادیث حسبِ ذیل ہیں :

عن معاذ بن جبلؓ فی حدیث طویل قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رأس الامرالاسلام وعمودہ الصلوٰة وذروة سنامه الجهاد.

"حضرت معاذ بن جبلؓ ایک طویل حدیث کے ذیل میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اصل کام اسلام ہے اور اسلام کا عمود جس پر اس کی تعمیر قائم ہے نماز ہے اور اس کا اعلیٰ مقام جہاد ہے۔"

عن انسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سبیل الله اوروحة خیر من الدنیا وما فیها.

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام پہرہ دینا دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔"

عن ابی هریرةؓ قال وعدنا النبی صلی الله علیه وسلم غزوة الهند فان ادرکتها النفق فیها نفسی ومالی فان قتلت کنت افضل الشهدآء وان رجعت انا ابوهریرة المحرر.

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم سے ہندوستان کے جہاد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں نے اپنی زندگی میں اس کو پالیا۔ تو میں اپنا سارا مال اور اپنی جان اس میں خرچ کروں گا۔ پھر اگر میں قتل کر دیا گیا تو شہیدوں میں افضل ہو جاؤں گا اور اگر زندہ لوٹا تو جہنم سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔"

پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک ہندوستان پر مختلف اوقات میں جہاد ہوتا رہا اور آئندہ بھی شاید ہوتا رہے گا۔ اسی لئے علماء کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانے سے لے کر آج تک ہندوستان پر کئے گئے ہر زمانے کے جہاد کو یہی فضیلت حاصل ہے۔

عن ابن عباسؓ قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول عینان لاتمسهماالنار عین بکت من خشیة الله وعین باتت تحرس فی سبیل الله.

"دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جس نے جہاد فی سبیل اللہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔"

عن سهل بن سعد ن الساعدی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال رباط یوم فی سبیل الله خیر من الدنیا وما علیها.

"حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دن کا پہرہ' یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا کام ساری دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔"

عن ابی عبس عبدالرحمن بن جبیرؓ ان رسول الله صلی الله

وسلم قال ماغبرت قدما عبد فی سبیل الله فتمسه النار.

''حضرت ابو عبس عبدالرحمٰن ابن جبیرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دونوں پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہو جائیں۔اسے آگ نہیں چھوئے گی۔''

عن عبادالله بن عبدالرحمن بن ابی حسین ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الله لیدخل بالسهم الواحد ثلاثة الجنة صانعه یحتسب فی صنعه الخیر والرامی به والممد به.

''ابی حماد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ساتھ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ تیر بنانے والے کو، جو اس کے بنانے میں ثواب کا طالب ہے۔ اور تیر چلانے والے کو اور تیر پکڑنے والے کو۔''

عن ابی ہریرةؓ قال جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله! ارأیت ان جآء رجل یرید اخذ مالی قال فلا تعطه ملاك قال ارأیت ان قاتلنی قال قاتله قال ارأیت ان قتلنی قال فانت شهید قال ارأیت ان قتلته قال هو فی النار.

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ فرمائیں اگر کوئی شخص میرا مال مجھ سے چھیننا چاہے (تو کیا حکم ہے) فرمایا اس کو مال نہ دینا۔ اس نے عرض کیا۔ بتائیں اگر وہ مجھ

سے لڑے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو بھی اس سے لڑ۔ اس نے پھر عرض کیا آپؐ بتائیں اگر وہ مجھے قتل کر دے۔ فرمایا تو شہید ہے پھر اس شخص نے دریافت کیا اگر میں اسے قتل کر دوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ دوزخی ہے۔''

عن سعید بن زید بن عمر و بن نفیل عن النبی صلی الله علیه وسلم من قتل دون ماله فهو شهید.

''سعید بن زیدؓ کا بیان ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنا مال بچاتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔''

عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اذاتبایعتم بالعینة واخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذلالا ینزعه عنکم حتی ترجعوا الیٰ دینکم.

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم بعینہ کرنے لگو گے اور بیلوں کی دم پکڑنے لگو گے اور زراعت پر راضی رہو گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایک ذلت مسلط کر دے گا۔ جب تک تم اپنے طریقہ پر واپس نہ آجاؤ گے وہ تم سے اس ذلت اور رسوائی کو الگ نہیں کرے گا۔''

پاکستان آرمی کا پس منظر

ووجدك عآئلا فاغنٰی

اور اس نے تجھے محتاج پایا اور جسمانی اور روحانی دولت سے مالا مال کر دیا۔ (قرآن مجید)

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ملک آزاد ہوا' تو پاکستانی فوج وجود میں آئی۔ ابتداء میں اس کی تشکیل ہندوستانی فوج کے مسلمان فوجیوں سے ہوئی۔ پرانی ہندوستانی فوج جسے برطانوی ہندوستانی فوج کہنا چاہئے۔ ایک مؤثر اور کار آمد جنگی ہتھیار تھی۔ جس کی تعمیر و ترقی کیلئے تقریباً" دو سو سال کا عرصہ لگا تھا۔ پھر اسے کیوں اچانک دو حصوں یعنی پاکستانی فوج اور ہندوستانی فوج میں تقسیم کر دیا گیا؟ فوج کی تقسیم کا مسئلہ بھی تقسیم ہند کی طرح پیچیدہ تھا اس ضمن میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مسلمان جو صدیوں سے بر صغیر کو اپنا ملک سمجھتے رہے تھے۔ اپنے لئے ایک علیحدہ وطن کی ضرورت کیوں محسوس کرنے لگے؟ انہیں تو یہاں رہتے ہوئے ایک ہزار سال گزر چکے تھے۔ ہندوؤں کی طرح انہوں نے بھی اس کو اپنا حقیقی وطن مان لیا تھا۔ اسی سرزمین میں وہ پلے بڑھے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ انہوں نے اس وحدت کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ برّ صغیر اپنی تاریخ میں کبھی بھی ایک مکمل ملک نہ تھا۔ قدیم زمانے کا بھارت ورش یا آریہ ورت سندھ و گنگا کی وادیوں تک محدود تھا۔

انڈیا (Indica) سے ماخوذ ہے۔ جس سے مراد دریائے سندھ کا علاقہ ہے اس میں شک نہیں کہ اشوک' ہرش اور بکرماجیت جیسے راجاؤں نے بر صغیر کے خاصے بڑے حصے پر حکومت کی۔ لیکن سلطنت کے بیشتر علاقوں میں ان کو اجنبی حکمران سمجھا گیا۔ وحدتِ ہند کا تصور صرف مسلمانوں کی تخلیق ہے اور انہوں نے ہی ایک حکومت' ایک تہذیب اور ایک زبان کے ماتحت ان علاقوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ یہ مسلمان حکمران جن کی اکثریت مقامی باشندوں پر مشتمل تھی سات سو سال تک اسی جدوجہد میں مصروف رہے۔

انگریز جو مسلمان حکمرانوں کے جانشین بنے اگر ان کی پالیسی پر عمل کرتے تو ہندوستان کو ایک ملک بنا سکتے تھے۔ لیکن ان کی حکومت اجنبی تھی اور ہمیشہ اجنبی ہی رہی۔ لہٰذا نہ تو مسلمانوں کو یہ حکومت قبول تھی اور نہ ہندوؤں کو۔ متحدہ ہند انگریزوں کے مفاد کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ اس نظریئے سے دور ہی رہے۔ دراصل انگریز ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتفاق نہیں چاہتے تھے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں نفاق کے بیج بونا ہی ان کے مفاد میں تھا۔ لہٰذا انہوں نے یہی کیا۔ اس میں شک نہیں کہ انگریز بر صغیر کو انتظامی و اقتصادی طور پر متحد کرنے میں کامیاب ہوئے۔ لیکن یہ اتحاد بالکل سطحی تھا۔ چنانچہ انگریزوں کے یہاں سے کوچ کرنے کے وقت ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے مکمل طور پر بدگمان ہو چکے تھے۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمان اور ہندو صدیوں سے ایک ساتھ رہتے چلے آ رہے تھے اور ان میں شاذونادر ہی کوئی اہم اختلاف پیدا ہوتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ہندومت اسلام کو اپنے اندر جذب کرنے میں ناکام رہا۔ لیکن اس ناکامی نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات میں کوئی تلخی پیدا نہیں کی۔ اس کے برعکس اسلام کی خوبیوں'

مساوات اور سادگی کو دیکھ کر لاتعداد ہندو برضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔ دلوں میں یہ تبدیلی حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت شاہ جلالؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور نظام الدین اولیاؒ جیسے صوفیائے کرام کی ذات گرامی اور صفات سے آئی۔ ان کے اخوت و محبت بھرے پیغام اور اسوۂ حسنہ نے جادو کا کام کیا۔ مسلمان حکمرانوں کی شفقت اور سرپرستی میں دونوں قوموں نے مل جل کر ایک ایسی تہذیب کی داغ بیل ڈالی جسے صحیح معنوں میں ہندی تہذیب کہا جاسکتا ہے۔ چند مسلمان حکمرانوں اور صوفیائے کرام نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو اور بھی قریب لانے کی کوشش کی۔ گو وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ پھر بھی آپس کے میل ملاپ اور دوستی میں کوئی فرق نہ پڑا۔ اور سب کے سب اسی سرزمین کو اپنا وطن سمجھتے رہے۔ اس میں شک نہیں کہ کبھی کبھی آپس میں جھگڑے بھی ہوئے اور جنگیں بھی۔ مگر یہ سب کچھ حکمرانوں کے درمیان ہوا۔ عوام کو ان سے براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ برصغیر کی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں جہاں ہندو سپاہی مسلمان بادشاہوں کی طرف سے لڑے۔ اور مسلمان سپاہیوں نے ہندو حکمرانوں کیلئے جنگ کی۔ آج محمود غزنوی کو ہندو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر حملے میں ہندو سپاہیوں کی کافی تعداد ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ آٹھ سو سالہ دورِ حکومت میں مسلم افواج میں ہندو سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ شامل رہی اور انہوں نے اپنے حکمرانوں کیلئے جنگیں لڑیں۔ مشہور مرہٹہ شیواجی جب اورنگ زیب کے خلاف جنگ کر رہا تھا۔ تو شاہی فوج کا ایک سالار ہندو راجپوت راجہ جے سنگھ تھا۔ پلاسی کے مقام پر نواب سراج الدولہ کے خلاف سازش کرنے والا صرف رسوائے زمانہ میر جعفر ہی نہ تھا بلکہ درپردہ لاٹھ رائے بھی اس کے ساتھ تھا۔ ان دونوں نے عین لڑائی کے دوران اپنے نوعمر حکمران کے خلاف

سازش کر کے ہندوستان کی سرزمین پر انگریزوں کے قدم پہلی بار مضبوطی سے جما دیئے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان مرہٹوں کے خلاف لڑے تو دونوں طرف کی فوجوں میں ہندو اور مسلمان دوش بدوش صف آرا ہوئے۔ پانی پت کی تیسری لڑائی میں بہادر سالار ابراہیم گاروی مرہٹوں کی طرف سے احمد شاہ ابدالی کے خلاف نبرد آزما ہوا۔

انگریز نہایت موزوں وقت پر ہندوستان پہنچے۔ انہیں مغلوں کا جاہ و جلال دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ پھر مغلوں کے زوال کے بعد جو افراتفری پھیلی وہ اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے بھی تیار ہو چکے تھے۔ دانشمند انگریز ملک کی حالت کا گہرا مطالعہ کر چکا تھا اور اس نے یہاں کے لوگوں کے کردار کی خوبیوں اور خامیوں کو خوب پرکھا اور پھر انہیں اپنے مطلب کیلئے جس طرح چاہا استعمال کیا۔ لگاتار طوائف الملوکی اور سیاسی بحران سے یہاں کے لوگ خود بیزار ہو چکے تھے۔ اور وہ اسی انتظار میں تھے کہ کوئی ایسا حکمران آئے جو امن قائم کرے اور عوام کی حفاظت کرے۔ چنانچہ وہ خود ہی محکومی و بربادی کیلئے فرنگیوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتے چلے گئے۔ اس ملک کی تجارت پر قابو پانے کیلئے جو لڑائیاں ہوئیں ان میں انگریز کامیاب رہے اور جلد ہی ہندوستان کے واحد مالک اور حاکم بن گئے۔ انگریز واقعی بہت ہوشیار تھا اس نے جلد ہی بھانپ لیا کہ اس کی اپنی سلامتی اور نئی سلطنت کے استحکام کا دارومدار مسلمانوں کے تقریباً "سات سو سالہ اثر و رسوخ کو ختم کر دینے ہی میں مضمر ہے۔ ہنٹر (Hunter) اپنی تصنیف "انڈین مسلمان" میں لکھتا ہے۔ "ہم مسلمان شرفاء کے پیچھے پڑ گئے۔ کیونکہ یہ طبقہ ہماری راہ میں حائل تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ نظامِ حکومت سے ان کا جو تعلق تھا وہ آہستہ آہستہ انہیں عہدوں سے ہٹا کر ختم کر دیا۔ انہیں ہر قسم کے رسوخ سے محروم کر دینے میں ہی ہمارا مفاد تھا۔" نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو کچلنا برطانوی

حکومت کی پالیسی بن گئی۔ جہاں مسلمانوں نے کھویا ہندوؤں نے پایا۔ انگریز نے ہر میدان میں ہندو کی حوصلہ افزائی کرنی شروع کر دی تاکہ ملک کی سیاست میں حسبِ منشاء توازن پیدا ہو جائے۔ انگریز ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کے ہر اس اثر کو مٹانے کے درپے ہوگئے۔ جو انہوں نے طویل عرصے میں قائم کیا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کو دانستہ طور پر بگاڑا گیا۔ اس رخنہ کو خلیج کی شکل دینے میں انگریزوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔ چنانچہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا تخت ایک نو عمر ہندو راجہ کو سونپ دیا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں پہلی افغان جنگ کے بعد گورنر جنرل لارڈ ایلن برا نے ملک کے خاص خاص مقامات پر ایک نقلی چوبی دروازے کی نمائش کی۔ اور یہ مشہور کر دیا کہ یہ وہی متبرک دروازہ ہے جسے محمود غزنوی ۱۰۲۶ء میں سومنات سے اکھاڑ کر غزنی لے گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں جب مسلمان اور ہندو دونوں اپنی گردن سے غیر ملکی جُوا اتارنے کی باہم کوشش میں ناکام ہو گئے تو قربانی کا بکرا مسلمانوں کو بنایا گیا اور انہیں بری طرح کچل دیا گیا۔ سر سید احمد خان اپنے رسالہ "لائل محمڈنز آف انڈیا" میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔ "ان دنوں ایسا کوئی خار دار پودا نہ تھا۔ جس کے متعلق یہ نہ کہا جاتا ہو کہ یہ مسلمان کا لگایا ہوا نہیں۔ اور کوئی بگولہ ایسا نہ اٹھتا جسے مسلمانوں کی کارستانیوں سے منسوب نہ کیا جاتا ہو۔"
انگریزوں کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے جو شکوک تھے اس کی جھلک ہندوستانی فوج میں بھی نظر آتی تھی۔ برطانوی راج کے خاتمے تک کوئی ایسی فوجی یونٹ نہ تھی۔ جو صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو حالانکہ فوج میں کئی خالص ہندو اور سکھ یونٹیں تھیں۔ انگریز نے ہندوؤں کو یہ سبق پڑھایا کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ جسے مسلمانوں نے اتنے عرصے تک چھین رکھا تھا۔

مسلمانوں سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے گزشتہ شاندار کارناموں کو اتنی جلدی بھول جائیں۔ اور بڑھتے ہوئے مغربی اثر و رسوخ کی مخالفت میں آواز نہ اٹھائیں۔ اس کے برعکس بیشتر ہندوؤں کو کوئی ایسی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی۔ جہاں مسلمان ہر انگریزی چیز کا بائیکاٹ کرنے اور کھلم کھلا انگریز کی مخالفت کرنے میں مصروف تھے۔ ہندو فوراً" نئی مغربی تعلیم کی طرف لپکے اور ہندو قومیت کا جو تصور انگریز نے اس کے دل پر بٹھایا تھا اسے انہوں نے پختہ کر لیا۔ انگریز نے اس نئے ہندو رجحان کی حوصلہ افزائی کی لہٰذا برصغیر میں قومیت کی نشوونما خالص ہندو قومیّت کے زیرِ اثر ہونے لگی۔

بدلتے ہوئے غیر موافق حالات میں مسلمانوں کے قافلے کا نہ کوئی سالار تھا اور نہ کوئی منزل تھی۔ وہ اپنے سنہری ماضی کے نشے میں چور آہستہ آہستہ اقتصادی' سماجی اور سیاسی میدان میں ہندوؤں سے پیچھے ہوتے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی اپنی غفلت اور انگریز کی ہندو پروری کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو اندرونی و بیرونی تجارت۔ بینکوں کے لین دین۔ انتظامی امور۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے پر چھا گئے۔ اس احیاء کو تیز کرنے اور قومی جوش پیدا کرنے کیلئے جب ہندوؤں کو مخالفت و حقارت کیلئے ایک ہدف کی ضرورت ہوئی تو مسلمانوں سے بہتر کون مل سکتا تھا؟ اس مقصد کیلئے انہوں نے برصغیر کی تاریخ کو بھی مسخ کرنا شروع کر دیا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنی ہی غلط بیانیوں پر پوری طرح یقین کرنے لگے۔ انگریز کو اور کیا چاہئے تھا۔ اس نے ان حالات سے خوب فائدہ اٹھایا اور اسے ایسی زرخیز زمین میں شہنشاہیت کا پرانا اور آزمودہ بیج "پھوٹ ڈالو اور راج کرو" بونے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ یعنی پہلے پہل ہندوؤں اور مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور آخر میں

تنازعات اور کھلے بلوے۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندو مسلم فساد کا نام بھی نہیں سنا گیا تھا۔ اب ایسے فسادات ملک کے ہر بڑے شہر میں عام ہونے لگے۔ ہندو جو مسلمانوں سے سیاسی و اقتصادی لحاظ سے بہت آگے نکل چکے تھے اس جہالت کی روک تھام کر سکتے تھے لیکن وہ خود مسلمانوں کو غیر اور بدیشی سمجھنے لگے تھے وہ اچھوتوں کو اپنا سکتے تھے لیکن مسلمانوں کے جائز حقوق کو تسلیم کرنے سے سراسر منکر تھے۔

اس برصغیر کے اسٹیج پر جو کھیل کھیلا جا رہا تھا اور ڈرامہ کے جس نقطۂ عروج کی آہستہ آہستہ تیاری ہو رہی تھی اس سے سادہ ماحول میں پلے ہوئے اور جدید سیاست اور تعلیم سے بے بہرہ مسلمان سپاہی بالکل غافل تھے۔ اور آنے والے خطرے سے بالکل بے خبر تھے۔ انہیں کیسے یقین آتا کہ وہ ہندو جو ان کے ساتھ ایک ہی ملک میں رہتے ہیں اور جن سے صدیوں پرانے تعلقات ہیں' سیاسی آزادی میں اپنے مسلمان بھائیوں کو شرکت کا حق نہ دیں گے؟ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ انگریز (جس پر وہ اتنا اعتبار کرنے لگے تھے) ہندوستان کی بگڑی ہوئی حالت کو اس طرح بے قابو ہونے دے گا۔ اور ان کے ساتھ غیر منصفانہ روّیہ اختیار کرے گا۔ لیکن انگریزی حکومت کے آخری ایام میں صورت ہی کچھ اور ہو گئی۔ ایک علیٰحدہ وطن اور ایک علیٰحدہ فوج کی اہمیت و ضرورت کو ایک سیدھا سادہ مسلمان سپاہی شاید سمجھ نہیں سکتا تھا۔ خوش فہمی تو مسلمانوں کی دیرینہ کمزوری ہے۔ لیکن سیاسی میدان میں یکے بعد دیگرے جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے اس کو جھنجھوڑا اور اسے خطرے کا احساس ہونے لگا۔ واقعات مسلمانوں کے تاریک مستقبل کی غمازی کر رہے تھے اور انہیں پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ حالات بہت دگرگوں ہو چکے ہیں۔

ہندوؤں کی نیت پہلی مرتبہ بے نقاب تب ہوئی جب نئے آئین کے مطابق ۱۹۳۷ء میں کانگرسی وزارتوں نے بہت سے صوبوں میں حکومت قائم کی۔ ان کے قول و فعل میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کو دانستہ دبانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ کئی جگہ مثلاً یوپی اور بہار میں انتہا پسند ہندوؤں سے مسلمانوں کا قتلِ عام بھی کروایا۔ ۱۹۳۷ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک کانگرسی وزارتوں کا دور نہایت بھیانک تصویر پیش کرتا ہے۔ مسلمانوں سے انصاف کا تو خیر ذکر ہی کیا انہوں نے تو مسلم لیگ جیسی جماعت کو (جس نے مسلمانوں کو جگا کر کانگرس کے بعد سب سے نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا) مسلمانوں کی جماعت تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا چنانچہ مسلمان ایسی زندگی سے تنگ آ کر کئی علاقوں سے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اور اس طرح برصغیر کی لغت میں مہاجر اور پناہ گزین کے الفاظ کا اضافہ ہو گیا۔

ان حالات میں تقسیم ہند سے قبل مسلمان سپاہی کے خیالات اور احساسات کیا تھے؟ یہ حقیقت ہے کہ تقریباً سارے مسلمان سپاہی ان پس ماندہ علاقوں کے رہنے والے تھے جہاں کے باشندوں کو اس لئے تعلیم اور زندگی کی دوسری سہولتوں سے محروم رکھا گیا تھا کہ وہ صرف فوج میں بھرتی ہوں۔ سالہا سال سے وہ ایک وفادار سپاہی کی زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے اور سوائے خاندانی اور دیہاتی سیاست کے انہیں کسی اور سیاست سے سروکار نہیں تھا۔ برصغیر میں پچھلے سو سال میں جو سیاسی اور سماجی تحریکیں اٹھیں ان سے انہیں جان بوجھ کر دور رکھا گیا۔ کانگرس جیسی سیاسی جماعتوں کی ہنگامہ آرائی ان سیدھے سادھے لوگوں کیلئے کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اگر کوئی جماعت ان سادہ لوح سپاہیوں کے طرزِ زندگی' ان کے مذہب اور ان کے کلچر کی حفاظت کی حامی بھر لیتی تو یہ یقیناً اس کے ساتھ ہو لیتے۔ آزادی سے قبل ملک میں جو سیاسی افراتفری پھیلی ہوئی تھی اس میں انہیں صرف اپنے اہل و عیال کی فکر تھی۔ البتہ

چند اہم واقعات ضرور رونما ہوئے جنہوں نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ مسلم لیگ ہی ان کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور یہ کہ محمد علی جناح ہی ان کے قائدِ اعظم ہیں اور فقط پاکستان ہی ان کی نجات ہے جو ان کی آزادی اور ان کے دفاع کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کا جو قتلِ عام ہو رہا تھا۔ اس کا سپاہیوں پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اکتوبر و نومبر ۱۹۴۶ء میں صوبہ بہار کے کئی مقامات پر مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ اس کے فوراً" ہی بعد گڑھ مکتیسر میں نہتے مسلمانوں' ان کی عورتوں اور معصوم بچوں پر وہ مظالم ہوئے کہ جن پر عہد بربریت کا وحشی انسان بھی شرما جائے۔ گڑھ مکتیسر ہندوؤں کا ایک مقدس مقام ہے جہاں سالانہ تیرتھ کیلئے لاکھوں ہندو دریائے گنگا میں اشنان کر کے اپنے گناہوں سے پاک وصاف ہونے آتے تھے۔ بہار میں جو کچھ ہوا وہ اس صوبہ میں چودہ فیصدی مسلمانوں کو ختم کر دینے کی دوسری کوشش تھی۔ گڑھ مکتیسر کے واقعات کی اس وقت تک تاریخ میں کوئی مثال موجود نہ تھی۔ سکھ جو پنجاب کو اپنے قابو میں لانے کی عرصے سے تیاریاں کر رہے تھے۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں شمال مغربی علاقہ میں مسلمانوں کے مرکز راولپنڈی پر حملہ کرنے کی دلیرانہ تجویز پر عمل پیرا ہوئے۔ اس کے دو مقصد تھے۔ ایک تو دنیا میں اپنی طاقت کی تشہیر کرنا۔ دوسرے برصغیر کے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنا۔ لیکن اس حملہ کی تیاری کرتے ہوئے وہ مسلمانوں کی صحیح طاقت کا اندازہ نہ لگا سکے۔ شروع شروع میں سکھ غالب رہے اور مسلمانوں نے نقصان اٹھایا۔ مسلمانوں کو سکھوں کے بے توقع حملہ سے جو حیرت ہوئی اس کے اثرات دور ہوتے ہی سکھوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ طرفین کی طاقت کی کھلی آزمائش تھی۔

تیسری چیز تھی انڈین پریس کا رویہ۔ اس پریس نے (جس کے عملے میں ہندوؤں کی اکثریت تھی) جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مسلمانوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ پروپیگنڈہ کرنا ہندو اپنا فرض اولین سمجھتے۔ قائداعظم اور مسلم لیگ خاص طور پر ان کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ ۱۹۴۰ء تک تو انڈین پریس' واقعات کو غلط پیش کرنے میں ماہر ہو گیا تھا۔ قسم قسم کے جھوٹے افسانے گھڑے جاتے اور پھر انہیں بڑی بڑی سرخیاں دے کر چھاپا جاتا۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جائے۔ مسلمانوں کے ہر قتل عام نے اس تشنگی کو اور بڑھایا۔ سپاہیوں کو بدنام کرنے میں بھی اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خصوصاً" مسلمان سپاہی تو ان کے قلم کی زد میں تھے۔ فوج کو بدنام کرنے اور اسے ایک غیر ملکی آلہ کار ثابت کرنے کیلئے نئے نئے بہتان تراشے جاتے۔ یہ الزام اس وقت لگائے جا رہے تھے جب فوج روز بروز بڑھتی ہوئی مشکلات اور بگڑتے ہوئے ماحول کے باوجود نہایت ہی وفاداری کے ساتھ ملک میں نظم وضبط قائم رکھنے میں مصروف تھی۔

چوتھا واقعہ جس نے مسلمان سپاہیوں کو بدظن کیا وہ گورنر جنکنز کی ہٹ دھرمی تھی جو انہوں نے سر خضر حیات خان کی وزارت کو پنجاب پر ٹھونسنے میں دکھائی۔ سر خضر حیات خان سے پنجاب کے مسلمان جنوری ۱۹۴۷ء کے واقعات کے بعد بالکل بیزار ہو چکے تھے۔ ان کی حکومت کو پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کی اکثریت کی کوئی حمایت حاصل نہ تھی۔ انگریز گورنر نے سر خضر حیات خان کی بے جا اور غلط انگریز پرستی سے خوب فائدہ اٹھایا اور انہیں مسلمانوں سے غداری کرنے پر اکسایا۔ ایک مسلمان کی غلط روی کی قیمت پنجاب کے لاتعداد مسلمانوں کو اپنی جان و مال کی صورت میں ادا کرنی پڑی۔

حکومت برطانیہ نے ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء کو برصغیر کی حکومت جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستانیوں کے سپرد کرنے کے فیصلے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی ایک نئے وائسرائے کی تقرری عمل میں لائی گئی۔ جونہی یہ عیاں ہونے لگا کہ ہندوستان تقسیم کیا جائے گا۔ بہت سے بارسوخ ہندوؤں نے اس تقسیم کو بے معنی بنانے کیلئے شرانگیز پروپیگنڈا شروع کر دیا اور اسی مقصد کیلئے ہندوستانی فوج کو سالم رکھنے کے فوائد پرزور دینا شروع کر دیا۔ فوج کی وحدت کو قائم رکھنے کی یہ مہم سچائی یا دیانتداری پر مبنی نہ تھی اور نہ یہ اس لئے شروع کی گئی تھی کہ ہندو اس عمدہ فوج کو برصغیر میں امن قائم رکھنے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے سیاسی اختلافات نے فوجیوں پر لازماً اثر کیا تھا۔ جاننے والے جانتے تھے کہ دو دوست فوجیں جن میں نظم و ضبط اور حوصلے کی کمی نہ ہو اس ایک فوج سے زیادہ مضبوط و قوی ہوں گی جو یہ ضروری صفات کھو بیٹھی ہو۔ فوج کی تقسیم کی مخالفت کا اصلی مقصد صرف پاکستان کے بننے میں رکاوٹ ڈالنا تھی۔ اس مقصد کی تکمیل کیلئے نہایت ہوشیاری سے طرح طرح کی دلیلیں پیش کی گئیں۔ انگریزوں کے سامنے جو دلیل پیش کی گئی اور جس سے ان کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ اور بھی سخت ہو گیا یہ تھی کہ تقسیم ہند کے بعد مسلمان اور ہندو آپس کی کدورت کی وجہ سے ایک دوسرے کو مشکوک نظروں سے دیکھتے رہیں گے۔ اس لئے فوج کا ایک رہنا اس وقت تک ضروری ہے جب تک دونوں کے درمیان یقین واعتماد کی فضا نہ پیدا ہو جائے اور ایسی فضا پیدا کرنے کیلئے برطانوی فوج کا ہندوستان میں قیام ضروری تصور کیا گیا۔ مزید یہ بھی کہا گیا کہ برطانیہ اپنی فوج کے دستے ہندوستان میں تب ہی رکھ سکتا ہے جب کہ ملک کے حالات سازگار ہوں یعنی دوسرے الفاظ میں ہندوستانی فوج کی تقسیم نہ ہو۔ اور تو اور

گاندھی جی نے بھی ان دلائل کی حمایت کی اور فرمایا کہ اگر انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلے گئے تو شمال کی جانب سے پنجابی اور گورکھے ملک پر چڑھ دوڑیں گے۔

درحقیقت حکومت برطانیہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ فوج کو سیاسی فرقہ بندیوں سے بچانے کیلئے فوراً تقسیم کر دینا کتنا ضروری تھا۔ ملک میں پھیلتا ہوا سیاسی زہر فوج میں لگاتار سرایت کرتا جا رہا تھا۔ ان دگرگوں حالات میں ہندوستانی فوج کے ڈسپلن اور سپاہیانہ خوبیوں کا مزید امتحان لینا دانشمندی پر مبنی نہ تھا۔ ملک کے اصل حکمران واقعی یہ اندازہ نہ کر سکے کہ ہندوستانی فوج کو دفاع کا ایک مؤثر ہتھیار بنائے رکھنے کیلئے بھی اس کی فوری تقسیم ناگزیر تھی۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۷ء میں نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو رخصت کرتے ہوئے وزیراعظم انگلستان مسٹر اٹیلی کے دل میں کانگرس کیلئے جو احترام تھا اس کا اظہار انہوں نے نئے وائسرائے کے سامنے ضرور کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ حکومتِ برطانیہ نے انہیں کچھ ہدایات بھی دی ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان پہنچنے کے بعد ان کے رویے پر اس کا اثر پڑا ہوگا۔ ہندوستان میں قدم رکھتے ہی انہوں نے یہی تاثر دیا گیا کہ وہ مسلمانوں سے تعصب رکھتے ہیں اور ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنا نہیں چاہتے۔ قائداعظم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ وائسرائے شروع ہی سے "نہرو کی جیب میں تھے" ان کا سٹاف خاص کر عملے کے وہ لوگ جو ان کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتے تھے چند ہی ہفتوں میں ہندو لیڈروں کے ساتھ گھل مل چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی وائسرائے کو یہ مشورہ دیا گیا کہ فوج کی تقسیم کیلئے پہلے سے کوئی تجویز تیار کر لینی چاہیے تاکہ وقت آنے پر اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکے تو انہوں نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ "نہ فوج کا نظام ایسے کسی اقدام کی اجازت دیتا ہے اور نہ میں متفق ہوں گا۔"

فیلڈ مارشل آکنلک نے کئی اعلیٰ انگریز افسروں کی نصیحت سننے سے بھی انکار کر دیا۔ جو انہیں تقسیم فوج پر اس لئے آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ کہیں فوج مکمل انتشار کا شکار نہ ہو جائے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ سینئر مسلمان فوجی افسروں پر بھی ناجائز ذرائع سے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ فوج کی سالمیت کی حمایت کریں۔ جو مسلمان افسر ۱۹۴۷ء میں انگلستان میں مقیم تھے انہیں اچھی طرح یاد ہو گا کہ بریگیڈیر کریاپانے (جو بعد میں ہندوستانی فوج کے کمانڈر انچیف بنے) اپنی تقریروں سے ان پر فوج کی سالمیت کے سلسلے میں زور ڈالنا چاہا تھا۔ ملک میں بھی افسروں کو اندھا دھند بلاوجہ نئی یونٹوں اور چھاؤنیوں میں تبدیل کیا جا رہا تھا۔ کئی مسلمان سینئر افسروں کو اپنی اصلی یونٹوں سے جن سے عمر بھر ان کا تعلق رہا تھا ایسی یونٹوں میں تبدیل کر دیا گیا جن کی بھاری اکثریت سکھوں اور ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ مثال کے طور پر جنرل محمد موسیٰ کو (جو اس وقت لیفٹیننٹ کرنل تھے) فرنٹیئر فورس رائفلز سے سکھ لائٹ انفنٹری میں بھیج دیا گیا اور لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا کو (جو اس وقت میجر تھے) گڑھوال رائفلز میں تبادلہ کر دیا گیا۔ یہ سارے تبادلے تقسیم ملک سے کچھ روز قبل ہی عمل میں آئے تھے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب انگریزی حکومت کیلئے ایک قطعی فیصلہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور نئے وائسرائے کو اس برصغیر کے دو حصے کرنے پڑے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ کام تقریبا" تین سال کی تاخیر سے کیا گیا تھا۔

ملک کی روزافزوں افراتفری اور بدنظمی کے باوجود فوج اپنی روایات اور نظم و ضبط پر ثابت قدم رہی۔ یہ سچ ہے کہ کچھ ہندو فوجی دستوں نے کہیں کہیں غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کیں لیکن ایسے حادثات زیادہ تر ان یونٹوں تک محدود رہے جو لڑائی کے دنوں میں قائم کی گئی تھیں اور جن کے ہندو سپاہی پرانے فوجی قبیلوں سے تعلق نہیں رکھتے

تھے اور ان کے کمانڈر نوعمر افسر تھے جو ملک کے زہریلے سیاسی ماحول کی پیداوار تھے۔ ماسوا ان چند واقعات کے فوج نے اپنی وفاداری اور نظم و ضبط کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ حالانکہ ملک میں چاروں طرف اشتعال انگیز واقعات رونما ہو رہے تھے۔ لیکن فوجیوں نے ہر فتنہ و فساد میں خواہ وہ ملک کے کسی بھی گوشے میں ہوا ہو۔ مسلمان، ہندو، سکھ سب فرقوں کی بے لاگ خدمت کی۔ فوج کافی آزمائشوں سے گزری تھی لہٰذا اب اسے مزید آزمائش میں ڈالنا کسی طرح بھی صحیح نہ تھا۔ دیرینہ صفات کا پیمانہ اب لبریز ہو کر چھلکنے ہی والا تھا۔ فوج کو ایک رکھنے کی مخلصانہ لیکن ناعاقبت اندیشانہ کوشش میں اعلیٰ انگریز افسر فوج کو تباہی کے قریب پہنچا چکے تھے۔

بالآخر حکومت برطانیہ اور کانگرس کو برصغیر کو بھارت و پاکستان میں تقسیم کرنے پر رضامند ہونا پڑا اور ۳/ جون ۱۹۴۷ء کو اس کا اعلان کر دیا گیا۔ اس برصغیر کی تقسیم کے ساتھ پرانی برطانوی ہندوستانی فوج ختم ہو گئی اور پاکستان آرمی وجود میں آ گئی۔

برٹش انڈین آرمی کی تقسیم

برطانیہ نے اقتدار منتقل کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اور جس کا مقصد اگست ۱۹۴۷ء میں برصغیر کو پاکستان اور انڈین یونین میں تقسیم کرنا تھا اس کا اعلان ۳/ جون ۱۹۴۷ء کو کیا گیا۔ ایک طرف برطانوی دارالعلوم میں وزیراعظم مسٹر ایٹلی نے اس کے متعلق ایک بیان دیا اور ساتھ ہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آل انڈیا ریڈیو پر اعلان نشر کیا۔ لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی فوجوں کی تقسیم کا ذکر نہیں کیا۔ بہر حال یہ تو ظاہر تھا کہ اگر پاکستان اور انڈین یونین کو اختیارات منتقل ہوئے تو تقسیم کی ایک ضروری شرط فوجوں کی تقسیم بھی ہوگی کیونکہ اس کے بغیر دونوں مملکتیں کسی طرح بھی آزاد و خود مختار نہیں رہ سکتی تھی۔

۴/ جولائی ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم نے برطانوی پارلیمنٹ میں جو آزادیٔ ہند کا بل پیش کیا تھا اس میں اس تقسیم کی ایک دفعہ موجود تھی لیکن اس سے پہلے دہلی میں وائسرائے کے دفتر سے جاری کردہ ایک اعلان میں ہندوستان کی عبوری حکومت کی کابینہ کی ایک خصوصی کمیٹی کا اعلان کیا جا چکا تھا جس کا کام تقسیم سے پیدا ہونے والے انتظامی مسائل کا جائزہ لینا اور دونوں مملکتوں کو اقتدار کی منتقلی کیلئے ضروری انتظامات کرنا تھا۔ اس اعلان میں جہاں اس مقصد کیلئے دس مختلف کمیٹیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہ

وضاحت بھی شامل تھی کہ ان میں سے ایک کمیٹی فوجوں کی تقسیم کا کام کرے گی۔

۳۰/ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے کی صدارت میں تقسیم کی کونسل کا جو اجلاس ہوا اس میں ہندوستانی افواج کی تقسیم کے طریقہ کار پر سمجھوتہ ہو گیا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح بھی شریک ہوئے تھے۔ کونسل کے فیصلوں میں جن کا اعلان یکم جولائی ۱۹۴۷ء کو کیا گیا تھا یہ بات شامل تھی کہ ان اصولوں کے ماتحت جو ان فیصلوں کی جدول میں بیان کیے گئے تھے ۱۵/ اگست کو پاکستان اور انڈین یونین کو اپنی اپنی فوجوں پر پورا پورا کنٹرول حاصل ہو جائے گا۔ وہ اصول مختصراً" یہ تھے :

(۱) تاوقتیکہ ہندوستانی افواج قطعی طور پر دو واضح فوجوں میں تقسیم نہ ہو جائیں اور دونوں حکومتیں اپنی اپنی فوج کو تنخواہ ادا کرنے۔ انہیں راشن، وردی اور فوجی سامان مہیا کرنے کے قابل نہ ہو جائیں یہ افواج ایک واحد انتظامی صیغے کے طور پر کام کریں گی۔

(۲) تاوقتیکہ تقسیم مکمل نہ ہو جائے فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک سپریم کمانڈر کے طور پر کام کریں گے اگرچہ نہ تو ان پر امن عامہ کی ذمہ داری ہوگی نہ انہیں سوائے ان یونٹوں کے جو ایک مملکت سے دوسری مملکت کو آ جا رہی ہوں کسی یونٹ پر اقداماتی کنٹرول حاصل ہوگا اور نہ انہیں کسی مملکت کی حدود کے اندر سپاہ کو ادھر سے ادھر بھیجنے کا اختیار ہوگا۔

(۳) انڈین یونین اور پاکستان کے کمانڈر انچیف فوراً" منتخب کر لئے جائیں گے اور انہیں اپنے اپنے ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کا اختیار دے دیا جائے گا تاکہ وہ ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء تک اپنی اپنی افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کی تیاری کر سکیں۔

(۴) تقسیم کے پہلے مرحلے میں موجودہ افواج کی مذہب کی بنیاد پر تقسیم کر دی جائے گی جس کی رو سے فوج کے ایسے یونٹ جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور جو پاکستان سے باہر کہیں مقیم ہوں انہیں جلد سے جلد پاکستان بھیج دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ یونٹ جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو اور جو پاکستان میں مقیم ہوں انہیں انڈین یونین کی حدود میں منتقل کر دیا جائے گا۔

(۵) تقسیم کے دوسرے مرحلے میں رضاکارانہ انتقالِ خدمات کی بنیاد پر یونٹوں کی چھانٹی کی جائے گی۔

اتنی بڑی انڈین آرمی کو جسے ایک متحدہ فوج کی صورت میں ڈھالنے میں برطانیہ کو کم وبیش دو صدیاں صرف کرنی پڑی تھی پینتالیس دن کے قلیل عرصے میں تقسیم کرنا بالکل ناممکن کام معلوم ہوتا تھا۔ کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ یہ کام اتنے کم وقت میں مکمل ہو سکتا ہے اور جب اس بات کا احساس ہوا کہ تقسیم کا ایک فریق یعنی انڈین یونین جس کے علاقے میں فوج، فوجی ساز و سامان، آرڈی نینس فیکٹریوں اور فوجی تربیتی اداروں کی بیشتر تعداد تھی اس تقسیم کو وہ ہر ممکن طریقے سے ٹالنا چاہتی تھی۔ یہ مسئلہ اور بھی مشکل ہو گیا۔ ذی فہم لوگوں کا خیال تھا کہ فوج کی مناسب تقسیم پانچ سال سے پہلے مکمل نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ تقسیم کو سارے فریق طوعاً "وکرہاً" تسلیم کر چکے تھے لیکن جب اسے عملی شکل دینے کا وقت آیا تو ہندوستانی رہنماؤں نے نہایت ناخوشگوار روّیے کا اظہار کیا جو ان نازک دنوں میں پاکستان کیلئے بڑی پریشانی کا موجب ثابت ہوا۔ کانگریسی لیڈر کھل کھلا کر تقسیمِ ملک پر اپنی ناخوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے طرزِ عمل سے صاف ظاہر تھا کہ انہوں نے اس تقسیم کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کے سب سے بڑے نمائندے

پنڈت نہرو نے بار بار یہ دعویٰ کیا کہ برطانوی ہند کا جانشین صرف ہندو بن سکتے ہیں۔ اور یہ کہ پاکستان کی حیثیت ان باجگزار صوبوں سے زیادہ نہیں جو انڈین یونین سے ٹوٹ کر الگ ہو گئے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام لیڈر پاکستان کو اقتصادی، مالی اور ہر ممکن زک پہنچا کر ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کسی قسم کی امداد کی توقع رکھنا محض خوش فہمی تھی گاندھی اور نہرو جو وائسرائے موصوف سے فہم و فراست میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھے اپنے مطلب کیلئے ان کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے اور انہیں انڈین یونین کا بہت بڑا محسن قرار دیا جاتا رہا۔ خود وائسرائے نے بھی اپنی ہمدردیوں کو راز میں نہیں رکھا مثلاً "ان کے الفاظ میں فوجوں کی تقسیم "سخت ترین جرم اور سب سے بڑا دردِ سر" تھی۔

مسلمان لیڈروں کو صورتِ حال کا پورا پورا اندازہ تھا اور وہ حالات کی سنگینی سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے بار بار شکایت کی کہ وقت بہت کم ہے اور فوج کی تقسیم کا کام سخت محنت طلب ہے۔ لیکن ان کی ہر شکایت، ہر شکوے کو یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مسلمان لیڈر کر بھی کیا سکتے تھے اگر کوئی ڈھارس تھی تو صرف یہ کہ اس سلسلے میں وائسرائے حکومتِ برطانیہ کی مکمل حمایت و ضمانت کے ضامن ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ حکومتِ برطانیہ اپنے وعدے پورے نہ کرے۔

انڈین آرمی کی تقسیم کتنا مشکل مسئلہ تھا۔ اس کا اندازہ کرنے کیلئے یہ بتانا ضروری ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے عظیم انڈین آرمی ایک مکمل اور متوازن فوج تھی۔ چین سے لے کر مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ تک امن قائم رکھنے کا کام اس کے ذمے تھا۔ اور سلطنتِ برطانیہ کی سرحدوں پر کہیں بھی لڑنے کیلئے ہر وقت تیار رہتی تھی۔ تقسیم

کے وقت اس فوج کے افسروں کی تعداد متعلقہ سویلین افسروں سمیت ۱۱۸۰۰‘ اور جوانوں اور دیگر عملہ کی ۴۵۰۰۰۰ تھی۔ اس تعداد میں انگریز افسر اور دوسرا انگریز عملہ شامل نہیں تھا جو اس وقت ہندوستان میں فوجی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ خود مختار ریاستوں کے پچاس ہزار افسر و جوان ان کے علاوہ تھے۔ کل ۲۳ رجمنٹوں میں سے ان آٹھ کو چھوڑ کر جو خالصتاً" ہندو تھیں نیز ۱۰ گورکھا اور دو چار چھوٹی بڑی رجمنٹوں کو علیٰحدہ کر کے مختلف آرمز اور سروسز کے باقی تمام یونٹ سارے کے سارے مخلوط تھے اور سب کے سب برصغیر کے دور دراز گوشوں میں بکھرے ہوئے تھے۔

فوج کا ایک خاصا بڑا حصہ ابھی تک سمندر پار دوسرے ملکوں خصوصاً" عراق‘ ملایا‘ برما اور جاپان میں اتحادی دستوں کے ساتھ مقیم تھا۔ اگرچہ ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں مارچ ۱۹۴۷ء ہی میں سمندر پار مقیم ہندوستانی فوج کو فوراً" واپس بلائے جانے کا اعلان کر دیا گیا تھا تاہم اس فیصلے پر عمل آواخر سال سے پہلے نہیں ہو سکا۔

اس فوج کو تربیت کی وہ ساری سہولتیں حاصل تھیں جو کسی بھی اچھی اور جدید فوج کو حاصل ہو سکتی تھیں۔ فوجی تنظیم کی نوعیت کے سبب تربیتی سکولوں اور مرکزوں کا عملہ کہیں مخلوط تھا کہیں غیر مخلوط۔ اس کا انحصار اس بات پر تھا کہ وہ کس قسم کی تربیت دینے کیلئے قائم کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر تمام آرمی سکول مخلوط تھے اور ان کیلئے اساتذہ پوری فوج سے لئے جاتے تھے۔ ریکروٹ ٹریننگ سنٹروں میں تربیت دینے والے عملے کا انحصار بھی ان رجمنٹوں اور یونٹوں کی ساخت پر تھا جن کیلئے انہیں تربیت دی جا رہی تھی۔ پاکستان کی چودھویں اور پندرھویں پنجاب رجمنٹ اور ہندوستان کی گیارھویں سکھ رجمنٹ کو چھوڑ کر اتفاق سے بقیہ انفنٹری ریکروٹ ٹریننگ سنٹر ایسی جگہ واقع تھے کہ آگے چل کر پاکستان کو جو رجمنٹیں ملنے والی تھیں ان کے سنٹر

اسی علاقے میں تھے جو پاکستان کو ملنے والا تھا اور ہندوستان کو جو رجمنٹیں ملنے والی تھیں ان کے سنٹر ہندوستان کو ملنے والی حدود کے اندر واقع تھے۔ فوج کے دوسرے ۴۶ بڑے تربیتی اداروں میں سے صرف مندرجہ ذیل پاکستان میں تھے :

سٹاف کالج	کوئٹہ
سکول آف ملٹری انٹیلیجنس	کراچی
انٹی ائیر کرافٹ آرٹلری سکول	کراچی
رائل انڈین آرمی سروس کور (آر۔ آئی۔ اے۔ ایس۔ سی) سکول	کاکول
نمبر ا آر۔ آئی۔ اے۔ ایس۔ سی ٹریننگ سنٹر (سپلائیز)	لاہور
آرمامنٹ آرٹیفسر ونگ آئی۔ ای۔ ایم۔ ای	چک لالہ
ملٹری فارمز ٹریننگ سنٹر	لاہور

سازو سامان کی اعلیٰ مرمت کور آف انڈین الیکٹریکل اینڈ مکینیکل انجینئرز (آئی۔ ای۔ ایم۔ ای) کے ذمے تھی۔ برصغیر میں جگہ جگہ چھاؤنیوں میں اس کی ورکشاپوں کا ایک منظم جال پھیلا ہوا تھا۔ ان کی درجہ بندی متوقع کام کے تناسب سے تھی۔ اہم چھاؤنیوں میں کمانڈ ورکشاپ تمام گاڑیوں اور دوسرے سامان کی صفائی و مرمت اور ان میں نئے حصے پرزے لگانے کا کام سرانجام دیتے تھے۔ لیکن آرمرڈ گاڑیوں کی نگہداشت کا کام صرف ۵۱۶ کمانڈ ورکشاپ سکندر آباد یا ۵۱۲ کمانڈ ورکشاپ کے سپرد تھا۔ ریڈار کی مرمت اور کرسٹل کٹنگ کا کام آگرہ کے ۶۰۹ کمانڈ ورکشاپ میں ہوتا تھا۔ یہ تینوں جگہیں انڈین یونین کا حصہ بننے والی تھیں۔

فوج‘ فوجی سازو سامان گولہ بارود اور فوجی گاڑیوں کے ذخائر کے اعتبار سے جس کی اسے ضرورت تھی‘ خود کفیل تھی۔ ان کمانڈ آرڈیننس چالیس ڈپوؤں میں سے

صرف پانچ چھوٹے پرچون ڈپو پاکستان میں واقع تھے۔

دوسری جنگِ عظیم میں برصغیر ہند ایک ایسے انتظامی پل کی حیثیت میں تبدیل کر دیا گیا تھا جہاں سے جنوب مشرقی ایشیا کی دوبارہ تسخیر کا کام انجام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ رسد مہیا کرنے کی شاہراہ یا تو بمبئی سے سطح مرتفع کو پار کرتی ہوئی مشرق کو جاتی تھی یا پھر مدراس اور کلکتہ کے راستے کو اس مقصد کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سٹورز فوجی سازو سامان اور گولہ بارود کے تمام بڑے ذخیرے انہی مذکورہ بالا جگہوں کے ڈپوؤں میں تھے۔ وہ چند ڈپو جو پاکستان کی سرحد کے اندر واقع تھے ان میں محض اتنا ہی سامان تھا جو شمال مغربی سرحد پر مقیم فوجوں کی واجبی ضروریات پوری کر سکتا تھا۔ اس بنا پر کہ روس مئی ۱۹۴۱ء میں جرمن حملے کے بعد اتحادیوں کے ساتھ شریک ہو گیا تھا۔ مذکورہ علاقے کی تمام اہمیت ختم ہو چکی تھی۔ متحدہ ہندوستان کے تمام ڈپوؤں میں اندازاً" چار لاکھ بیس ہزار ٹن آرڈی ننس سٹور اور گولہ بارود اور گاڑیوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع تھا۔ اس کے علاوہ بارہ جداگانہ انجینئر سٹور ڈپو تھے جن میں مختلف قسم کے انجینئر سٹورز اور مشینری سے متعلق پانچ لاکھ ٹن سامان موجود تھا۔ ان میں سے تین کو چھوڑ کر سارے اس علاقے میں واقع تھے جو کہ انڈین یونین میں شامل ہونے والے تھے۔

ان تین میں سے دو چھوٹے ڈپو جن میں سے ایک کراچی میں اور دوسرا لاہور کے نزدیک ہربنس پورہ میں تھا۔ ان میں عام قسم کا انجینئرنگ سامان تھا۔ تیسرا جو لاہور میں میوگارڈن روڈ پر واقع تھا وہاں معمولی مشینری مثلاً" پمپوں اور جنریٹروں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں ایک منظم جنگی ہتھیاروں کی صنعت بھی موجود تھی۔ جنگ سے پہلے یہ صنعت اس قابل تھی کہ متعدد قسم کا اسلحہ اور سازو سامان کے

علاوہ چھوٹے ہتھیاروں اور گولہ بارود کے معاملے میں فوج کی زمانۂ امن کی ساری ضروریات پوری کر سکتی تھی۔ جنگ کے زمانے میں اس صنعت کو مزید ترقی دی گئی جس کی بدولت وہ متعدد دیگر ضروری اسلحہ اور گولہ بارود تیار کرنے لگی۔ ۱۹۴۷ء تک سترہ آرڈی ننس فیکٹریاں قائم ہو چکی تھیں۔ یہ ساری کی ساری مستقبل کی انڈین یونین کی سرحدوں میں واقع تھیں۔

بہت جلد محسوس کیا جانے لگا کہ فوجوں کی تقسیم کے مسائل خصوصی توجہ کے طالب ہیں۔ تقسیم کونسل ابتداء میں عارضی مشترکہ دفاعی کونسل (پروویژنل جوائنٹ ڈیفنس کونسل) کے طور پر کام کر رہی تھی۔ وزیرِ دفاع اور کمانڈر انچیف اس کے رکن تھے۔ ۱۶/ اگست ۱۹۴۷ء کو جوائنٹ ڈیفنس کونسل (جے۔ ڈی۔ سی) کا قیام عمل میں آیا اور انڈین یونین کے گورنر جنرل کو اس کا غیر جانبدار صدر مقرر کیا گیا۔ کونسل کے ممبر دونوں مملکتوں کے وزرائے دفاع اور سپریم کمانڈر تھے۔ اگر یہ ممبر کونسل کی میٹنگ میں شرکت نہ کر سکیں تو وہ اپنے نمائندے بھیج سکتے تھے۔ کونسل کے فرائض مختصراً" یہ تھے کہ فوجوں کے عملے اور اثاثوں کو دونوں مملکتوں کے درمیان تقسیم کرے۔ ان کی نامزدگی و تبادلہ کرے اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے۔

فوجوں کی تقسیم کا یہ عظیم کام کرنے کیلئے تقسیم کونسل نے ایک آرمڈ فورسز ری کانسٹی ٹیوشن کمیٹی (اے۔ ایف۔ آر۔ سی) قائم کی تھی جس کے صدر فیلڈ مارشل سر کلاڈ آ کنلک تھے اور رائل انڈین نیوی اور رائل انڈین ایئر فورس کے کمانڈر انچیف اور چیف آف دی جنرل سٹاف اس کے ممبر تھے۔ بری۔ بحری اور ہوائی فوج کیلئے الگ الگ سب کمیٹیاں بھی بنائی گئی تھیں۔ سپریم کمانڈر کی ذمہ داری تھی کہ وہ جے۔

ڈی۔ سی یا تقسیم کونسل کی منظور کردہ اے۔ ایف۔ آر۔ سی کی سفارشات کو عملی جامہ پہنائے۔

یہ وسیع انتظامات اس لئے کئے گئے کہ فوجوں کی تقسیم کا کام سب سے زیادہ مشکل تھا۔ اس کام کو اتنی ہوشیاری سے مکمل کرنا تھا کہ دونوں ملکوں میں سے کسی کی سلامتی کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور نہ عملے کے حوصلے اور کارگزاری میں کوئی کمزوری واقع ہو۔ تجویز یہ تھی کہ جونہی دونوں ملک اپنی اپنی فوجوں کا مکمل نظم و نسق سنبھالنے کے قابل ہو جائیں تقسیم کے مختلف ادارے ختم کر دیئے جائیں۔ اس کیلئے متفقہ طور پر یکم اپریل ۱۹۴۸ء کی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔

آرمی سب کمیٹی کے صدر میجر جنرل ایس۔ ایف۔ اردن سی۔ بی۔ سی۔ بی۔ ای تھے۔ اس کمیٹی میں بریگیڈیر این۔ اے۔ ایم رضا' کرنل محمد شیر خاں ایم۔ سی اور لیفٹیننٹ کرنل محمد اکبر خان ڈی۔ ایس۔ او پاکستان کی طرف سے نمائندے تھے۔ لیفٹیننٹ کرنل ایم۔ اے لطیف خان ایم۔ بی۔ ای کمیٹی کے دو سیکرٹریوں میں سے ایک تھے۔ یہ سب افسر آگے چل کر پاکستان آرمی میں میجر جنرل کے عہدے تک پہنچے۔ میجر جنرل اردن نے جو سٹاف کالج کوئٹہ کے سابق کمانڈنٹ تھے سب کمیٹی کا انتظام ایک اعلیٰ سٹاف کالج کے مسلمہ اسلوب پر چلایا۔ مسائل پہلے سب کمیٹی کے ہندو اور مسلمان ممبروں کے سب سنڈیکیٹوں کو پیش کئے جاتے وہ ان مسائل کا جو کچھ بھی حل تلاش کرتے دونوں سب سنڈیکیٹ ان پر غور کرتے اور اس کے بعد ان کی مشترکہ سفارشات پر میجر جنرل موصوف کی موجودگی میں انگریز ممبروں سے صلاح مشورہ کیا جاتا۔ پھر حتمی سفارشات اے۔ ایف۔ آر۔ سی کے ذریعے جے۔ ڈی۔ سی کو پہنچا دی جاتیں۔ جن پر آپس میں اتفاق رائے نہ ہو سکتا انہیں تقسیم کونسل کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا

اور اگر وہ خود بھی کسی متفقہ فیصلے پر نہ پہنچ سکتی تو انہیں ثالثی ٹریبونل کے سامنے لایا جاسکتا تھا۔

آرمی سب کمیٹی اور اس کی معاون کمیٹیوں کو جن اصولوں پر عمل پیرا ہونا تھا تقسیم کونسل نے ۳۰/ جون ۱۹۴۷ء کو ان کا فیصلہ کر دیا تھا۔ تقسیم مذہب و قومیت کی بنیاد پر کی جانی تھی منقولہ ذخائر' ساز و سامان اور دوسرا اثاثہ بھی دونوں ملکوں کی فوجوں کے تناسب سے کیا جانا تھا۔ آرمی سب کمیٹی کے متفقہ فیصلے کے مطابق انڈین یونین کو ۶۴ فیصد اور پاکستان کو ۳۶ فیصد حصہ ملنا تھا اور یہ تقسیم فوج میں اس وقت ہر فرقے کی کل تعداد پر کی گئی تھی۔ دراصل یہ نسبت ۶۳ اور ۳۷ فیصدی ہونی چاہئے تھی لیکن سب کمیٹی کے مسلمان ممبروں نے اوّل الذکر تناسب کو اتفاق رائے کا پاس رکھتے ہوئے تسلیم کر لیا تھا۔ آگے چل کر حالات کی مجبوری سے پاکستان کو صرف ایک تہائی اثاثہ قبول کرنا پڑا۔

آرمی سب کمیٹی نے اپنا کام حقیقی جوش و خروش کے ساتھ شروع کیا تھا۔ کمیٹی میں فوجی افسر کام کر رہے تھے اور انہیں اب تک اس شدید سیاسی دباؤ کا تجربہ نہیں تھا جو آگے چل کر ان پر استعمال کیا گیا اور ابھی تک ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے کے عادی نہیں ہوئے تھے۔ ہر کام خیر سگالی کے جذبے سے ہو رہا تھا۔ وہ اپنے مخصوص سپاہیانہ جذبے کے تحت خلوص سے کام کر رہے تھے۔ یہ کمیٹی ان تھک کام کرتی رہی اور جولائی ۱۹۴۷ء کے شروع تک آرمرڈ کور' آرٹلری' انجینیرز اور انفنٹری کے یونٹوں کی تقسیم پر سمجھوتہ ہو گیا اور فہرستیں متعلقہ شعبوں کو عمل درآمد کیلئے بھیج دی گئیں۔ ۱۴/ اور ۱۵/ جولائی کو ان فیصلوں کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ کمیٹی نے مختلف اقسام کی یونٹوں کی تقسیم کے متعلق جو سفارشات کی تھیں ۲۴/ ستمبر تک ان کی

منظوری ہو گئی اور سپریم کمانڈر کے ہیڈ کوارٹر سے ان پر عمل در آمد کے احکام جاری ہو گئے۔ ذیل میں ان اہم یونٹوں کی فہرست ہے جو دونوں ملکوں کو ملنے والی تھیں :

یونٹیں	پاکستان	ہندوستان
آمرڈ کورر جمنٹیں	۶	۱۴
آرٹلری رجمنٹیں (ہمہ قسم)	۸	۴۰
انجینئرز گروپ	(بڑا حصہ)	۲ (اور ایک جزوی حصہ)
انفنٹری رجمنٹیں	۸	۱۵ (۶ گورکھا رجمنٹوں کے علاوہ)
پائنیرز کمپنیاں	۲	۱۰
گیریزن کمپنیاں	۸	۱۵
آرمی سروس کور۔ سپلائی یونٹ	۲۳	۴۰
آرمی سروس کور۔ ٹرانسپورٹ (ایم۔ ٹی)	۲۴	۵۳
" " (اے۔ ٹی)	۳	۴
آرڈی ننس فیلڈ یونٹ	۴	۹
" سٹیٹک یونٹ	۱۱	۳۲
ورکشاپ کمپنیاں ای۔ ایم۔ ای	۱۳	۲۰
میڈیکل یونٹ۔ فیلڈ یونٹ	۹	۱۸
میڈیکل سپیشلسٹ یونٹ	۵	۱۴
ری ماؤنٹ اور ویٹرنری یونٹ	۱۸	۳۹

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اوپر کی فہرست میں یونٹوں کا جو تناسب

دکھایا گیا ہے وہ دونوں فوجوں کی تعداد کی اصل کیفیت کا مظہر نہیں ہے۔ مثال کے طور پر فہرست میں انفنٹری یونٹوں میں سے آٹھ پاکستان کے اور پندرہ انڈین یونین کے حصے میں آئیں۔ لیکن اس موازنے سے صحیح حالات کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں برٹش انڈین آرمی کی وہ چھ گورکھا رجمنٹیں شامل نہیں تھیں جو کہ گورکھا رجمنٹوں کو ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان تقسیم کرنے کے بعد ہندوستان کے حصے میں آئی تھیں۔ پاکستان اس فیصلے میں فریق نہیں تھا۔ جس میں رسالہ' ماؤنٹین آرٹلری اور انفنٹری یونٹ شامل تھے اور جو تقریبا" تمام کے تمام پاکستان کے حصے میں آئے تھے۔ اس لئے یہ گورکھا رجمنٹ بھی اپنے دوسرے پاکستانی ساتھیوں کے ساتھ پاکستان میں رہنے کے خواہش مند تھے۔

ہر رجمنٹ میں بٹالینوں کی تعداد الگ الگ تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ پاکستان کے حصے میں جو بٹالینیں آئیں ان میں ہندو اور سکھ عناصر مختلف تعداد میں شامل تھے۔ پاکستان کے حصے میں ۳۳ بٹالین آئیں جبکہ ۱۲ گورکھا بٹالینیوں کو شامل کر کے ہندوستان کو ۸۸ بٹالین ملیں۔ مستزاد یہ کہ پاکستان کو جو یونٹیں ملیں ان میں سے جب وہ ہندو اور سکھ جوان میں شامل تھے ہندوستان چلے گئے تو یہ یونٹیں تعداد کے اعتبار سے اور بھی چھوٹی رہ گئی۔ جب تقسیم ہو چکی تو معلوم ہوا کہ انفنٹری رجمنٹوں میں آٹھ ہزار جوان کم ہیں۔ یہی حال دوسرے اعداد و شمار کا ہے جو خاصے گمراہ کن ہیں۔ خاص طور پر وہ جو ٹیکنیکل یونٹوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں تک کاغذی کارروائی کا تعلق ہے پاکستان کو اس قسم کی یونٹوں کا اپنا واجبی حصہ ضرور ملا لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان یونٹوں میں انہیں سنبھالنے والے مسلمان ٹیکنیشن بھی موجود تھے۔

افرادی طاقت اور یونٹوں کی تقسیم بلا کسی رکاوٹ کے جاری رہی۔ بظاہر اس

تقسیم پر اعتراض کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ آرمی سب کمیٹی کی سفارشات کو جوائنٹ ڈیفنس کونسل کی منظوری بھی فی الفور ملتی رہی۔ تاہم جب فوج کے اصل اثاثوں، ذرائع و وسائل یعنی سٹورز اور فیکٹریوں کی تقسیم کا سوال آیا تو ہندوستانیوں کے تیور بدل گئے۔ طرح طرح کی مشکلات نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ جن کی وجہ سے یا تو بعض چیزوں کی سرے سے تقسیم ہی نہیں ہو سکی اور تقسیم ہوئی بھی تو انتہائی تاخیر سے۔ آرمی سب کمیٹی نے اگست کے تیسرے ہفتے ہی میں متفقہ طور پر یہ سفارش کر دی تھی کہ آرڈیننس سٹورز کی تقسیم ۳۶ فیصد (پاکستان) اور ۶۴ فیصد (ہندوستان) کے تناسب پر پہلی بار اے۔ ایف۔ آر۔ سی میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا۔ جب یہ مسئلہ جوائنٹ ڈیفنس کونسل کے سامنے آیا تو انڈین یونین کے اصرار پر طے کیا گیا کہ اسے تقسیم کونسل کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن تقسیم کونسل نے یہ مسئلہ پھر ڈیفنس کونسل ہی کو واپس کر دیا اس طرح ستمبر کا پورا مہینہ جو پاکستان کیلئے انتہائی قیمتی اور نازک تھا اربابِ اختیار نے کسی سنجیدہ غور و فکر کے بغیر ضائع کر دیا۔

اب انڈین یونین کے ممبر نے یہ مضحکہ خیز تجویز پیش کی کہ اگر اس مسئلے کا کوئی فوری تصفیہ نہ ہو سکے تو دونوں ملکوں کو چاہئے کہ ان کے اپنے اپنے علاقے میں جو ذخائر ہیں وہ فوری طور پر انہیں سنبھال لیں اور اس تقسیم کا تناسب یہ ہو کہ ۶۴ فیصد ہندوستان اور ۷ فیصد پاکستان کے حصے میں آئے۔ اس کے بعد جو باقی بچے اسے اسی وقت تقسیم کیا جائے جب آخری فیصلہ ہو جائے۔ اس تکلیف دہ سودے بازی میں پاکستان کا مؤقف ۳۰ر جون ۱۹۴۷ء کے تقسیم کونسل کے فیصلے پر مبنی رہا جس میں صاف طور پر یہ بات طے کر دی گئی تھی کہ منقولہ ذخائر اور ساز و سامان کی تقسیم دونوں ملکوں کے درمیان اسی تناسب سے عمل میں آئے گی جس تناسب سے کہ ان کی فوجوں کی تقسیم

ہو گی۔ ہندوستان کے نائب وزیر اعظم جو انڈین یونین کی جانب سے جوائنٹ ڈیفنس کونسل کے جلسوں میں شرکت کر رہے تھے اس پر مصر تھے کہ تقسیم کونسل کے فیصلے کا اطلاق صرف ذاتی سامان پر ہوتا ہے نہ کہ ذخائر پر۔ جنرل آکنلک جو اصولِ تقسیم کا مسوّدہ تیار کرنے کے ذمہ دار تھے ان اصولوں کی تشریح و توضیح کیلئے سب سے مستند حیثیت رکھتے تھے۔ اور انہوں نے جوائنٹ ڈیفنس کونسل کے اجلاس کے اندر اور باہر شدت سے پاکستان کے مؤقف کی تائید کی۔

تقسیم کونسل کے فیصلے کے مطابق آکنلک تمام غیر منقسم ذخائر اور ساز و سامان کے متولی تھے اس مسئلے پر اپنی رائے ظاہر کرنے میں وہ کسی کی طرفداری نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ وہ اصول جن پر کہ اے۔ ایف۔ آر۔ سی کو کام کرنا ہے یہ ہے کہ تمام ذخائر دونوں ملکوں کی فوجوں کے تناسب سے تقسیم ہونے چاہئیں۔ فوج کی تقسیم کرنے کا سوال اٹھنے سے پہلے ذخائر دونوں فوجوں کی ملکیت تھے۔

فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک برصغیر اور خصوصاً "فوج کی تقسیم کے شدید مخالف تھے۔ لیکن جب ایک دفعہ اس کا فیصلہ ہو گیا تو ایک اچھے سپاہی کی طرح وہ تقسیم کے تقریباً" ناممکن کام کو خوش اسلوبی سے نمٹانے کیلئے مصروف ہو گئے۔ ان کے بہت سے دوستوں کو اندیشہ تھا کہ جونہی ہندوستان کو اختیارات منتقل ہوئے ان کے سپریم ہیڈ کوارٹر کے دست و بازو اس طرح قطع کر دیئے جائیں گے کہ وہ بالکل بے اثر ہو کر رہ جائے گا اور یہی ہوا بھی۔ چھوٹی چھوٹی چھیڑ خانیوں سے شروع ہو کر یہ کوشش دیدہ و دانستہ رکاوٹوں میں تبدیل ہوتی گئی تاکہ ان کے مشکل کام کو مزید مشکل بنایا جا سکے۔ سپریم ہیڈ کوارٹر کا مسلم عملہ جو کہ وہاں محض اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کر سکے۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کے بعد خود ہیڈ کوارٹر ہی میں محفوظ نہ

رہا۔ انڈین یونین 'متواتر درخواستوں کے باوجود ان کی جان و مال کی حفاظت کے متعلق کوئی ضمانت دینے کو تیار نہیں تھی۔ آخر ۶ ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو سارے مسلم عملے کو چھٹی دے دی گئی اور دہلی کے پرانے قلعے کے مہاجر کیمپ میں انہیں پہنچا دیا گیا۔ اور یوں ایک طرف تو سپریم ہیڈ کوارٹر کے عملے میں کمی پیدا ہو گئی اور دوسری طرف اس میں پاکستان کا کوئی حمایتی نہ رہا۔ وہ معاہدہ بھی جس میں سپریم کمانڈر کا ایماء شامل تھا اور جو خود انہوں نے تیار کیا تھا جس کی رو سے طے کیا گیا تھا کہ تربیتی ادارے اس وقت تک جب تک کہ دونوں ملک اپنے اپنے متبادل ادارے قائم نہ کر لیں مشترکہ طور پر بدستور کام کرتے رہیں گے اور ان کا استعمال مشترکہ طور پر ہوتا رہے گا۔ اسے بھی جلدی میں بدلنا پڑا۔ آخر ستمبر میں اچانک ان تمام تربیت پانے والوں اور عملے کو جو دوسرے ملک سے تعلق رکھتے تھے۔ یکایک منتقل کر دیا گیا۔ انڈین ملٹری اکیڈمی کے وہ کیڈٹ بھی جو دسمبر ۱۹۴۷ء میں اپنا کورس مکمل کرنے والے تھے اور جنہیں ڈیرہ دون میں دسمبر تک رکھنے کیلئے سپریم کمانڈر نے نہایت پرزور سفارش کی تھی انہیں بھی چھٹی دے دی گئی۔

اس وقت تک سپریم کمانڈر اور ان کا ہیڈ کوارٹر دونوں اپنے تمام اختیارات سے محروم ہو چکے تھے۔ سپریم ہیڈ کوارٹر کے ایک برطانوی افسر کے الفاظ میں "غیر صحت مند سیاسی ماحول نے جلد ہی سپریم کمانڈر کے ہیڈ کوارٹر کی حیثیت ایک ایسے برائے نام ادارے میں تبدیل کر دی جس کی ہدایات نہ کوئی سنتا تھا نہ ان پر عمل کرتا تھا۔ یعنی افرا تفری میں اس کے سٹاف کا رویہ بالکل منفی تھا۔"

جب آکنلک نے مقررہ میعاد میں فوجوں کی تقسیم کا کام مکمل کرنے کیلئے سپریم کمانڈر کی حیثیت قبول کی تھی تو انہوں نے تین ذرائع کی متوقع امداد کے بھروسے پر ایسا کیا تھا۔ اوّل ان کے سیاسی سربراہ وائسرائے 'دوم فوج کے ہندوستانی

افسر جن کی تربیت و ترقی کیلئے انہوں نے اتنی محنت کی تھی اور آخر وہ ہندوستانی سیاسی لیڈر جو تقسیم کے بعد ملک کی حکومت کی تشکیل کرنے والے تھے۔ لیکن آکنلک کو ان سب کی طرف سے مایوسی ہوئی۔ وائسرائے جو اب انڈین یونین کے پہلے گورنر جنرل کے عہدے پر متمکن ہو گئے تھے ہندوستانی لیڈروں کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ ہندوستانی افسروں کی طرف سے آکنلک کو جو مایوسی ہوئی اس کیلئے وہ خود ہی قصور وار تھے۔ آزاد ہندوستان میں ان افسروں کی اور خود ان کی اپنی کیا حیثیت ہو گی اس کا وہ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ ہندوستانی افسروں کو اپنے سیاسی لیڈروں میں وہ رسوخ حاصل نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا جو کہ ان کے ہم رتبہ پاکستانی افسروں کو پاکستان کے سیاسی لیڈروں میں حاصل تھا۔ ہندوستانی سیاسی لیڈر آکنلک کی صرف اسی وقت تک تعریف اور احترام کرتے رہے جب تک آکنلک ان کی ایماء پر چلتے رہے۔ جونہی انہوں نے غیر جانبداری اختیار کی ہندوستانی لیڈروں کا رویہ یک لخت بدل گیا۔ آکنلک پر شدید نکتہ چینی اور حملے کئے گئے۔ ان پر ہر قسم کے الزام لگائے جانے لگے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے (جو ہندوستان کے نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ تھے اور آکنلک کے پرانے دوست بھی تھے) کھلم کھلا ان کی غیر جانبداری اور ایمانداری کو چیلنج کیا۔ فیلڈ مارشل جان چکے تھے کہ وہ کس آفت میں گھر گئے ہیں اور ان کا سپاہیانہ جذبہ بیدار ہو چکا تھا۔ قریب تھا کہ وہ صاف صاف کہہ دیں کہ اس پیہم مخالفت کی بناء پر اس کام کو انجام تک نہیں پہنچا سکتے جو ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ تاہم انہوں نے سوچا کہ ابھی اس اقدام کا وقت نہیں آیا ہے جو ایک باعزت انسان کا آخری چارۂ کار ہوتا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن بھی فوجی ساز و سامان کی تقسیم کے معاملے میں ہندوستانیوں کے طرف دار تھے انہوں نے آکنلک کی ماہرانہ رائے کی کوئی پروانہ کی۔ ماؤنٹ بیٹن انڈین

یونین کے گورنر جنرل کے ساتھ ساتھ پاکستان کے بھی گورنر جنرل بننے کے خواہش مند تھے۔ "جب ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ آپ کا یہ فیصلہ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا گورنر جنرل نہ بنایا جائے آپ کی نئی مملکت کو کتنا مہنگا پڑے گا؟ جناح نے بلا تامل جواب دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی قیمت کئی کروڑ روپے دینی پڑے۔ لیکن میں یہ سمجھوتہ نہیں کروں گا لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کا جواب سن کر اپنی ساری ہمدردیاں انڈین یونین کے پلڑے میں ڈال دیں اور ہر سطح پر پاکستان کی حق تلفی کی جاتی رہی۔

آرڈیننس سٹورز کے فوراً ہی بعد آرڈیننس فیکٹریوں کی تقسیم کا سوال سامنے آیا۔ یہ بھی ایک پیچیدہ اور فنی مسئلہ تھا۔ اگست ۱۹۴۷ء کے آخر میں سپریم کمانڈر نے اے۔ ایف۔ آر۔ سی کو جو منشور سپرد کیا تھا اس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ فیکٹریوں کے جملہ اثاثوں کی صحیح اور منصفانہ تقسیم اس طرح عمل میں لائی جائے کہ ان کی کارکردگی پر اثر نہ پڑے۔ یہ پہلا مسئلہ تھا جس کا آرمی سب کمیٹی کوئی متفقہ حل تلاش کرنے میں معذور رہی۔ سب کمیٹی کے ہندوستانی ممبر پاکستان کو کسی قسم کی مشینری دینے کے حق میں نہیں تھے جبکہ پاکستانی مشینری حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ وہ تیزی سے اپنی فیکٹریاں شروع کر سکیں۔ چونکہ کمیٹی نئی دہلی میں ہندوستانی لیڈروں کے قریب اپنا کام کر رہی تھی انہوں نے کمیٹی کے ہندو ممبروں پر دباؤ ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کراچی کا فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ وہاں سے دہلی کی کسی کمیٹی پر کوئی اثر پڑنا ناممکن تھا۔

اے۔ ایف۔ آر۔ سی نے دوسرے غیر جانبدار ماہروں کی رائے پر جو اس نے ان سے طلب کی تھی اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد جوائنٹ ڈیفنس کونسل سے

سفارش کی کہ منقولہ مشینری پاکستان کو منتقل کر دینی چاہئے لیکن اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ ہندوستان کا کوئی نقصان نہ ہو۔ نیز یہ کہ اس مشینری کی منتقلی کا منصوبہ بنانے کیلئے ایک فنی سب کمیٹی مقرر کی جائے۔ پاکستان کو آرڈیننس فیکٹریوں کی کسی قسم کی منتقلی کے سوال پر جوائنٹ ڈیفنس کونسل میں ہندوستانی لیڈروں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ انہیں اتنا بھی گوارا نہیں تھا کہ اس سوال کا جائزہ لینے کیلئے کوئی فنی کمیٹی مقرر ہو کیونکہ یہ بات یقینی تھی کہ وہ زیادہ نہیں تو دو چار فیکٹریوں کی تقسیم کی تو سفارش ضرور کرے گی۔ البتہ مالی طور پر تلافی کرنے اور اپنے ہاں کی پیداوار میں سے کچھ حصہ جس پر کہ دونوں ملکوں کا اتفاق ہو جائے فراہم کرنے پر آمادہ تھے۔

کم از کم دو فیکٹریوں (ایک برین گن فیکٹری اور دوسری فیوز فلنگ فیکٹری) کی مشینری تو ایسی تھی کہ ابھی تک بند پڑی تھی اور کہیں لگائی نہیں گئی تھی اور وہ آسانی سے پاکستان کو منتقل کی جا سکتی تھی۔ اس میں ہندوستان کو جس کے پاس پہلے ہی سے ان چیزوں کے کارخانے موجود تھے کسی قسم کا نقصان نہ ہوتا لیکن ان دو فیکٹریوں کیلئے بھی پاکستان کا مطالبہ ہندوستانی لیڈروں نے نامنظور کر دیا۔

پاکستان کی ساری تشویش جس کا اظہار اس کے لیڈر کونسل کے جلسوں اور جلوسوں سے باہر کر رہے تھے بجا تھی۔ ان دو نازک معاملوں یعنی آرڈیننس سٹورز اور فیکٹریوں کی تقسیم کے متعلق کسی باعزت تصفیے پر ان کا اصرار ہندوستانی لیڈروں کی مخالفت اور ان کی ٹال مٹول کے سامنے نہ ہونے کے برابر تھا۔ پاکستانی لیڈروں کا اندیشہ بالکل صحیح تھا۔ ذخائر اور ساز و سامان کے بغیر پاکستانی افواج کی حیثیت بقول مرحوم لیاقت علی خاں "ٹین کے سپاہیوں" سے زیادہ نہیں تھی۔ ہندوستانی لیڈروں کی دیدہ و دانستہ ہٹ دھرمی، ماؤنٹ بیٹن کا اپنے سارے وعدوں سے انحراف، برطانوی حکومت کی

لاپروائی اور سپریم کمانڈروں کی ان کی راہ میں روڑے اٹکانے والے عناصر سے بیزاری' ان سب باتوں نے مل کر پاکستانی لیڈروں کا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ سارے اہم لوگ جن سے انہوں نے امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں ایک ایک کر کے پیٹھ دکھا گئے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مذکورہ بالا دونوں معاملے ثالثی ٹریبونل کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔ اگرچہ یہ ٹریبونل ابھی صرف کاغذ پر ہی تھا اور یہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ اس کا اجلاس کہاں اور کب منعقد ہو گا۔

نئی دہلی میں سپریم کمانڈر کے ہیڈکوارٹر کو قاعدے سے کام کرنے کا کبھی موقع نہیں دیا گیا۔ رفتہ رفتہ وہ ہندوستانی لیڈروں کی کھلم کھلا مخالفت کا نشانہ بن گیا۔ آخر کار آکنلک نے اکتوبر میں یہ تجویز پیش کی کہ ۳۰ / نومبر ۱۹۴۷ء تک ان کے ہیڈکوارٹر کو ختم کر دیا جائے۔ اس جہاندیدہ سپاہی نے یہ سمجھا تھا کہ اس قسم کی تجویز پر اس کے مخالفین کا رویہ نرم پڑ جائے گا لیکن یہ ان کی خوش فہمی تھی۔ ہندوستانی لیڈروں نے اسے ایک سنہری موقعہ سمجھا اور بغیر یہ سوچے سمجھے کہ سپریم ہیڈکوارٹر کے اس طرح قبل از وقت بند کیے جانے کے کیا نتائج ہوں گے انہوں نے فوراً اس تجویز کو مان لیا۔ پاکستانی لیڈروں نے اس غیر جانبدار ادارے کو جاری رکھنے کے جتنے بھی دلائل دیئے وہ سب صدا بصحرا ثابت ہوئے۔ اس معاملے میں اس عام سرکاری اخلاقی ضابطے کا بھی پاس نہیں کیا گیا جس کی رو سے کسی حکومت کا دوسری حکومت کی منشاء کے بغیر آپس کے معاہدے کا توڑنا درست نہیں ہوتا۔ ماؤنٹ بیٹن نے سپریم ہیڈکوارٹر کے بند کرنے کی حمایت میں بڑی صاف گوئی سے کام لیا اور یہ دلیل پیش کی کہ چونکہ پاکستان' پنجاب باؤنڈری فورس کو ختم کرنے پر رضامند ہے اس لئے اسے سپریم ہیڈکوارٹر کے بند کرنے پر بھی رضامند ہونا چاہیے۔

ایک مہینے سے بھی زیادہ مدت اسی بحث مباحثے کی نذر ہو گئی کہ پاکستانی لیڈر کسی طرح راضی ہو جائیں' حکومت ہند نے وعدہ کیا کہ وہ پاکستان کو فوجی ذخائر میں سے اس کا پورا پورا حصہ جوائنٹ ڈیفنس کونسل یا ثالثی ٹریبونل کے فیصلوں کے مطابق بھجوا دے گی۔ پاکستان پھر بھی اس تجویز پر رضامند نہیں ہوا۔ وجہ ظاہر تھی۔ پاکستانی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس قسم کے سبز باغ کی کیا حقیقت ہے۔ آخر کار حکومت برطانیہ اور ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستانیوں کی پشت پناہی کا بیڑا اٹھایا اور یہ حکم صادر کیا کہ نومبر کے دوسرے ہفتے تک سپریم ہیڈکوارٹرز کے تمام برطانوی عملے کو مع سپریم کمانڈر کے واپس بلا لیا جائے گا۔ چنانچہ اب صورت حال یہ تھی کہ چاہے پاکستان مانے یا نہ مانے سپریم ہیڈکوارٹر کو ۳۰ / نومبر تک ختم ہونا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ فیصلہ نامنصفانہ تھا اور پاکستان کی مرضی کے بغیر کیا گیا تھا۔

کچھ انگریز مصنفوں نے اس نقصان کی اہمیت کو کم ظاہر کرنے کی کوشش کی جو سپریم ہیڈکوارٹر کے قبل از وقت بند کیے جانے سے پاکستان کو پہنچا۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ نئی تشکیل کا کام بڑی حد تک مکمل ہو چکا تھا اور سپریم کمانڈر کو فوج کی منصفانہ اور کارآمد تقسیم کا جو کام سپرد کیا گیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ سپریم کمانڈر کے ہیڈکوارٹر کو کتنا قلیل وقت کام کرنے کو ملا اور کتنے مشکل مسائل اسے حل کرنے پڑے تو بلاشبہ اس کے کارنامے واقعی قابل داد تھے۔ لیکن اس کے بہت سارے کام ابھی باقی تھے جب آکنلک نے پہلی دفعہ سپریم کمانڈر کے ہیڈکوارٹر کو اکتوبر کے وسط تک توڑنے کی سفارش کی تھی اس وقت تک بس اتنا ہی ہوا تھا کہ یونٹوں اور عملے کی تقسیم کے متعلق احکام جاری کر دیئے گئے تھے اور بڑے بڑے یونٹوں کا کافی حصہ اپنی اپنی جگہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ لیکن یونٹوں اور عملے کی روانگی کے متعلق حکم جاری کر دینا کافی

نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان احکام کی فی الفور تعمیل بھی ہو جائے گی۔ مشرقی پنجاب میں فسادات کا جو طوفان برپا تھا اس سے ریلیں اور سڑکیں بالکل غیر محفوظ اور ناقابلِ اعتماد تھیں۔ چنانچہ فوجوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں تاخیر ناگزیر تھی۔ علاوہ ازیں مسلمان سپاہی ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں فسادات کی آگ بجھانے میں مصروف تھے اس لئے ان کے کمانڈر انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ساتھ ساتھ سیلاب جیسی ارضی و سماوی آفتیں جن سے پنجاب میں ریلوے مواصلات کو سخت نقصان پہنچا تھا سپریم کمانڈر کے ہیڈ کوارٹر سے وابستہ جوائنٹ ملٹری موومنٹ کنٹرول ان تمام رکاوٹوں کا دلیری سے مقابلہ کر رہا تھا اسی غرض سے متعدد متبادل منصوبے بنائے گئے اور "ریل کراس" اور "سی کراس" جیسی تجویزیں عمل میں لائی گئیں تربیتی مرکزوں اور سکولوں سے عملے کا تبادلہ پہلے ہی شروع ہو چکا تھا لیکن انتظامی یونٹوں مثلاً ہسپتالوں، ورکشاپوں اور ڈپوؤں سے انفرادی باہمی تبادلے شروع نہیں کئے گئے تھے۔ سمندر پار جو فوجیں تھیں ابھی وہ بھی واپس نہیں پہنچی تھیں۔ خیال تھا کہ یہ ساری نقل و حرکت سال کے آخر تک بلکہ اگلے سال تک جاری رہے گی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ تقسیم کا سب سے اہم اور مشکل مسئلہ جوں کا توں پڑا تھا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے آرڈیننس سٹورز اور فیکٹریوں کی تقسیم کے متعلق ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ سپریم ہیڈ کوارٹر کو ۳۰/ نومبر تک بند ہونا تھا اور اس وقت تک اس نے عملے کی نقل و حرکت کیلئے کوشش تو کی تھی لیکن نتائج تسلی بخش نہیں تھے اگرچہ آکنلک نے سٹورز اور آرڈیننس فیکٹریوں کی تقسیم کے متعلق فیصلہ کرانے کیلئے ایک مرتبہ پھر کوشش کی لیکن ہندوستانی لیڈروں نے تعاون کیا نہ خیر سگالی کا اظہار

چنانچہ ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔

انگریز مصنفوں اور لیڈروں کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ سٹور کی نقل و حرکت اس لئے ملتوی ہوئی تھی کہ رسل و رسائل کے ذرائع تسلی بخش نہیں تھے۔ پنجاب میں مختلف اسباب کی بناء پر ریلوے مواصلات میں کچھ عرصے کیلئے تعطل پیدا ہو گیا تھا لیکن ۱۵/ اگست سے ۲۰/ دسمبر تک کی ملٹری موومنٹ کنٹرول کی رپورٹ کے مطابق تاخیر کی وجہ صرف یہی نہیں تھی۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اسی عرصے میں ۲۴۱۳ ٹن ذخائر پاکستان سے ہندوستان کو ریل اور بحری جہازوں سے بھیجے گئے اور ۱۱۲۷۸ ٹن ذخائر پاکستان کو پہنچائے گئے۔ لیکن اسی عرصہ میں برطانوی وار آفس کا ۷۸۵۹۲ ٹن سامان اور ۶۸۹۱ گاڑیاں بھی جو برطانوی وار آفس کیلئے تھیں روانہ کی گئیں۔ ایسے وقت میں جبکہ دونوں ملکوں کے درمیان اور خصوصاً" پاکستان کو سپاہی اور سامان کے لانے پہنچانے کیلئے ساری قابل حصول ریل گاڑیوں اور سمندری جہازوں کی سخت ضرورت تھی حکومتِ برطانیہ کی یہ ضد کہ ان کے اپنے سامان کے پہنچانے کو سب پر فوقیت دی جائے کسی طرح بھی مستحسن قرار نہیں دی جاسکتی۔

ایک طرف لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا متعصبانہ روّیہ دوسری طرف سٹورز اور آرڈیننس فیکٹریوں پر ہندوستان کی مضبوط گرفت۔ پھر سپریم ہیڈ کوارٹر کا بند ہو جانا اور پھر سونے پر سہاگہ کہ برطانوی حکومت کی بے توجہی اور بے اعتنائی۔ ان حالات نے مل کر پاکستانی لیڈروں کو ایسا زچ کیا کہ وہ مجبور ہو گئے کہ برا بھلا جو کچھ ملے قبول کر لیں تاکہ عہد و پیمان کے اس پلندے میں سے جو اتنے بلند و بانگ دعوؤں کے ساتھ کئے گئے تھے کچھ تو بچایا جا سکے۔ انہوں نے سوچا کہ ثالثی ٹریبونل کے فیصلے کا (جس کی روبکاری میں آرڈیننس سٹورز اور فیکٹریوں کی تقسیم کا معاملہ پیش تھا) انتظار بھی توضیع اوقات ہی

ہے یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان اور انڈین یونین کے درمیان طے پایا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان اور پاکستان میں سامان کی جتنی مقدار تھی اس میں سے پاکستان کو ایک تہائی حصہ ملے گا۔ لیکن مکمل فارمولے کی منظوری میں مزید ایک مہینہ صَرف ہو گیا۔ رہی دوسری آرڈیننس فیکٹریاں جو خواہ پہلے سے موجود تھیں یا ابھی صندوقوں میں بند پڑی ہوئی تھیں ان کی تقسیم کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ انڈین یونین ان پر پوری طرح قبضہ جما سکتی تھی اور قبضہ تو اس کا ویسے بھی تھا۔ البتہ ہندوستانیوں نے یہ اقرار ضرور کیا کہ پاکستان میں آرڈیننس فیکٹریوں اور دوسرے ضروری اداروں مثلاً "سیکورٹی پرنٹنگ پریس کے لگانے کیلئے پاکستان کو چھ کروڑ روپے ادا کر دیں گے دیکھا جائے تو یہ رقم تو اس وقت کا بھی معقول معاوضہ نہیں تھی جو صرف ایک فیکٹری کے قائم کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جنگِ عظیم کے فوراً بعد کے زمانہ میں ایسی فیکٹری کیلئے مشینری خریدنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جنگ کے زمانے میں یورپی صنعت کو جو نقصان پہنچا تھا اس کے اثرات نمایاں تھے یورپ کی تیار کردہ فیکٹریوں کی پیداوار کم تھی۔ ان کا آپس میں کوئی مقابلہ نہیں تھا اس لئے اس قسم کی مشینری کی قیمتیں بھی بہت گراں تھیں۔ بہر حال یہ رقم جنوری ۱۹۴۸ء کے تیسرے ہفتے میں ہزار لیت ولعل کے بعد پاکستان کو ادا کر دی گئی۔

جہاں تک ذخائر کا تعلق تھا ابھی معاہدے کا اعلان ہی کیا گیا تھا کہ ہندوستانی لیڈروں نے ذخائر کے بھیجنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے تراشنے شروع کر دیئے۔ اسی طرح جب کبھی پاکستان کو دوسرے سٹورز اور ساز و سامان کا حصہ بھیجنے کے متعلق تقسیم کونسل یا جے۔ ڈی۔ سی کے فیصلوں پر عمل درآمد کرنے کا سوال اٹھتا تو کئی قسم کی ٹال مٹول کی جاتی۔ آوادی سے فولاد کا تعمیری سامان جس میں فولادی ڈھانچے شامل تھے

جن سے ورکشاپوں میں ۲۰۰،۰۰۰ مربع فٹ کی گنجائش بنائی جاسکتی تھی۔ اور ورکشاپوں کی مشینری کا ایک تہائی حصہ اور خصوصاً بکتر بند لڑاکا گاڑیوں کی مرمت اور راڈار اور ٹسٹ کرنے کا ساز و سامان سرے سے بھیجا ہی نہیں گیا۔

دونوں ملکوں کے باہمی کشیدہ تعلقات کشمیر پر ہندوستانی فوج کے حملے کے بعد اور بھی بگڑ گئے اور اس طرح پاکستان کے حصے کو ہتھیانے کیلئے ہندوستان کو ایک بہت بڑا بہانہ مل گیا۔

پاکستانی نمائندے ۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو دہلی میں جوائنٹ ڈیفنس کونسل کے جلسے میں ابھی ذخائر کی عدم وصولی کی شکایت ہی کر رہے تھے کہ یکم اپریل کو یہ کونسل ختم کر دی گئی اور ہندوستانی لیڈروں نے پاکستانیوں کو یقین دلایا کہ ان کا حصہ جس قدر جلد ممکن ہو سکا انہیں بھیج دیا جائے گا۔ ہندوستانیوں نے تاخیر کے اسباب کی تشریح کرنے میں بھی بڑی استادی سے کام لیا۔ جب جوائنٹ ڈیفنس کونسل ٹوٹ گئی تو اس کی جگہ انٹر ڈومنین ڈیفنس سیکریٹریز کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد جوائنٹ ڈیفنس کونسل کے باقی ماندہ اور خصوصاً ذخائر کی منتقلی کے کام کو جاری رکھنا تھا۔ یہ بھی طے پایا کہ اس مسئلہ پر اور اس قسم کے دوسرے مسائل پر غور کرنے کیلئے دونوں وزرائے اعظم آپس میں ملاقات کرتے رہیں۔ لیکن ان کے اجلاس رفتہ رفتہ بے معنی ہو کر رہ گئے۔ اس کی ذمہ داری بھی اس فریق پر عائد ہوتی ہے جو تقریباً سارے کے سارے ذخائر پر قابض تھا خیر سگالی اور تعاون کے جذبے سے یکسر عاری تھا۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پاکستان کو ذخائر کے حصے میں سے کچھ بھی نہیں ملا۔ تھوڑا حصہ ضرور ملا لیکن قسطوں میں اس طرح کہ جب کبھی ہندوستان نے چاہا کچھ دے دیا۔ اپنے مقررہ حصے میں سے پاکستان کو آرمی سٹورز کی جتنی مقدار ملی اسے

ٹنوں کے حساب سے بتانا مشکل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اعداد و شمار سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ موصولات کی مختلف اقسام کی الگ الگ کیا نوعیت تھی۔ یکم دسمبر ۱۹۴۷ء سے قبل (جس تاریخ کو سٹورز کی تقسیم پر سمجھوتہ ہونا تھا) جو سامان وصول ہوا وہ خالصتاً" سپاہیوں کی اکوپمنٹ اور یونٹوں کے سٹورز اور ساز و سامان پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد جو چیزیں آئیں ان میں سب کچھ ملا جلا سامان تھا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ان موصولات میں فضائی اور بحری افواج کا سامان بھی شامل تھا۔

پاکستان کو جس قسم کا سامان ملا اس کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ٹینکوں، توپوں معمولی اور سپیشلسٹ گاڑیاں اور ان کے پرزوں کا جہاں تک تعلق ہے، وہ سرے سے ملے ہی نہیں۔ جو سامان ملا وہ صرف عام نوعیت کی چیزوں پر مشتمل تھا اور اس میں بھی زیادہ تر ایسی اشیاء شامل تھیں جو بہت جلد خراب ہو جانے والی تھیں۔ اینٹی گیس اور واٹر پروف کا دقیانوسی اور غیر ضروری سامان، ان سائزوں کے چھوٹے چھوٹے یا بہت بڑے جوتے جنہیں یا تو گورکھے پہن سکتے تھے یا مغربی افریقہ کے حبشی سپاہیوں کے اکوپمنٹ کی بیشتر چیزیں ایسی تھیں جو پاکستانی سپاہیوں کیلئے یا تو بہت بڑی تھیں یا بہت چھوٹی۔ بہت سے ایسے بکس بھی ملے جن میں اینٹیں بھری ہوئی تھیں۔ آرڈیننس والوں کیلئے ان کا حساب رکھنا واقعی کسی تماشے سے کم نہ ہوگا۔ یہ واضح ہے کہ یہ سب کچھ محض ہندوستانی چھوٹے افسروں اور کلرکوں کو حب الوطنی کا نتیجہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ اعلیٰ بھارتی حکام بھی اس مذاق میں شامل تھے۔

ذیل میں آرڈیننس اور انجینئر سٹورز کے کچھ اعداد و شمار دیئے جا رہے ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سپریم ہیڈ کوارٹر نے پاکستان کے حصے کا کیا تخمینہ لگایا تھا اور اس میں سے کیا کچھ وصول ہوا۔

	پاکستان کا حصہ	وصولی
آرڈیننس سٹورز	۱۶۰٬۰۰۰ ٹن	۲۳٬۲۲۵ ٹن
گاڑیاں سادہ	۱۴۴۱	۷۲
گاڑیاں بکتر بند	۲۴۹	صفر
(جن میں ۱۱۸ شرمن اور ۴۶ سٹوراٹ ٹینک بھی شامل تھے)		
گولہ بارود	چالیس ہزار ٹن سے لے کر ساٹھ ہزار ٹن تک	صفر
انجینئر سٹورز	۱۰۶٬۵۰۰ ٹن	۳٬۵۰۰ ٹن
بشمول مشینری (پلانٹ)		

اس میں سے زیادہ تر سامان اکتوبر ۱۹۴۸ء تک پہنچا سب سے آخر میں جو چیز ملی اس میں فوجی نرسوں کی وردیاں تھیں۔ اس کا وزن دس ٹن تھا۔ سٹورز اور سامان کا باقی ماندہ حصہ ابھی تک ہندوستان ہی کی تحویل میں ہے۔

یہ ہے مختصر سی روئیداد۔ برٹش انڈین آرمی اور اس کے ذخائر کے تقسیم کی جو ناخوشگوار اور افسوسناک واقعات سے پُر ہے۔ اگر ہندوستانی لیڈروں نے تھوڑی سی دور اندیشی اور تدبر سے کام لیا ہوتا تو ایسے واقعات کبھی پیش نہ آتے۔ اس موقع پر دیانت دارانہ روّیے سے ان کے پہلو تہی کرنے کا صاف مطلب یہ تھا کہ انہیں دونوں ملکوں کے درمیان آئندہ تعلقات کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور مسٹر ایٹلی نے سب سے زیادہ نقصان پاکستان کو پہنچایا۔ درحقیقت انہوں نے ہندوستان سے دوستی کے پردے میں دو ہمسایوں کے درمیان دشمنی کے مستقل بیج بو دیئے۔

اس طرح پاکستان کو جو فوج ورثہ میں ملی اس کے ذرائع وسائل نہ ہونے کے برابر تھے لیکن اس کے افسروں اور جوانوں کی اکثریت جو کہ ملک کا حقیقی اثاثہ ہیں پاکستان

میں ثابت وسالم موجود تھی ہو سکتا ہے کہ مناسب ہتھیاروں۔ گولہ بارود اور ساز و سامان کے بغیر اس وقت ان کی افادیت کچھ زیادہ نہ ہو۔ لیکن جنہیں ایمان اور یقین کی دولت حاصل ہو وہ اپنے ہتھیار آپ ڈھال لیتے ہیں اور جملہ ساز و سامان فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

پاکستانی فوج کی تشکیل نو

1947ء میں پاکستانی فوج کی بقاء کیلئے دور رس عملی اقدامات اور دعاؤں کی بے حد ضرورت تھی۔ حالات نہایت ابتر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پاکستانی فوج کا شیرازہ بہت جلد بکھر جائے گا۔ اگرچہ اس وقت فوج کیلئے جوانوں کی کوئی کمی نہ تھی اور تربیت یافتہ فوجی جوان بھی کثیر تعداد میں موجود تھے لیکن ان میں ٹیکنیشنز بہت ہی کم تھے۔ اسلحہ اور گولہ بارود تیار کرنے والی کوئی آرڈیننس فیکٹری نہ تھی۔ آرڈیننس کا کسی قسم کا سامان موجود نہ تھا اور جو کچھ اسلحہ جات اس وقت موجود تھے ان کی مرمت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ ملک کے پاس یہ سب چیزیں حاصل کرنے کا کوئی بندوبست اور ذریعہ بھی نہ تھا۔ ان حالات میں کوئی معجزہ ہی پاکستانی فوج کو اس انجام سے بچا سکتا تھا جس کی پیشن گوئی اس کے دشمن بڑی مسرت سے کر رہے تھے۔

لیکن دشمنوں کو اس کی خوبیوں کا صحیح اندازہ نہیں تھا ایک تو یہ کہ پاکستانی فوج کیلئے نئی بھرتی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تجربہ کار سپاہی پہلے ہی سے موجود تھے۔ ان سے نئی فوج کی تشکیل باآسانی ہو سکتی تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پایۂ تخت دہلی میں تقریباً ہر نئے شاہی خاندان کے تخت سنبھالنے پر افواج کو نئے سرے سے منظم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح جب بھی ملک کا کوئی حصہ یا صوبہ خود مختار ہوتا تھا۔ فوج کی دوبارہ تشکیل ہوتی

تھی۔ چنانچہ اس بر صغیر میں پاکستانی فوج کی روایات ایک ہزار سال پرانی تھیں۔ اس طویل عرصے میں طرح طرح کے مدوجزر آئے لیکن فوج ہمیشہ سنبھلی رہی۔ لیکن اس مرتبہ تشکیل کا کام ایک نئے جذبہ سے ہو رہا تھا۔ ایک غلام ملک آزاد ہوا تھا اور قومی فوج ظہور میں آئی تھی۔ اس احساس نے ایک نیا جوش پیدا کر دیا تھا کہ فوج اور ملک علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہیں ملک کی بقا کیلئے ضروری تھا کہ فوج اس کی خدمت کیلئے بدلتے ہوئے نازک حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کرے۔

پاکستان وجود میں آیا تو فوج کی حالت بہت ہی نازک اور تشویش ناک تھی۔ ایسے وقت میں شیر دل اور وطن پرست انسانوں کی ضرورت تھی جنہیں پاکستان کے مستقبل پر پورا پورا اعتماد ہو۔ سب سے اہم سوال ملک کی حفاظت کا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ تقسیم ہند نے پاکستان کے ذمے اس بر صغیر کے دفاع کی روایتی اور اہم ترین ذمہ داری چھوڑی تھی۔ پہلے شمال مغربی سرحد کی حفاظت برطانوی اور انڈین آرمی مل کر کرتی تھی اب یہ فرض پاکستانی فوج کے حصے میں آیا۔ اس وقت پاکستانی فوج افسروں اور جوانوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی جو ۵۰۸ چھوٹے بڑے یونٹوں پر مشتمل تھی۔ لیکن ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو ان میں سے ۴۰ فیصد یونٹ پاکستان سے باہر متعین تھے۔ ہندوستانی فوج میں کوئی یونٹ بھی ایسا نہ تھا جس میں تمام افسر اور جوان مسلمان ہوں۔ اس لئے وہ یونٹ جو پاکستان میں مقیم تھے ان کے ہندو اور سکھ سپاہی پاکستان چھوڑ کر جا رہے تھے جس کی وجہ سے ہر یونٹ نامکمل ہو چکا تھا۔ اور اس کی نفری گھٹ کر نصف سے بھی کم رہ گئی تھی۔

تقسیم کا کام اگرچہ تسلی بخش طریقے پر ہو رہا تھا لیکن ابھی آدھے سے زیادہ یونٹ ایسے تھے جن کی تقسیم باقی تھی اور آرڈیننس کے سامان اور فیکٹریوں کا مسئلہ بھی

ابھی مختلف کمیٹیوں کے سامنے پیش ہونا تھا۔ سپریم ہیڈ کوارٹر کا کام ٹھیک طرح چل رہا تھا۔ سپریم ہیڈ کوارٹر کو اتنے قلیل عرصے میں اتنے اچھے نتائج دکھانے پر فخر تھا۔ اور اس کی ماتحت کمیٹیاں بڑی یک جہتی سے فیصلے کر رہی تھیں۔ چنانچہ جب ۱۴ر اگست کا دن آیا تو پاکستانی فوجیوں کو یہ یقین تھا کہ ان کے حصے کا ساز و سامان پروگرام کے مطابق ان کے پاس پہنچ جائے گا۔ اگرچہ پاکستانی فوج کو اس وقت بڑی مشکلات در پیش تھیں لیکن اس کے افسروں کو یہ یقین تھا کہ اگر انہیں فوج کو منظم اور مرتب کرنے کی مہلت مل گئی اور ان کے حصے کا فوجی ساز و سامان مناسب وقت پر پہنچ گیا تو وہ فوج کو یکم اپریل ۱۹۴۸ء تک بالکل موزوں طریقے سے تشکیل دے سکیں گے۔ اور یکم اپریل ہی وہ دن تھا جب سپریم ہیڈ کوارٹر کو بند ہونا تھا۔

ان کی یہ امیدیں پوری نہ ہوئیں۔ ہندوستان میں اچانک غیر متوقع حالات رونما ہونے لگے۔ جنہوں نے پاکستان کیلئے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ آزادی کی صبح یعنی ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء پاکستان کیلئے ایسے مصائب اور مشکلات لے کر نمودار ہوئی جس کا وہم و گمان تک نہ تھا اور جس کیلئے پاکستان قطعی طور پر تیار نہ تھا۔ سب سے پہلے مغربی پاکستان اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں ہندو مسلم فساد کے شعلے بھڑکے اس کے بعد ہر جگہ مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ مشرقی پنجاب اور دونوں ملکوں کی باہمی سرحدوں پر جس طرح مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کیلئے ایک منظم سازش تیار کی جا چکی تھی اور یہ طوفان بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ مشرقی پنجاب سے شروع ہو کر قتل و غارت، لوٹ مار اور آتش زدگی کا یہ جنون ہندوستان کے دوسرے علاقوں تک بھی پھیل گیا۔ جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ ستمبر کی ابتدائی تاریخوں میں نئی دہلی تک اس دیوانگی کی لپیٹ میں

آگیا۔اس غنڈہ گردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ریلوے لائنیں اور سڑکیں بند کردی گئیں جو ہندوستان سے مغربی پاکستان میں داخل ہوتی تھیں۔ ستمبر کے شروع میں دہلی میں ویلنگٹن کے ہوائی اڈے پر ہندو اور سکھ بلوائیوں نے حملہ کر دیا۔ چنانچہ اس ہوائی اڈے کو اچانک بند کر دینا پڑا۔ مسلمانوں کیلئے اب دہلی سے باہر نکلنے کے صرف دو ہی راستے تھے یا تو وہ ریل کا لمبا سفر کر کے بمبئی پہنچیں اور وہاں سے سمندر کے راستے کراچی آئیں یا پھر پالم کے ہوائی اڈے سے ہوائی جہاز کے ذریعے پاکستان پہنچیں۔ ادھر سپریم ہیڈ کوارٹر نے فوجیں بھیجنے کا جو پروگرام طے کیا تھا وہ بالکل درہم برہم ہو گیا اور پاکستان کو ایسے نازک موقع پر اپنی باقی ماندہ فوج نہ مل سکی جبکہ اس کی سخت ضرورت تھی۔

ان ہنگاموں اور فسادات میں مسلمانوں کی وہ عظیم ہجرت شروع ہوئی جس کی اس برصغیر کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ مہاجرین ایک ٹوٹے ہوئے بند سے سیلاب کی طرح پاکستان کی طرف امڈ امڈ کر آنے شروع ہو گئے ان میں سے بیشتر بیمار اور فاقہ زدہ تھے۔ صعوبتیں جھیلتے ہوئے وہ بے سروسامانی کے عالم میں بھارت سے آرہے تھے۔ پاکستانی فوج ابھی تک بڑی بے ترتیبی کی حالت میں تھی۔ لیکن اسے فوراً مہاجرین کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال کے کام پر لگا دیا گیا۔ وہ سپاہی جو پاکستان کے سرحد پار علاقوں سے تعلق رکھتے تھے انہیں اپنے بے خانماں رشتہ داروں کی تلاش میں بھیج دیا گیا۔ ان بگڑے ہوئے حالات میں بھارتیوں نے لاہور اور منٹگمری (ساہیوال) کے علاقوں پر حملے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے صورتِ حال اور بھی نازک ہو گئی۔ چنانچہ مجبوراً کچھ یونٹوں کو ان علاقوں کی سرحد پر بھیجنا پڑا۔ اس کے فوراً بعد ہندوستان نے کشمیر پر حملہ کر دیا تاکہ پاکستان کی مشکلات سے پورا فائدہ اٹھا کر کشمیر پر قبضہ کیا جا سکے۔

ہندو لیڈروں کا رویہ نہایت افسوسناک تھا اب وہ اپنے ارادوں اور عزائم کو چھپائے بغیر سب کچھ کھلم کھلا کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تقسیم کے سلسلے میں جتنے بھی ادارے کام کر رہے تھے انہوں نے ان سب کا بائیکاٹ کر دیا اور سپریم ہیڈ کوارٹر کیلئے سخت ترین مشکلات پیدا کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سپریم ہیڈ کوارٹر جسے ۷½ مہینے تک قائم رہنا تھا ۳½ ماہ میں ختم ہو گیا۔ مختلف تقسیم کمیٹیوں میں جو سینئر ہندوستانی فوجی افسر کام کر رہے تھے ان پر اتنا دباؤ ڈالا گیا کہ انہیں ہاں میں ہاں ملانی پڑی۔ ان حالات میں جبکہ ہمارے حصے کا سارا سامان ابھی تک ہندوستان کے قبضہ میں تھا دہلی سے کسی منصفانہ تصفیے کی توقع بے سود تھی۔

مختصر یہ کہ ان مشکلات کے پس منظر میں ہماری فوج کو از سرِ نو اپنی زندگی ترتیب دینی تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا کہ نوزائیدہ مملکت پاکستان کے پاس ابتدائی چند مہینوں تک کوئی منظم فوج نہ تھی مختلف یونٹوں نے اگرچہ حالات کے مطابق ہر جگہ کام کیا اور اس میں پورا جوش و خروش دکھایا لیکن ان کے یہ اقدامات کسی مرکزی منصوبے کے مطابق نہ تھے۔ یونٹ۔ کمپنی۔ سکواڈرن کی سطح پر افسروں نے انفرادی طور پر بڑی جانفشانی اور سمجھ بوجھ سے فرائض سرانجام دیئے۔ مگر ترتیب و تشکیل کا کام شروع ہونے میں دیر نہیں لگی۔ فوج کے ہر حصے اور ہر شعبے کو جس طرح منظم کیا گیا اس کی تفصیلات درج ہیں۔ لیفٹیننٹ جنرل سر فرینک میسروی جو تقسیم کے وقت ناردرن کمانڈ کے جنرل افیسر کمانڈنگ ان چیف تھے۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۴۷ء سے پاکستانی فوج کے پہلے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے اور اپنا عہدہ سنبھالنے راولپنڈی پہنچ گئے۔ پرانے ناردرن آرمی ہیڈ کوارٹر کو عجلت میں جنرل ہیڈ کوارٹر میں تبدیل کیا گیا۔

اس وقت کے فیصلے کے مطابق جی۔ ایچ۔ کیو بالآخر مستقل طور پر کراچی منتقل ہونا تھا۔ اس نئے جی۔ ایچ۔ کیو کا عملہ ' تمام ضروری کاغذات اور فائلیں ابھی تک جی۔ ایچ۔ کیو دہلی میں تھیں۔ فوج کو اس وقت اسی انداز سے ترتیب دی گئی جس پر تقسیم سے پہلے عمل کیا جاتا تھا یعنی آرمی ہیڈ کوارٹر کو ان دوسرے ہیڈ کوارٹرز اور فارمیشنوں کے اوپر مسلط کر دیا گیا جو پہلے پاکستانی علاقے میں موجود تھے۔ صرف ایک نئے کمانڈ ایسٹ پاکستان سب ایریا کا اضافہ کیا گیا۔ مشرقی پاکستان میں جو یونٹیں تھیں ان کو کمانڈ کرنے کیلئے اسے قائم کیا گیا تھا۔

اس وقت آرگنائیزیشن کا نقشہ یہ تھا:

- آرمی ہیڈ کوارٹر (جی۔ ایچ۔ کیو)
  - لاہور ایریا
    - نمبر ۱۴ پیرا بریگیڈ
  - راولپنڈی ایریا
    - نمبر ۱۰ بریگیڈ
    - نمبر ۱۵ بریگیڈ
    - نمبر ۱۱۴ بریگیڈ
  - پشاور ایریا
    - پشاور بریگیڈ
    - کوہاٹ بریگیڈ
    - ٹل بریگیڈ
    - آرمرڈ بریگیڈ
  - وزیرستان ایریا
    - رزمک بریگیڈ
    - بنوں بریگیڈ
    - وانا بریگیڈ
    - گردئی بریگیڈ
  - سندھ ایریا
    - ژوب بریگیڈ
  - ایسٹ پاکستان سب ایریا
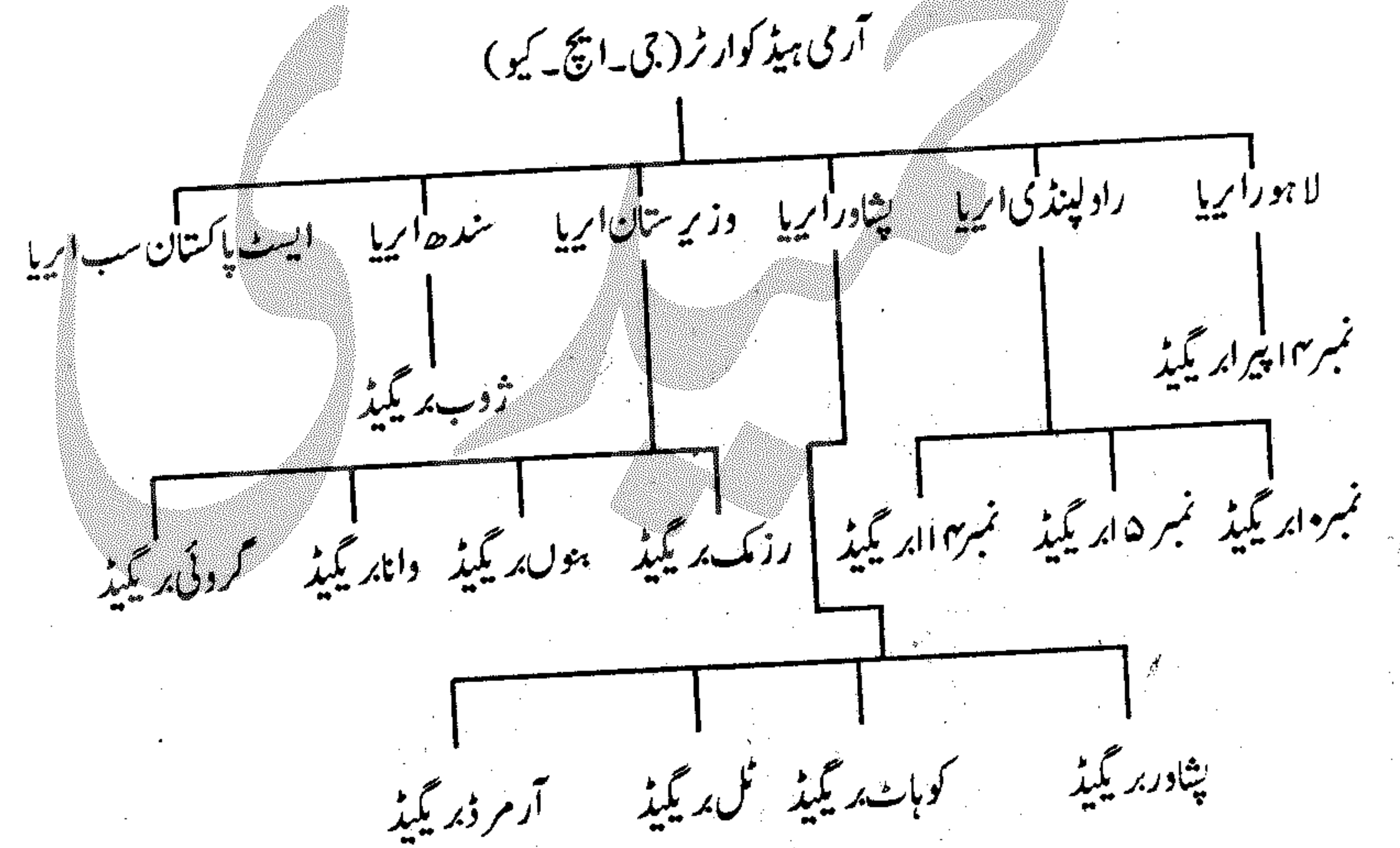
پاکستان آرمی ہیڈ کوارٹر اور انڈین آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی کے قدیم جی ایچ کیو کی شاخیں تھیں۔ پاکستان آرمی ہیڈ کوارٹر کا حصہ اور عملہ ابھی دہلی سے راولپنڈی نہیں پہنچا تھا کہ دہلی میں مسلمانوں کی زندگی سخت خطرے میں پڑ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عملے کو مجبوراً تمام فوجی ریکارڈ اور ضروری کاغذات دفتروں میں چھوڑ کر دہلی کے پرانے قلعے

میں پناہ لینی پڑی۔ یہ قلعہ رفتہ رفتہ ایک بہت بڑے مہاجر کیمپ کی صورت اختیار کر گیا۔ ستمبر کے شروع میں عملے کے چند افراد بذریعہ ہوائی جہاز راولپنڈی پہنچ سکے باقی عملے کو بری راستہ کھلنے کا انتظار کرنا پڑا۔ ان مشکل حالات میں مسلمان افسروں اور ان کے ماتحتوں نے بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لیا جس کی بدولت راولپنڈی کے آرمی ہیڈ کوارٹر کے کچھ شعبے اچھی طرح کام کرنے لگے۔

سرکاری عملے کا بڑا حصہ اکتوبر کے آخر تک دہلی سے راولپنڈی پہنچا۔ لیکن جی۔ ایچ۔ کیو میں ابھی منظم طور پر کام شروع نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ دفاتر کی عمارتیں غیر تسلی بخش تھیں۔ فرنیچر اور ٹیلیفونوں کی بھی کمی تھی۔ علاوہ ازیں فائلیں۔ حوالے کی کتابیں اور ریکارڈ نامکمل تھے۔ سپریم ہیڈ کوارٹرز کے احکامات پر کہ ضروری فائلیں اور کاغذات تقسیم کر دیئے جائیں عمل نہیں کیا گیا تھا۔ مختصر یہ کہ کچھ سامان تو آ گیا۔ لیکن مزید کی توقع جلد ہی ختم ہو گئی۔ حکومتِ ہند ڈیفنس کونسل کے فیصلے کے مطابق صرف ان مطبوعات کا حصہ پاکستان بھیجا جا سکتا ہے جو پبلیکیشن ڈیپارٹمنٹ کے پاس تھیں ان کے علاوہ پاکستان کو کوئی چیز نہیں دی جا سکتی۔

سرکاری عملے کے زیادہ تر افراد ایسے تھے جو دہلی میں اپنا سب کچھ لٹا کر آئے تھے۔ افسروں اور کلرکوں کی ایک بڑی تعداد جن کا وطن ہندوستانی علاقوں میں تھا اور خاص طور پر وہ جو مشرقی پنجاب کے رہنے والے تھے اپنے کنبوں اور عزیز و اقارب کیلئے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ انہیں چھٹی پر بھیجا گیا تاکہ وہ اپنے رشتہ داروں کو مہاجرین کے کیمپوں میں تلاش کریں یا اپنے گھروں کو جائیں اور اگر ان کے عزیز زندہ سلامت مل جائیں تو ان کے لانے کا بندوبست کریں۔ ہندوستانی حکومت مالی معاملات کے تصفیہ میں بھی تاخیر کر رہی تھی اور ان بیچارے مہاجرین کو دوبارہ بسانے کیلئے جس رقم کی

اشد ضرورت تھی وہ ہندوستان سے نہیں مل رہی تھی۔ اس نازک وقت میں جب فوج جی۔ ایچ۔ کیو کے مہاجر عملے کو آباد کرنے کیلئے اپنے سارے وسائل استعمال کر رہی تھی۔

دسمبر تک یہ انتشار ختم ہو گیا اور دفتروں کا کام باقاعدگی سے ہونے لگا اور دیکھنے والوں نے جی۔ ایچ۔ کیو کے باہمی تعاون اور اعلیٰ کارکردگی کی بارہا تعریف کی۔

مشرقی پاکستان کا نیا ایسٹ پاکستان سب ایریا ڈھاکہ میں قائم ہونا تھا۔ تاکہ اس علاقے میں مقیم فوج کو منظم کیا جاسکے۔ اس سب ایریا کا آغاز بھی دلچسپ طریقے سے ہوا۔ سب ایریا کمانڈر میجر جنرل مولڈ جب ڈھاکہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کمان کے ہیڈکوارٹر کیلئے نہ کوئی دفتر ہے اور نہ کوئی دفتر کی تلاش میں فکر مند ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صوبائی حکومت خود اپنے دفاتر کیلئے عمارتیں ڈھونڈ رہی تھی۔ بالآخر بڑی تلاش کے بعد ہائی کورٹ کی عمارت کے ایک کونے میں دفتر کیلئے جگہ ملی۔ دوسرا مسئلہ تھا فرنیچر اور سٹیشنری کا حاصل کرنا۔ ان چیزوں کی ڈھاکہ میں بڑی قلت تھی۔ جنرل مولڈ مجبوراً کلکتہ کے ایریا ہیڈکوارٹر میں یہ چیزیں مانگنے گئے۔ لیکن وہاں سے کچھ نہ مل سکا اسی ہیڈکوارٹر میں چند مسلمان افسروں نے جو پاکستان جانے کے انتظار میں تھے۔ جنرل کی اس پریشانی کو بھانپ لیا۔ انہوں نے کوشش کر کے سٹیشنری اور دیگر ضروریات سے ایک ٹرک بھرا اور دسمبر میں جب ایک افسر ڈھاکہ جا رہا تھا یہ ٹرک ساتھ کر دیا۔ خوش قسمتی سے سرحد پر نہ تو اس افسر کی تلاشی لی گئی اور نہ ٹرک کی۔ ایک اور افسر نے اپنی ذاتی کوششوں اور ہمت سے کلکتہ کی افراتفری میں ضروری نقشے جن کی فوج کو سخت ضرورت تھی حاصل کر لئے اور انہیں ڈھاکہ بھیج دیا۔

ابتدائی زمانے میں ڈھاکہ کے سب ایریا ہیڈکوارٹر کا نام آرمی ہیڈکوارٹر مشہور

ہو گیا جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ شاید فوج کا یہ بڑا ہیڈکوارٹر ہے۔ میجر رینک کا ایک گریڈ دوم جنرل سٹاف افسر جب ڈھاکہ میں پوسٹ ہوا اس کے انگریز ساتھیوں نے اسے آرمی ہیڈکوارٹر میں کام کرنے کی اہمیت اور شان جتانے کے سلسلے میں بڑے سبز باغ دکھائے تھے۔ لیکن ڈھاکہ پہنچ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اسے معلوم ہوا کہ اس ہیڈکوارٹر میں سب سے سینئر سٹاف افسر وہی ہے۔

مشرقی پاکستان میں نہ چھاؤنیاں تھیں اور نہ فوجیوں کے رہنے کا معقول انتظام تھا۔

فوج کے کمانڈ اور کنٹرول میں کافی تبدیلیاں کی گئیں۔ ۱۹۴۸ء کے شروع میں فوج کو اس انداز سے ترتیب دی جاچکی تھی۔

ڈویژن نمبر ۷	راولپنڈی ایریا
ڈویژن نمبر ۸	کراچی ر کوئٹہ ایریا
ڈویژن نمبر ۹	شمال مغربی سرحدی ایریا
ڈویژن نمبر ۱۰	لاہور ایریا
تھرڈ آرمرڈ بریگیڈ	مشرقی پاکستان

اس نئی تنظیم سے یہ فائدہ ہوا کہ فوج مختلف فارمیشنوں کے ایسے گروپوں میں تقسیم ہو گئی جو آپریشنل اور جدید تربیتی پروگرام کے مطابق تھے۔

بدلے ہوئے حالات کا تقاضہ تھا کہ فوج کو ملک کے مختلف مقامات پر رکھنے کے سلسلے میں غور کر کے مناسب ردّوبدل کیا جائے۔ چنانچہ دوبارہ احتساب کیا گیا اور حکومت پاکستان نے بڑی دلیری سے کام لیتے ہوئے برطانوی حکومت کی پرانی پالیسی کو ترک کر دیا جو شمال مغربی سرحدی علاقوں کیلئے بنائی گئی تھی یعنی شمالی اور جنوبی وزیرستان سے اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ اس علاقے میں زیادہ تر محسود اور وزیری قبائل

آباد تھے۔ ان قبائیلوں کو یقین دلایا گیا کہ پاکستان ان کا اپنا ملک ہے اور حکومت اس بات کی خواہش مند ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے ہر قسم کے شبہات نکل جائیں جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان علاقوں سے پاکستانی فوج کا کنٹرول ہٹا لیا جائے۔ قبائیلوں نے اس نئی پالیسی کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور متفقہ طور پر پاکستان سے تعاون کرنے اور ملک کے وفادار رہنے کا حلف اٹھایا۔ وزیرستان سے فوجیں ہٹانے کا کام ۶ر دسمبر کو شروع کیا گیا۔ اس کارروائی کو ''آپریشن کرزن'' کا نام دیا گیا۔ کیونکہ انگریز وائسرائے لارڈ کرزن ہی وہ شخص تھے جنہوں نے ان سرحدی علاقوں میں فوج رکھنے کی پالیسی کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس پالیسی کو ''اگلی دفاعی لائن'' کہا جاتا تھا۔ پاکستانی فوج نے وانا۔ رزمک۔ گردئ۔ ومدیل کے مشہور مقامات اور دیگر چوکیوں کو خالی کر دیا۔

پاکستانی سپاہیوں کی ٹولیاں باہر سے آ رہی تھیں۔ ان میں چھوٹے بڑے دونوں طرح کے منظم یونٹ بھی تھے اور فوجیوں کے ملے جلے جتھے بھی۔ جن میں مختلف ٹریڈ اور صیغوں کے جوان شامل تھے۔ فوجیوں کے پاکستان میں آنے اور باہر جانے کی تمام کارروائی سپریم ہیڈ کوارٹر کی زیر نگرانی ہو رہی تھی اور اس کیلئے دو راستے اختیار کئے گئے تھے۔ ایک بری راستہ تھا ''ریل کراس'' جو امرتسر کے راستے لاہور تک تھا اور دوسرا بحری راستہ ''سی کراس'' بمبئی اور کراچی کی بندرگاہوں کو ملاتا تھا۔ بری راستے سے آنے والے جوانوں کیلئے اگست میں لاہور میں ایک ٹرانزٹ کیمپ کھولا گیا جس میں چودہ ہزار افراد کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ جب فسادات اور سیلاب کی وجہ سے بری راستہ محفوظ نہ رہا اور زیادہ یونٹوں کو سمندر کے راستے بھیجا جانے لگا تو ایک اور ٹرانزٹ کیمپ اکتوبر میں کراچی کے قریب ملیر میں قائم کیا گیا جس میں ایک وقت میں چھ ہزار افراد رہ سکتے تھے۔ ان کیمپوں میں جی۔ ایچ۔ کیو کے مختلف آرمز اور سروسز کے ڈائرکٹریٹس کے

کچھ افسر تعینات تھے تاکہ وہ اپنے اپنے متعلقہ شعبے کے جوانوں کو چن کر مناسب مقامات پر بھیجتے رہیں۔ اس طرح آنے والوں کو فوراً ہی نئی یونٹوں میں پوسٹ کر دیا جاتا۔ ایسا کرنا بے حد ضروری تھا کیونکہ یونٹوں کو افسروں اور جوانوں کی ضرورت تھی اور نفری کم ہونے کی وجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

جو افسر اپنی یونٹوں کے ہمراہ نہیں تھے انہیں جی۔ ایچ۔ کیو کی ایم۔ ایس برانچ میں بھیجا جاتا جہاں سے ان کی پوسٹنگ مختلف یونٹوں اور فارمیشنز میں فوراً کر دی جاتی۔ اس زمانے میں چونکہ افسروں کی سروس کا کوئی ریکارڈ موجود نہ تھا اس لئے بعض اوقات افسروں کو ایسی اسامیوں پر پوسٹ کیا گیا جہاں جگہ یا تو خالی نہیں تھی یا وہ اسامی سرے سے موجود ہی نہیں تھی بعض افسروں نے دوسروں کے کہنے پر ان فارمیشنوں میں کام کرنا پسند کیا جو سرحد کے ساتھ ساتھ متعین تھیں اور جہاں کام کی زیادتی تھی۔ ان ابتر حالات میں کچھ افسروں نے اپنی خدمات ایسی جگہوں کیلئے از خود پیش کر دیں جہاں کام ضرورت سے زیادہ اہم تھا۔ کچھ افسروں نے اپنے ذمہ یہ کام لیا کہ فوجیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کو منظم کر کے یونٹوں کی تشکیل کریں اور اس طرح اس وقت کی غیر منظم فوج کی مدد کی۔ رفتہ رفتہ پاکستانی فوج ایک منظم شکل اختیار کرتی گئی۔ اور سال کے آخر تک افسروں کی باقاعدہ اور مناسب پوسٹنگ ہو چکی تھی۔

پاکستان کے حصے کی سب یونٹوں کو جوں کا توں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ سپاہیوں کی نفری کم تھی۔ مالی مشکلات بھی شدید تھیں۔ نئے حالات اور ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ملٹری پولیس جیسی چھوٹی کورز کو ختم کر دیا گیا۔ کچھ چھوٹی یونٹوں کو بڑی یونٹوں میں مدغم کر دیا گیا اور کچھ کو از سر نو منظم کیا گیا۔

اس دور میں فوج کے مختلف شعبوں پر کیا بیتی اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ

ہو گا۔ آرمرڈ کور کی نفری کافی تھی۔ دراصل پرانی آرمرڈ کور میں مسلمان سکواڈرن کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی پاکستان کے حصے میں آنے والی چھ آرمرڈ رجمنٹوں کیلئے ضرورت تھی۔ جونہی یہ سکواڈرن پاکستان پہنچے انہیں جوں کا توں ان رجمنٹوں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ لیکن ساز و سامان کی کمی تھی۔ جس وقت ان رجمنٹوں کی تقسیم کا سوال اٹھا پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں میں صرف ایسی دو رجمنٹیں تھیں باقی چار رجمنٹیں ہندوستانی علاقوں میں تھیں۔ اسی طرح چار ہندوستانی رجمنٹیں پاکستانی علاقے میں مقیم تھیں۔ چنانچہ ان رجمنٹوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنا سامان چھوڑ جائیں تاکہ وہ پاکستانی رجمنٹوں کو دے دیا جائے اس طرح اٹھارھویں کیولری سنٹرل ہارس، پونا ہارس اور تیسری کیولری نے جو سامان چھوڑا اسے پرانبز گائیڈز ۱۳ لانسرز اور گیارھویں کیولری نے سنبھال لیا۔ لیکن بدقسمتی سے بعض ہندو اور سکھ سکواڈرن پاکستان چھوڑنے سے پہلے جان بوجھ کر ٹینکوں اور دوسری گاڑیوں کے انجنوں میں ریت بھر کر انہیں خراب کر گئے۔ نمبر ۱۹ اور نمبر ۱۳ لانسرز کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ ۱۲ لانسرز کے پاس تو دو برس تک فقط ایک سکواڈرن مکمل حالت میں رہا۔ جب نئے ٹینک خریدے گئے تب کمی پوری ہوئی۔

انڈین آرمرڈ کور کے تربیتی اداروں کے سامان میں سے پاکستان کو ٹینک ٹریننگ ونگ اور آرمرڈ کور سکول سے ایک تہائی حصہ مل سکا۔ ان اداروں سے ۱۹۴۷ء میں جو تھوڑا سا عملہ پاکستان پہنچا اسے نوشہرہ کے پرانے سکھ رجمنٹل سنٹر کی عمارتوں میں رکھا گیا۔ اگلے سال کے آغاز تک پاکستان آرمرڈ کور سنٹر اور سکول اس قابل ہو گیا کہ ٹریننگ کا مکمل پروگرام شروع کر سکے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۸ء میں جب کمانڈر انچیف پہلی مرتبہ اس سنٹر کے معائنے کیلئے گئے تو وہ اس کے عملے کی یک جہتی اور گرم جوشی

سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ سنٹر کا ہر افسر، جونیر کمشنڈ افسر (جے۔ سی۔ او) اور جوان آرمرڈ کور کی شاندار روایات برقرار رکھنے کیلئے سرگرمی سے مصروفِ عمل تھا۔

جہاں تک آرٹلری کا تعلق ہے، پاکستان کے حصے میں جو رجمنٹیں آئیں ان میں مسلمانوں کی اکثریت تھی ان رجمنٹوں کی تفصیل یہ ہے: تین فیلڈ رجمنٹ، ایک ماؤنٹین رجمنٹ، ایک میڈیم رجمنٹ، ایک سروے بیٹری، ایک اینٹی ٹینک رجمنٹ، ایک ہیوی اینٹی ایئر کرافٹ رجمنٹ، ایک لائٹ اینٹی ایئر کرافٹ رجمنٹ اور ایئر آبزرویشن پوسٹ (او۔ پی) سکواڈرن کا تھوڑا سا حصہ۔ ان یونٹوں کو بآسانی منظم کر لیا گیا۔ لیکن آرٹلری کے افسروں کی کمی تھی خصوصاً" سینئر افسروں کی۔ خوش قسمتی سے چند تجربہ کار برطانوی افسر کچھ عرصہ کیلئے پاکستان میں رہنے اور ان جگہوں پر کام کرنے کیلئے رضامند ہو گئے۔ ملک کے دفاع کیلئے آرٹلری کے یہ یونٹ کافی نہیں تھے چنانچہ ان یونٹوں کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کیلئے انہیں ایک دوسرے سے ملا کر تین گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح دو فیلڈ آرٹلری گروپ بنائے گئے اور ایک انٹی ایئر کرافٹ گروپ ان کے ہیڈ کوارٹر علیحدہ علیحدہ تھے۔ اس نئی تنظیم سے یہ فائدہ ہوا کہ توپخانہ ضرورت کے مطابق مناسب ردوبدل کے ساتھ فوراً" استعمال کیا جا سکتا تھا۔ ساتھ ہی آرٹلری کے زیرِ نگرانی اس کی ٹریننگ کا انتظام بھی ہو گیا۔

دیولائی کے سابقہ انڈین آرٹلری سکول سے جو انسٹرکٹر آئے تھے ان کی مدد سے نوشہرہ میں آرٹلری سکول قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ انبالہ اور متھرا کے ٹریننگ سنٹر سے آئے ہوئے عملے سے کیمبل پور میں آرٹلری سنٹر کھولا گیا۔ انہیں چوبی بارکوں میں جگہ ملی۔ چنانچہ گنتی کے محنتی افسروں کی کوشش سے ۱۹۴۷ء کے اختتام تک

سکول اور سنٹر میں پورے انہماک سے کام ہو رہا تھا۔

پاکستان کے حصے میں آٹھ انفنٹری رجمنٹیں آئی تھیں۔ ان بٹالینوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ اس لئے تقسیم کے وقت ان رجمنٹوں میں سے ۶۴ (چونسٹھ) ہندو کمپنیاں ہندوستان کو دی گئیں اور مسلمانوں کی انتیس (۲۹) کمپنیاں پاکستان کو ملیں۔ باقی ۳۵ کمپنیوں کی کمی کو خاص طریقوں سے پورا کیا۔ فوج سے ریلیز (سبکدوشی) عارضی طور پر بند کر دی گئی۔ جو جوان ریلیز کی چھٹی پر تھے انہیں واپس بلا لیا گیا۔ اس کے علاوہ ریلیز شدہ سپاہیوں کو دوبارہ بھرتی کیا گیا اور نئی بھرتی پر خاص توجہ دی گئی۔ بھرتی کے اس کام میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ بہت سے رضاکاروں نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ خوش قسمتی سے بیشتر انفنٹری ٹریننگ سنٹر پاکستانی علاقے میں تھے اگرچہ چند ہی بٹالین ایسی تھیں جنہیں مکمل کمپنیاں مل سکیں۔ باقی ماندہ کو متفرق رجمنٹوں کے افسر جے۔ سی۔ اوز اور جوان ملے جو ان بٹالینوں کیلئے اجنبی تھے۔ بعض بٹالینوں کو اپنی نفری پوری کرنے کیلئے اس وقت تک انتظار کرنا پڑا جب تک ریکروٹ اپنی تربیت مکمل کر کے ان کے پاس نہ بھیجے جا سکے۔ یہ ایک طویل عمل تھا جو جون ۱۹۴۸ء تک بھی تسلی بخش طریقہ پر مکمل نہیں ہو سکا تھا۔

انفنٹری میں صرف مغربی پاکستان کے رہنے والے تھے اس لئے یہ ضروری تھا کہ مشرقی پاکستان میں ایک انفنٹری رجمنٹ قائم کی جائے تاکہ انہیں بھی اپنے ملک کے دفاع میں حصہ لینے کا موقع مل سکے۔ پاکستانی اور ہندوستانی فوج کی تنظیم و تشکیل کے زمانے میں چونکہ دونوں ملکوں سے کسی نئی رجمنٹ کی بھرتی مانگی گئی۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں کونسل نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ۱۵ر فروری ۱۹۴۸ء کو ایسٹ بنگال رجمنٹ کی پہلی بٹالین کا آغاز ہوا۔ اس بٹالین کیلئے بنگال مسلم پائنیر کی دو کمپنیوں کو اور

ہندوستان جانے والی بہار رجمنٹ کے ان مسلمانوں کو جو پاکستان آنا چاہتے تھے تربیت دینے کیلئے مغربی پاکستان سے کچھ جے۔ سی۔ او اور این۔ سی۔ او بھی بھیجے گئے اسی سال دسمبر تک اس رجمنٹ کی دوسری بٹالین بھی قائم ہو گئی۔

اب چونکہ سرحد پار کے قبائلیوں کیلئے بھی بھرتی کھل چکی تھی اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک پٹھان رجمنٹ بھی قائم کی جائے۔ ۱۹۴۸ء میں اس رجمنٹ کا آغاز ہوا اور فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی ۱۴ بٹالین اور فرنٹیئر فورس رائفلز کی ۱۴ر اور ۱۵ر بٹالین کو پٹھان رجمنٹ کا حصہ بنا کر بالترتیب پہلی۔ دوسری اور تیسری بٹالین کا نام دے دیا گیا۔

آرمرڈ کور، آرٹلری اور انفنٹری کو از سر نو تشکیل دینے کے کام میں اگرچہ دشواریاں پیش آئیں لیکن یہ کام نسبتاً" آسانی سے مکمل ہو گیا۔ اس کے برعکس ٹیکنیکل آرمز اور سروسز کی تنظیم کا کام نہایت مشکل تھا۔ اور اس وقت ایسا معمہ ہوتا تھا جس کا حل آسان نہ تھا۔ نہ تربیت یافتہ افسر تھے نہ تربیتی ادارے۔ نہ ٹریننگ کا انتظام اور نہ ضروری ساز و سامان۔ جس جس قسم کے اہل ہنر اور پیشہ وروں کی ضرورت تھی اور جتنے موجود بھی تھے ان دونوں میں کوئی مطابقت نہیں تھی۔ بعض شعبوں میں کاریگروں کی تعداد ضرورت سے زیادہ تھی اور بعض شعبوں میں ایک بھی نہ تھا۔ صرف انجینئرز کی ہی ایسی کور تھی جس کے حصے میں مکمل کمپنیاں آئی تھیں۔ باقی کورز میں جوان ادھر ادھر سے اکٹھے کئے گئے تھے۔ انجینئرز در حقیقت خوش نصیب تھے۔ نہ صرف یہ کہ انہیں اپنے تربیتی سامان کا پورا حصہ مل گیا بلکہ وہ اپنی ہوشیاری سے اسے کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ دراصل اس کا سہرا لیفٹیننٹ کرنل محمد انور خان اور میجر جے۔ اے۔ فاروقی کے سر ہے۔ بعد میں یہ دونوں افسر بالترتیب میجر جنرل اور بریگیڈیئر بنے۔ یہ دونوں تقسیم کے وقت رڑکی میں بنگال سیپرز اینڈ مائینرز کے

ہیڈ کوارٹر میں موجود تھے اور اس ہیڈ کوارٹر کا بڑا حصہ پاکستان کو ملا تھا۔ انہوں نے محنت اور مستعدی سے اپنے حصے کا سامان نکلوا لیا۔ بعض ہمدرد برطانوی افسروں نے ان کی مدد کی۔ لیکن انجینئرنگ سکول اور ٹریننگ سنٹر قائم کرنا آسان کام نہیں تھا۔

تقسیم کے وقت پاکستان کو ۱۴۶ انجینئر افسر ملے حالانکہ ۲۵۰ افسروں کی ضرورت تھی۔ ان میں سے ۸۰ انگریز افسر پاکستان سے جلد جانے والے تھے اور اٹھارہ افسر تربیت یافتہ انجینئر نہیں تھے بہر حال ایسے حالات میں انجینئرز نے سیالکوٹ میں اپنی کور کا ہیڈ کوارٹر قائم کر دیا۔ انہوں نے محنت و مشقت سے کام لیا اور اپنی دیرینہ شہرت کو برقرار رکھا۔ ۱۹۴۸ء کے آغاز کے ساتھ ہی ان کے ٹریننگ سنٹر میں باقاعدگی سے کام شروع ہو گیا۔ لیکن سکول آف ملٹری انجینئرنگ میں ٹریننگ ایک سال کے بعد شروع ہو سکی۔

پاکستان سگنل کور کا آغاز جب ۱۹۴۸ء میں ہوا اس وقت اس میں ۱۹۸ افسر تھے (۳۵ برطانوی افسروں سمیت) اور ۱۶۵ جے۔ سی۔ او اور مختلف ہنر اور کام جاننے والے ۶۷۶۶ جوان تھے۔ جونہی وہ پاکستان پہنچے ان کو باقاعدہ سگنل یونٹوں، سیکشنوں، کمپنیوں اور رجمنٹوں میں بانٹ کر ضرورت کے مطابق مختلف فارمیشنوں کو بھیج دیا گیا۔ تربیتی سٹاف اور جو قلیل سامان ہندوستانی تربیتی اداروں سے نومبر میں پہنچا اسے راولپنڈی میں اکٹھا کر دیا گیا۔ پھر سگنل ٹریننگ سنٹر قائم ہوا جس کا ہیڈ کوارٹر کلڈنہ میں قائم کیا گیا۔ مری کے علاقے میں گھڑیال اور کلڈنہ میں اور راولپنڈی کے قریب اوجھڑی کیمپ میں ٹریننگ ونگ کھولے گئے۔ اس کے علاوہ راولپنڈی میں سکول آف سگنلز قائم کیا گیا۔ ان اداروں کو منظم ہونے میں دیر لگی لیکن ۱۹۴۸ء کے شروع میں یہ قائم ہو چکے تھے اور ان میں کام شروع کیا جا چکا تھا۔ اس مشکل زمانے میں نوزائیدہ

سگنل کور پر بڑا کڑا وقت گزرا تھا۔ پھر بھی اس نے اپنی غیر منظم حالت کی پرواہ نہیں کی اور غیر معمولی کارکردگی سے پاکستانی فوج کے مواصلاتی نظام کو ٹوٹنے نہیں دیا اور اس طرح اپنے دیرینہ مقولے "تیز و یقینی" کو زندہ رکھا۔

آرمی سروس کور کی ٹرانسپورٹ یونٹوں کا سارا عملہ مسلمان تھا۔ چنانچہ انہیں سپلائی اور پی۔ او۔ ایل (پٹرولیم آئل اور لبریکینٹس) یونٹوں کی طرح دشواریاں پیش نہیں آئیں نہ ہی عملے پر برا اثر ہوا۔ جن یونٹوں میں باربرداری کیلئے جانور استعمال ہوتے تھے وہ نئے حالات میں ایک حد تک بے کار ہو چکی تھیں۔ لہٰذا انہیں توڑنا پڑا۔ مکینیکل ٹرانسپورٹ کی کمی نمایاں تھی۔ گاڑیاں بھی کم تھیں اور پرزے اور اوزار بھی۔ فوج کیلئے راشن اور پٹرول وغیرہ مہیا کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ان تمام چیزوں کی فراہمی کی ذمہ داری سپریم ہیڈ کوارٹرز پر اس وقت تک تھی جب تک پاکستان اس معاملے میں خود کفیل نہ ہو جائے۔ لیکن سپریم ہیڈ کوارٹرز کے انتظامات معطل ہوتے جا رہے تھے۔ آرمی سروس کور نے ان مشکل حالات میں بڑی ہمت سے کام لیا اور کسی نہ کسی طریقے سے فوج کو راشن اور پٹرول فراہم کرتی رہی۔ کراچی میں وزارتِ خوراک و زراعت سے رابطہ قائم کرنے کیلئے ایک فوجی افسر معمور کیا گیا۔ اور غلے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدنے اور جانوروں کیلئے چارہ حاصل کرنے کیلئے فوراً "لوکل پرچیز گروپ" مقرر کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باقاعدہ سپلائی کے انتظامات مکمل ہونے تک کام تسلی بخش طریقے سے چلتا رہا۔

آرمی میڈیکل کور کو افسر بہت ہی کم ملے۔ جہاں پانچ سو ہونے چاہئیں تھے وہاں صرف ۲۱۹ ملے۔ اسی طرح ڈھائی سو نرسوں کی جگہ فقط گیارہ ملیں۔ البتہ ہسپتالوں کی تعداد تقریباً پوری تھی۔ ان میں ضروری سامان کی قلت تھی۔ یہی حالت ان فیلڈ

میڈیکل یونٹوں کی تھی جو پاکستان کے حصے میں آئیں۔ افسروں اور نرسوں کو بھرتی کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی یہاں تک کہ انہیں غیر ممالک سے بھی لایا گیا۔ میڈیکل سٹورز کو جو قریب قریب نہ ہونے کے برابر تھے ہر ممکن ذریعے سے سامان مہیا کیا گیا۔ آزادی ملنے کے فوراً بعد تمام اثاثے اور ضروریات کا جائزہ لیا گیا اور جو اشیاء کم تھیں ان کیلئے انگلینڈ کی کمپنیوں کو لکھا گیا۔ میڈیکل کور کے جوانوں کی طبّی تربیت کیلئے لاہور میں جلد ہی ایک ٹریننگ سنٹر کھول دیا گیا۔

الیکٹریکل اور مکینیکل انجینئرز کور (ای۔ ایم۔ ای) نے اپنی ابتدا بیس پاکستانی اور ساٹھ رضاکار برطانوی افسروں سے کی تھی جبکہ ضرورت ۲۸۰ افسروں کی تھی۔ ان پاکستانی افسروں میں سے زیادہ تر غیر سند یافتہ انجینئر تھے۔ جہاں تک چھوٹے عملے کا تعلق ہے ان کی تعداد ضرورت سے بھی زیادہ تھی۔ لیکن ان میں ماہر کم اور غیر ماہر زیادہ تھے۔ جن شعبوں میں زیادہ مہارت رکھنے والوں کی ضرورت تھی وہاں جوانوں کی بے حد کمی تھی مثلاً آرمامنٹ آرٹی آفیسر اور ٹیلی کمیونیکیشن مکینک بہت تھوڑے تھے۔ اس کے برعکس وہیکل مکینک کی اسامیوں کیلئے کافی جوان موجود تھے۔

پاکستان کیلئے جو ای۔ ایم۔ ای یونٹ مخصوص کیے گئے تھے جن میں ایک انفنٹری ورکشاپ اور ایک انڈی پنڈنٹ ریکوری سیکشن بھی تھا اور جو علی الترتیب یول اور میرٹھ میں تھے۔ سب کے سب خیریت سے پاکستان پہنچ گئے سوائے ورکشاپ سیکشن کے ایک چھوٹے یونٹ کے جو مشرقی پنجاب میں ضائع ہو گیا۔ ہندوستان سے آنے والی یونٹوں اور عملے کو مختلف فارمیشنز میں بانٹ دیا گیا۔ عملے کی باہمی تقرری میں کافی وقت صرف ہوا۔ اور فروری ۱۹۴۸ء میں یہ کام مکمل ہو سکا۔ لیکن کور میں جوانوں کی تعداد ضرورت سے زیادہ تھی اور ماہر اور غیر ماہر طبقے میں توازن نہیں تھا۔ جونہی

یونٹوں کی تقسیم مکمل ہوئی اس توازن کو صحیح کرنے کی کوشش شروع ہو گئی۔

ایک عارضی پروگرام کے مطابق زائد جوانوں کو ہم مثل صنعتوں اور اداروں میں لگا دیا گیا اور جو بھی تربیت یافتہ سویلین کاریگر دستیاب ہوئے انہیں بھرتی کیا گیا۔ اس سے خاطر خواہ نتائج نکلے۔ جن جوانوں کی کسی طرح کھپت نہیں ہو سکی انہیں طویل معیاد کی پالیسی کے مطابق سبکدوش کر دیا گیا۔ ای۔ ایم۔ ای سکول میں فنی تربیت شروع کی گئی۔ یہ سکول کوئٹہ میں ہندوستان سے آئے ہوئے مسلمان اور انگریز اساتذہ کی مدد سے شروع کیا گیا تھا۔ ای۔ ایم۔ ای ٹریننگ سنٹر اور سکول کی تقسیم منصفانہ اور دوستانہ فضاء میں عمل میں آئی اس طرح پاکستان کو تربیتی ساز و سامان جس میں آلات اور ٹیلی کمیونیکیشن کا سامان بھی شامل تھا۔ متوازن تناسب میں حاصل ہو گیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد ضروری فنی کتابوں کا حصہ بھی بحفاظت پاکستان پہنچ گیا۔ ورکشاپ کا سامان جب طویل انتظار کے بعد بھی بھارت سے نہ پہنچا تو ورکشاپوں میں سامان کی کمی کو پورا کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اس وقت بھارت سے سامان آنے کی امید نہیں رہی تھی۔ چھاؤنیوں کے فوجی سامان کی مرمت کیلئے جس مشینری کی کمی تھی اس کیلئے کراچی، کوئٹہ، ڈھاکہ اور لاہور میں کمبائنڈ ورکشاپ قائم کیے گئے۔ جہاں چھاؤنیوں اور فیلڈ فارمیشنز دونوں کیلئے فوجی سامان کی مرمت ہو سکتی تھی۔ چک لالہ کے ۵۰۱ ورکشاپ کو سنٹرل ورکشاپ بنا دیا گیا اور اسے معمولی گاڑیوں کی مکمل مرمت کا کام سونپا گیا۔ دوسرے سامان کی مرمت کرنے کیلئے ایک اور سنٹرل ورکشاپ قائم کی گئی۔ ان ورکشاپوں کی توسیع بھی کی گئی تا کہ وہ فوج کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کر سکیں نیز انہیں یہ کام بھی دیا گیا کہ چھوٹے ہتھیاروں۔ اسلحہ اور فوجی گاڑیوں کے متعدد پرزے جو اس وقت نایاب تھے تیار کریں۔

ای۔ایم۔ای میں افسران کی کمی کو پورا کرنے کیلئے کئی تدابیر اختیار کی گئیں۔
برطانیہ سے تین سال کی مقررہ مدت کیلئے رضاکار مانگے گئے۔ اس کے علاوہ موزوں
جے۔ سی۔ او اور وارنٹ افسروں کا انتخاب کر کے بعض کو عارضی غیر مستقل کمیشن
دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک لمبے عرصے کا منصوبہ اس غرض سے مرتب کیا
گیا کہ مستقل کمیشن کیلئے افسروں کو تربیت دی جائے انجینئرنگ کے گریجویٹ اور
ایف۔ ایس۔ سی پاس طالب علم جب پاکستان ملٹری اکیڈمی میں مختصر کورس پورا کر لیتے
تھے تو ان میں سے منتخب افسروں کو برطانیہ کے لف برو کالج میں بھیج دیا جاتا۔ جہاں
سے وہ دو سے چار سال کی مدت میں آٹو موبیل انجینئرنگ اور ورکشاپ کے فرائض میں
ڈپلوما حاصل کر کے آتے تھے۔ ان کورسوں کی تکمیل پر منتخب شدہ افسروں کو برطانوی
اداروں میں سپیشل ٹریننگ (مثلاً ٹیلی کمیونیکیشن انجینئرنگ) دی جاتی تھی۔

فوج کی تنظیم میں سب سے مشکل کام آرڈیننس سٹورز کی فراہمی اور اس کی
موزوں تقسیم کا تھا۔ اگر بھارت شروع ہی میں حصہ دینے سے انکار کر دیتا تو یہ پاکستان
کے حق میں بہتر ہوتا اس طرح اسے بھارت کے وزیراعظم اور اس کے کمانڈر انچیف
کی ٹال مٹول کی زحمت برداشت نہ کرنی پڑتی۔ پاکستان اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ
سامان آنے والا ہے۔ چنانچہ کسی دوسری جگہ سے سامان حاصل کرنے کی کوشش نہیں
کی گئی۔ یہ خوش فہمی بعد میں پریشانی کا باعث بنی۔

لیکن رفتہ رفتہ بھارت کے ارادے بے نقاب ہو گئے اور پاکستان کو اس سنگین
صورتِ حال کا اندازہ ہو گیا۔ آخر جی۔ ایچ۔ کیو نے ۱۹۴۸ء میں سامان کی فراہمی کا
ایک شعبہ قائم کیا جس میں وہ معدودے چند افراد شامل تھے جو تقسیم ملک کے بعد
ہندوستان سے آئے تھے۔ یہ شعبہ بتدریج بڑھتا گیا اور آخر اطمینان بخش طریقے سے

کام کرنے کے قابل ہو گیا۔ اس شعبے کی جدوجہد کے نتائج ۵۱-۱۹۵۰ء میں جا کر ظاہر
ہوئے۔ کیونکہ فراہمی سامان کی کارروائی اسی صورت میں کارگر ہوتی ہے جبکہ کم از کم دو
سال پہلے شروع کی جائے۔

فوج کو اس وقت جو سب سے اہم اور پریشان کن مسئلہ درپیش تھا وہ یہ تھا کہ
جس مدت کیلئے سامان کی فراہمی کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا اس عرصے کیلئے سامان
کہاں سے حاصل کیا جائے۔ یہ زمانہ ۱۹۴۸ء، ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء کے شروع کا تھا
جب سامان کی کمی شدید تھی۔ پرانی انڈین آرمی کیلئے اس عرصے کے جو انتظامات کئے
گئے تھے، وہ فوج کی تقسیم کا فیصلہ ہونے سے پہلے کے تھے۔ چنانچہ صورتِ حال یہ تھی
کہ فوج کو تیار رکھنے کیلئے کسی فوری بندوبست کی ضرورت تھی۔ اس مشکل پر قابو پانے
کیلئے سپریم کمانڈر کے مشورے سے سٹورز کے ان مطالبات کے بعد جو ۱۹۴۸ء اور
۱۹۴۹ء کیلئے برطانیہ اور ہندوستان کے ڈائرکٹر جنرل آف انڈسٹریز اینڈ سپلائیز کو بھیجے
جا چکے تھے، پاکستان کیلئے نئے مطالبات بھیجے گئے۔ پرانی ہندوستانی فوج کو انہی دو ذریعوں
سے سامان ملا کرتا تھا۔ لیکن پورا سامان نہیں ملا۔ خصوصاً" جو مطالبات بھارت کو بھیجے
گئے ان کی تعمیل نہیں کی گئی۔ لندن میں وار آفس سے درخواست کی گئی کہ ۱۹۴۷ء اور
۱۹۴۸ء کا جو سامان ابھی بھیجنا باقی ہے وہ پاکستان کو دے دیا جائے۔ اس درخواست کو اس
عذر پر رد کر دیا گیا کہ اس قسم کا باقی ماندہ سامان اتنا کم ہے کہ جہازوں کی کوئی کمپنی اس کو
لے جانے کیلئے تیار نہیں ہے۔ لندن کے کامن ویلتھ ریلیشنز آفس کا رویہ بالکل نرالا
تھا۔ پاکستان نے رائفل کا ایک کارتوس بھی مانگا تو جواب ملا کہ یہ مانگ اس وقت پوری کی
جائے گی جب بھارت بھی تین کارتوس مانگے۔ جب یہ بتایا جاتا کہ بھارت کے پاس پہلے
ہی کافی آرڈیننس اور ایمونیشن فیکٹریاں ہیں تو اس دفتر سے جواب خاموشی میں ملتا۔

اس قسم کے حالات میں طرح طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں۔ ۱۹۴۷ء کے اواخر میں جب کمانڈر انچیف انگلینڈ جانے لگے تو مطلوبہ سامان کی فہرستیں جلدی سے بنا کر انہیں دے دی گئیں۔ تاکہ وار آفس سے جو کچھ مل سکے لے لیا جائے۔ فوری ضروریات کی ایک فہرست واشنگٹن میں پاکستان کے سفیر کے پاس بھی بھیجی گئی۔

برطانوی دولتِ مشترکہ کی جو فوج جاپان میں مقیم تھی۔ اس کے فالتو سامان کیلئے بھی کوشش کی گئی۔ خود پاکستان میں جو چیزیں مل سکتی تھیں انہیں خریدا گیا۔ سامان کی خریداری کیلئے ایک مشن برطانیہ بھیجا گیا۔ جس کے رہنما حکومت پاکستان کے فنانشل ایڈوائزر تھے اور اس میں ماسٹر جنرل آف آرڈیننس اور دوسرے اعلیٰ حکام بھی شامل تھے۔ بعد میں اسی قسم کے مشن اٹلی۔ لنکا۔ امریکہ اور دوسرے ممالک میں بھی گئے۔

غرض جہاں جہاں بھی فوجی سامان مل سکتا تھا وہاں جا کر کوشش کی گئی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ممالک سے سامان حاصل کیا گیا:

برطانیہ	آسٹریلیا
امریکہ	کینیڈا
اٹلی	بلجیم
سپین	ہالینڈ
سویڈن	مصر
جاپان	لنکا
فرانس	جرمنی
ملایا	

ان تمام کوششوں کے باوجود فوج کی تمام ضروریات پوری نہیں ہوئیں۔

ضروریات زیادہ تھیں اور پاکستان کے پاس زرِ مبادلہ بہت کم تھا۔ نیز جو سامان مل سکا وہ مطلوبہ کوالٹی اور معیار کا نہ تھا لیکن یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ فوج کے سپاہی اینٹ پتھر کی بجائے سامان جنگ سے مسلح ہو گئے۔

نئے حالات کے مطابق پرانے ڈپو نئے سرے سے منظم کئے گئے اور نئے ڈپو قائم کئے گئے۔ جو ڈپو پاکستان میں پہلے سے موجود تھے ان کی طرف جنگ کے زمانے میں کوئی توجہ نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے ہندوستان کی جنوب مشرقی سرحد۔ شمال مشرقی سرحد کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ ایک تو ان ڈپوؤں میں فوجی سامان رکھنے کی جگہ ویسے ہی کم تھی دوسرے یہ کہ سٹورز کی عارضی عمارتیں جو محض زمانۂ جنگ کیلئے تیار کی گئی تھیں اب تقریباً بے کار ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ڈپوز میں سامان کو محفوظ رکھنے کی سہولتوں کو بہتر بنانے کی کوشش کی گئی اور نئی عمارتوں کو بنانے کے منصوبے تیار کئے گئے۔

افواج کی تشکیل نو کی کمیٹی کی ابتدائی سفارش جسے جوائنٹ ڈیفنس کونسل نے منظور کیا تھا یہ تھی کہ اپریل ۱۹۴۸ء تک پاکستانی فوج کا ٹریننگ کیلئے ان تربیتی اداروں پر دارومدار رہے جو اس وقت موجود تھے۔ بیشتر انفنٹری سنٹرز پاکستان میں تھے لیکن دوسرے تربیتی ادارے گنے چنے تھے۔ ہندو مسلم فسادات اور بھارت کے روّیے میں اچانک تبدیلی کے باعث اور اس فیصلے کے پیش نظر کہ سپریم کمانڈر کا ہیڈ کوارٹر عنقریب ختم ہونے والا تھا۔ فوجی تربیت کے اداروں کو بھی جلدی میں تقسیم کرنا پڑا۔ یہ تقسیم بھارت نے بڑے اصرار سے کرائی۔ مختلف فوجی سکولوں اور مرکزوں میں جو پاکستانی عملہ تھا اور جو پاکستانی وہاں تربیت پا رہے تھے جو تھوڑا بہت سامان وہ ساتھ لا سکے۔ نومبر ۱۹۴۷ء تک سکیم "سی کراس" کے تحت پاکستان بھیج دیا گیا۔ اتالیق

افسروں کی اس مختصر جماعت کو سب کام نئے سرے سے شروع کرنے پڑے۔ اس طرح انہیں پیش رو ہونے کا رتبہ حاصل ہے۔ ان میں اکثر ملیر (کراچی) کے ٹرانزٹ کیمپ سے سیدھے ان جگہوں پر بھیجے جاتے جہاں تربیتی ادارے قائم ہونے تھے۔ ان میں آرٹلری۔ آرمڈ کور انجینئرز۔ سگنلز۔ آرمی سروس کور اور ای۔ ایم۔ ای کے سکولوں اور سنٹروں کے افراد شامل تھے اور ملٹری اکیڈمی۔ انفنٹری سکول۔ ٹیکٹکس اینڈ ایڈمنسٹریشن سکول۔ فزیکل ٹریننگ سکول۔ اور بعض دوسرے اداروں کا عملہ بھی شامل تھا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے ٹریننگ شروع کی اور ۱۹۴۸ء کے آغاز ہی میں تربیتی کورس شروع ہو گئے۔ اس طرح پاکستان کی نئی فوج ۱۹۴۸ء کے شروع تک ٹریننگ سے محروم رہی۔

فوج کی اس تنظیم نو کے زمانے میں جبکہ فوجی استحکام کی یہ ساری تجویزیں بنائی اور عمل میں لائی جارہی تھیں۔ حکومت فوجی مصارف کو کم کرنے کی فکر میں رہی۔ ۱۹۴۷ء کے اختتام پر فوجیوں کو بڑے پیمانے پر ریلیز کرنے کی اسکیم شروع ہوئی جو جون ۱۹۴۸ء تک جاری رہی۔ لیکن یہ احتیاط ضرور برتی گئی کہ جو فوجی ابھی تک کھپائے نہیں گئے تھے انہیں ملازمت سے سبکدوش نہ کیا جائے۔ پاکستانی فوج کے واحد آرمرڈ بریگیڈ کو بھی اسی بنا پر توڑنے کا منصوبہ بنایا گیا کہ آرمرڈ بریگیڈ کے بیش قیمت سامان کا نہ خرچ برداشت کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے اچھی حالت میں رکھا جاسکتا ہے۔ فوجیوں کی ریلیز کا یہ پروگرام ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں کشمیر میں بھارت کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ فوج کی توسیع کا حکم دیا گیا۔ جونہی ملک پر چھایا ہوا کوئی خطرہ کم ہوتا حکومت فوج کے بجٹ میں پھر کمی کر دیتی۔ اگرچہ فوجیوں کو اسی طرح بار بار ملازمت سے سبکدوش کیا گیا اور پھر بلایا گیا لیکن اس کے باوجود سابق افسروں اور جوانوں

کی وفاداری اور فرض شناسی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ہنگامی حالات میں جب بھی انہیں بلایا گیا انہوں نے فوراً لبیک کہا۔

آزادی کے پہلے سال میں اگرچہ فوج بالکل غیر منظم حالت میں تھی اور اس میں افسروں‘ جوانوں اور سامان کی بے حد کمی تھی۔ پھر بھی مصیبت کے وقت جب بھی قوم نے اسے پکارا یہ مدد کیلئے پہنچ گئی اور لگاتار طرح طرح کے امدادی کاموں میں لگی رہی۔ یونٹوں کی نفری پوری ہوتی یا کم۔ ان کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ مہاجرین کو خطرے کی جگہ سے نکالیں اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کریں۔ بے شمار مہاجرین کی آبادکاری کا کام اور کشمیری مہاجرین کے کیمپوں کی نگہداشت بھی ان کے ذمے تھی۔ وہ محکمہ رفاہِ عامہ کا بھی ہاتھ بٹاتے رہے تاکہ پلوں‘ سڑکوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور بجلی کی سپلائی جاری رہے۔ ان کے علاوہ وہ پاکستان اور بھارت کی نئی سرحدوں کی بھی حفاظت کررہے تھے۔

غرضیکہ ان دنوں فوج کو بڑے سخت اور روح فرسا کام سونپے گئے یہ گویا فوج کی پامردی اور ڈسپلن کا ایک کڑا امتحان تھا جس میں پاک فوج کے جوان پورے اترے۔

۱۴ راگست ۱۹۴۸ء کو جب پاکستان کی پہلی سالگرہ منائی گئی تو اس وقت تک ابتدائی مہینوں کی افراتفری اور بے چینی بہت حد تک ختم ہو چکی تھی۔ فوج نے ایک تازہ ولولے اور ایک نئے عزم کے ساتھ پورے ملک میں یہ دن منایا۔ اس نے قائداعظم کو یہ پیغام فخر کے ساتھ بھیجا۔ ”یوم آزادی کی اس پہلی سالگرہ پر فوج کی طرف سے وفادارانہ اور پرتشکر مبارکباد قبول ہو۔ ہم دل و جان سے پاکستان کی خدمت کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ پاکستان اور اس کا عظیم خالق زندہ باد۔“

منتشر اور پراگندہ فوجی دستوں کی شیرازہ بندی کر کے اس طرح فوج کو قائم

اور استوار کر دینا اور پھر ہمت شکن مشکلات کے باوجود اس کو اتنے تھوڑے وقت میں مضبوط بنا دینا یقیناً کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ ۱۹۴۸ء کے اختتام تک اس نے گویا تشکیل نو کا بڑا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اور اب یہ استحکام کیلئے مزید کارروائیوں میں مصروف تھی۔ لیکن اب بھی اسے بہت سے مسائل در پیش تھے۔ دراصل فوج کا وجود اب تک فقط کاغذ پر تھا اور اس کو ایک لڑنے والی کارگر جمعیت بنانے کیلئے مزید ایک سال تک شبانہ روز محنت کی ضرورت تھی۔ یہ اسی محنت کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد پاکستان کے وزیراعظم نے فخریہ انداز سے اعلان کیا کہ "کسی مبالغے کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ افواج پاکستان اس وقت دنیا کی بہترین فوجوں میں شمار کی جاسکتی ہیں اور ان کا حوصلہ نہایت بلند ہے۔"

آزادی کی مشکلات اور قوم کا اعتماد

یہ نوزائیدہ مملکت ابھی پوری طرح وجود میں آنے بھی نہ پائی تھی کہ اسے طرح طرح کی مشکلات نے گھیر لیا۔ اس نئی قوم اور اس کی فوج کے سامنے گوناگوں مسائل در پیش تھے اور جس طرح وہ ان سے عہدہ برآ ہوئی وہ ایک طویل داستان ہے۔

پاکستان کی مختصر اور غیر منظم فوج کو طرح طرح کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ سب سے پہلے اسے ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور حکومت پر عوام کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے شہری نظم و نسق میں سویلین حکام کا ہاتھ بٹانا تھا۔ دوسرا بڑا مسئلہ لاکھوں مہاجرین کا تھا۔ انہیں ہندوستان سے نکال کر لانا، راستے میں ان کی حفاظت کرنا، پاکستان بھیجنا اور اس سلسلے کے تمام امور کا بندوبست کرنا ایک زبردست چیلنج تھا۔ تیسرے یہ کہ فوج کو پاکستان کے ان لاکھوں ہندوؤں اور سکھوں کی حفاظت بھی کرنی تھی جو ہندوستان جا رہے تھے۔ چوتھے اسے شمال مغربی سرحد کے دفاع کو بھی سنبھالنا تھا اور آخری اہم مسئلہ ان نئی سرحدوں پر حملوں کی روک تھام تھا جو تقسیم ملک کے بعد وجود میں آئی تھیں اور ابھی تک نہایت غیر واضح تھیں۔

ایسے نازک حالات میں شہری حکام مجبور ہو گئے کہ بیشتر مشکلات میں فوج کا سہارا لیں۔ ہر کام کیلئے فوج ہی پر ان کی نظر ٹھہرتی۔ حتیٰ کہ فوج کے افسروں اور

جوانوں پر اتنا کام آپڑا کہ انہیں دن رات لگاتار ڈیوٹی پر رکھا جاتا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے جس اعلیٰ جذبے اور ہمت و استقلال سے ان مشکلات کا سامنا کیا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے :

امرتسر اور واہگہ کے درمیان مہاجرین کے پیدل قافلوں کی حفاظت کیلئے ایک عرصے سے ۱۳/ ۵ فرنٹیئر فورس رائفلز کی صرف دو کمپنیاں کام کر رہی تھیں ان کے متعلق یہ خبر ملی کہ وہ تھکن سے نڈھال ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں پوری خوراک بھی نہیں مل رہی کیونکہ یہ فوجی اپنا راشن بڑی فراخ دلی سے مہاجرین میں بانٹ دیتے تھے۔ مہاجروں سے انہیں ملیریا' ہیضہ اور دوسرے متعدی امراض بھی لگ گئے تھے۔ لاہور ایریا کے کمانڈر نے ڈاکٹروں کے مشورے پر انہیں پندرہ دن آرام کرنے کا حکم دیا۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد موسیٰ جی۔ ایس۔ او۔ ون (جو بعد میں جنرل اور کمانڈر انچیف بنے) یہ حکم لیکر ان کمپنیوں کے کمانڈر ایک نوجوان میجر کے پاس واہگہ گئے۔ اس وقت ان کے جوان ایک لاکھ مہاجرین کے ۳۲ میل لمبے قافلے کو حفاظت پاکستان لا رہے تھے۔ کرنل موسیٰ نے ایریا کمانڈر کی طرف سے ان جوانوں کے اعلیٰ کام کی تعریف کرنے کے بعد انہیں دو ہفتے کیلئے لاہور میں آرام کرنے کا حکم سنادیا۔ اس کے بعد یہ کہا کہ ''میں تمہیں غیر سرکاری طور پر اطلاع دیتا ہوں کہ امرتسر کے اس طرف مہاجرین کا ایک اور قافلہ جمع ہو رہا ہے جس کی حفاظت کیلئے میرے پاس اور دستے موجود نہیں ہیں۔ تاہم ان کی حفاظت کرنی اور انہیں لانا ضروری ہے۔ بتاؤ کہ تم لاہور جا کر آرام کرنا پسند کرو گے یا انہیں لانے کیلئے واپس جاؤ گے ؟'' پاکستانی افواج کے تھکے ماندے' بھوکے پیاسے اور بیمار جوان یہ الفاظ سنتے ہی اپنا تمام دکھ درد بھول گئے اور سب کے سب اپنا جان جوکھوں کا کام جاری رکھنے پر خوشی خوشی آمادہ ہو گئے۔ جو ان کیلئے ایک

مقدس فریضہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہی نہیں جوانوں کے عزم اور فرض شناسی کی ایسی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ تندہی سے اپنا فرض ادا کرنا' احکام کی بے چوں وچرا اطاعت کرنا' اپنا وقار قائم رکھنا' اپنی ذاتی سلامتی اور آرام و آسائش سے قطعی بے نیاز رہنا یہ ایسی باتیں تھیں جو ان کے پیشے اور عقیدے کی اعلیٰ روایات میں شامل تھیں۔ انہیں اکثر ایسے کام کرنے کو بھی کہا جاتا جن کیلئے انہیں کبھی ٹریننگ نہیں ملی تھی۔ ان کے ارد گرد ایسے واقعات و حادثات پیش آ رہے تھے کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ ہر بات خلافِ معمول ہو رہی تھی اس شدید انتشار و بحران میں بھی ان کا منظم اور منضبط رہنا' اپنا کام دیانتداری سے سرانجام دینا اور لگاتار عزم و استقلال کا ثبوت دینا قابلِ تحسین تھا۔ ہندوستانی علاقے میں ان کی ڈیوٹی بے حد کٹھن تھی کیونکہ ۱۴/ اگست کے بعد سے ہندوستان ایک غیر ملک تھا اگر وہ دشمن کے مسلح جتھوں کے خلاف جو مسلم اقلیت کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے' کوئی معمولی سی بھی کارروائی کرتے تو وہاں کے شہری حکام ان پر فوراً شبہ کرتے۔ چنانچہ بہت سے مسلمان سپاہی ہندوستانی جیلوں میں ڈال دیئے گئے اور ان سے بھی زیادہ بدقسمت وہ تھے جو اپنی ڈیوٹی کرتے ہوئے قتل کر دیئے گئے۔ ہندوستانی علاقے میں ہماری نئی فوج کی یہ ذمہ داریاں اس کے نظم و ضبط اور اس کی وفاداری کا سب سے کڑا امتحان تھیں۔

ان ہنگامہ خیز حالات میں یہ نہایت ضروری تھا کہ فوج پر پوری طرح قابو رکھا جائے تا کہ اس کی وفاداری برقرار رہے۔ پاکستانی سپاہی نے جلدی ہی یہ محسوس کر لیا کہ اس نئی فوج کی طاقت کا راز اسی میں ہے کہ اس پر آشوب زمانے میں وہ ڈسپلن اور استقلال قائم رکھے۔ وہ جانتے تھے کہ اپنے افسروں کی فرماں برداری خواہ وہ مسلمان ہوں یا انگریز' ہندو ہوں یا سکھ' ایک لازمی شرط ہے۔ کسی گمنام مسلمان افسر نے اس

سلسلے میں نہایت اچھی بات کہی تھی کہ "ایسی مکمل اطاعت اور وفاداری سے پاکستانی سپاہی اپنے ملک کی قوت میں اضافہ کریں گے۔" جیسا کہ اپنے ملک میں عام طور سے ہوتا ہے یہ بات بھی جنگل میں آگ کی طرح پوری فوج میں پھیل گئی۔ پاکستانی سپاہی اپنی آزمائش میں پورا اترا اور نتیجتاً قوم کا اعتماد اور بھروسہ خدمت کا یہی وہ گہرا جذبہ تھا جس نے مستقبل میں اسے مزید عزت بخشی۔

ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے جوانوں نے خطرے میں پھنسے ہوئے لوگوں کی کس ہمت و دلیری سے مدد کی۔ ان دنوں مسلمان عورتوں اور بچوں کو امرتسر سے پاکستان کی سرحد میں واہگہ چوکی تک گاڑیوں میں پہنچانے کیلئے کچھ سکھ ڈرائیور مقرر کئے گئے تھے جو قاتلوں کے جتھوں سے ملے ہوئے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ یہ کرتے تھے کہ مہاجر عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی لاریاں ایسی جگہ لا کر روک دیتے جہاں یہ جتھے ان کے منتظر ہوتے اور فوراً لاریوں کو گھیر کر مسافروں کو قتل کر دیتے۔ ایک دفعہ یہ ہوا کہ جونہی لاریاں اس مقصد کیلئے روکی گئیں تو جتھے کے حملے سے ذرا پہلے میڈیکل کور کا ایک مسلمان نائیک اتفاقاً ادھر آنکلا اس نے فوراً خطرہ بھانپ لیا اور اپنی رائفل بدمعاشوں پر تان کر خوفزدہ مسلمان عورتوں اور بچوں کو گاڑیوں سے اتارا۔ پھر ان کے آگے آگے چل کر پورے قافلے کو حفاظت و سلامتی کے ساتھ پاکستان کی سرحد پر لے آیا۔

مہاجرین کا مسئلہ تقسیم کے بعد کے سیاسی انتشار کا ایک لازمی نتیجہ تھا لیکن کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ یہ مسئلہ ایسی مہیب شکل اختیار کر لے گا۔ اتنے بڑے پیمانے پر آبادی کا ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہونا تاریخ عالم میں اپنی نوعیت کی واحد مثال تھی۔ اس کیلئے پہلے سے کوئی مناسب منصوبہ بھی تیار نہیں کیا گیا تھا چنانچہ

ایک دفعہ پھر فوج ہی کی طرف نظریں اٹھیں۔ مسلمان مہاجرین کو خطرے کے علاقوں سے نکالنے اور حفاظت و سلامتی کے ساتھ پاکستان پہنچانے کا زبردست انسانی فریضہ فوج کے سپرد کیا گیا۔ لاکھوں بے بس مرد عورتوں اور بچوں کی جانیں بچانا، بیماروں اور زخمیوں کو سنبھالنا۔ جوانوں اور بوڑھوں کی دیکھ بھال، ماں باپ سے بچھڑے ہوئے اور یتیم بچوں کے کھانے پینے اور کپڑوں کا انتظام کرنا، غرض ایک نہیں بے شمار مسائل تھے۔ پھر اتنے لاتعداد لوگوں کو صرف ریل کے ذریعے یا موٹروں میں بٹھا کر سڑک کے راستے نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اس لئے پیدل قافلوں کا انتظام کرنا اور انہیں ایسے راستوں سے نکال کر لانا ضروری تھا جہاں ان پر حملے نہ کئے جا سکیں۔

۱۴ر اگست کے چھ دن بعد ہی مغربی پنجاب کی حکومت نے پاکستانی فوج سے درخواست کی کہ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکالنے کا کام سنبھال لے۔ مہاجرین کو ٹھہرانے، کھانا کھلانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کیلئے جو کیمپ قائم کئے گئے تھے ان کا انتظام بھی فوج کے سپرد کر دیا گیا۔ اگست کے آخری دنوں میں دونوں مملکتوں اور مشرقی و مغربی پنجاب کی صوبائی حکومتوں کے درمیان اس بارے میں سمجھوتہ ہوا کہ مہاجرین اور تارکین وطن کو فوجی دستوں کی حفاظت میں دونوں صوبوں کی مشترک سرحد پر آزادانہ آنے دیا جائے۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں حکومتوں نے مہاجرین کی حفاظت اور نقل و حرکت کا انتظام کرنے کیلئے باقاعدہ فوجی ادارے قائم کر دیئے۔

یہ مسئلہ جتنا بڑا تھا اتنا ہی پیچیدہ بھی تھا۔ ۱۶ر اگست کے بعد مشرقی پنجاب کے چپے چپے پر مہاجر کیمپ بن گئے۔ ان کا انتظام پاکستانی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستوں کو دیا گیا۔ مشرقی پنجاب کی حکومت نے مہاجرین کے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ مہاجر کیمپ قائم کرنا اور ان کی حفاظت کرنا مقابلتاً آسان کام تھا لیکن

دیہاتوں اور خصوصاً" قصبوں سے مہاجرین کو نکال کر لانا نہایت مشکل تھا۔ جوانوں کو اپنی منزل پر پہنچنے کیلئے بسا اوقات مسلح گروہوں سے لڑنا پڑتا تھا۔ سڑکوں پر چلنے والے چھوٹے دستوں اور اکیلی گاڑیوں کو ہر وقت دشمن کے حملے کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔ ایک دفعہ بریگیڈیر (فیلڈ مارشل) محمد ایوب خان جو پنجاب باؤنڈری فورس کے کمانڈنگ جنرل کے پاکستانی مشیر تھے۔ ایک انگریز افسر کے ساتھ ہوشیار پور جا رہے تھے کہ انہیں مسلح جتھوں نے گھیر لیا۔ اس گھیرے سے انہیں لڑ کر باہر نکلنا پڑا۔ سکھ ریاستیں خاص طور پر خطرناک تھیں کیونکہ ان کی فوجیں مسلح جتھوں کے ساتھ کھلم کھلا ملی ہوئی تھیں۔ ان ریاستوں میں سب سے خطرناک پٹیالہ کی ریاست تھی جس کے علاقے سے انبالہ سے لدھیانہ جاتے ہوئے گرانڈ ٹرنک روڈ گزرتی ہے۔ جو مسلمان کسی نہ کسی طرح موت کے پنجے سے بچ گئے تھے اور بھاگ کر پاکستان آنا چاہتے تھے۔ ان کیلئے گرانڈ ٹرنک روڈ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔ دوراہا کے مقام پر جہاں یہ سڑک نہر سرہند کو عبور کرتی تھی ایک تنگ درہ بن گیا تھا۔ بیچارے مہاجرین کیلئے یہ موت کا درہ تھا۔

ریل گاڑیوں کے ہمراہ جانے والے حفاظتی دستے فقط چند جوانوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ انہیں طرح طرح کے خطرے درپیش تھے۔ گاڑیوں کا پٹڑی سے اتر جانا یا طویل وقفوں کیلئے بلاوجہ اسٹیشنوں پر انتظار کرنا۔ گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں میدانوں میں ٹرین کو ناحق روک دینے کا ہر وقت اندیشہ لگا رہتا تھا۔ ٹرینوں کے چلنے کے خاص اوقات نہ تھے۔ ٹرینیں ریلوے ملازمین کی مرضی پر چلائی اور روک دی جاتی تھیں۔ اکثر موقعوں پر ٹرینیں بدمعاشوں اور غنڈوں کے کہنے پر روک دی جاتی یا انہیں ایسی جگہ پر کھڑا کر دیا جاتا جہاں یہ جھتے مسلمانوں کو بآسانی قتل کر سکتے۔ تمام ٹرینوں میں پاکستانی حفاظتی دستے متعین نہ کئے جا سکتے تھے۔ پنجاب پولیس کی ایک

رپورٹ کے مطابق اگست اور اکتوبر کے درمیان ۵۳ ٹرینوں پر حملے کئے گئے جن کی حفاظت کیلئے مسلمان سپاہی ساتھ نہیں تھے۔ صرف ایک ٹرین ایسی تھی جسے کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں اٹھانا پڑا اور یہ واقعہ سرہند کے قریب بستی پٹھاناں میں ہوا۔ جہاں کے پٹھانوں نے بالآخر اپنی مضبوط حویلیوں کو قلعوں میں تبدیل کر لیا تھا۔ تین ہزار سکھوں کا حملہ جب ان حویلیوں پر ناکام رہا تو انہوں نے ۲۰ر ستمبر کو مہاجروں کی ٹرین پر حملہ کیا لیکن ایک انگریز میجر نے جو اس ٹرین سے سفر کر رہا تھا اپنی ہمت اور مستعدی سے سکھوں کے حملہ کو پسپا کر دیا۔

مہاجرین کی ٹرینوں کے دھوکے میں بعض فوجی سپیشل ٹرینوں پر بھی حملے کئے گئے۔ راستے میں یہ فوجی سپاہی زیادہ سے زیادہ مہاجرین کو اپنی گاڑیوں میں بٹھا لیتے تھے حتیٰ کہ لوگ چھتوں پر بیٹھ کر اور پائیدانوں پر کھڑے ہو کر بھی سفر کرتے تھے۔ لہٰذا دشمن کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ فوجیوں کی سپیشل ٹرینیں ہیں یا مہاجرین کو لے جانے والی۔ چنانچہ ۵ر ستمبر کو ایک ایسی ہی سپیشل ٹرین جس میں نمبر ۲ ہیوی اینٹی ایئر کرافٹ رجمنٹ کے جوان سفر کر رہے تھے' بیاس کے قریب روک دی گئی اور اس پر حملہ کیا گیا۔ یہ جوان گاڑی سے اتر آئے اور حملہ آوروں کو سخت جانی نقصان پہنچا کر ان کا تعاقب کیا اور انہیں ان کے دیہاتوں تک بھگا آئے۔ ایک اور ٹرین رانچی سے سروس کور کے افسروں' جوانوں اور ان کے اہل و عیال کو لے کر آ رہی تھی اور اس میں یوپی سے گزرتے ہوئے تقریباً" سات ہزار مہاجرین بھی سوار ہو گئے تھے۔ ریاست پٹیالہ میں شنبھو کے قریب اس گاڑی پر بھی حملہ ہوا لیکن یہاں بھی حملہ آوروں کو منہ توڑ جواب ملا اور انہیں جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک اور سپیشل ٹرین جو میرٹھ سے نمبر ۲ پنجاب رجمنٹ کے مسلمان جوانوں کو لے کر آ رہی تھی ۲۴ر ستمبر کی رات کو گھیر لی گئی۔ حملہ آوروں

کو مار بھگایا گیا۔ اگرچہ رجمنٹ کو بھی تھوڑا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ پاکستانی سپاہی خواہ مہاجرین کی گاڑیوں کی حفاظت پر مامور ہوتے یا خود آ رہے ہوتے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے سے نہیں گھبراتے تھے۔ انہیں صرف اس سے چڑ تھی کہ اس قسم کی جھڑپوں کے بعد انہیں تحقیقاتی عدالتوں کے سامنے پیش ہونا پڑتا تھا۔ اس سے گاڑیوں کے آنے میں بہت دیر لگ جاتی تھی اور مہاجرین کیلئے اسی قدر پریشانی اور خطرہ بڑھ جاتا تھا۔

فوج کا سب سے مشکل کام پیدل قافلوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنا تھا۔ جن لوگوں نے کسی پیدل قافلے کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ بیس ہزار' چالیس ہزار' ساٹھ ہزار اور بعض اوقات ایک ایک لاکھ مرد' عورتیں اور بچے اپنے گھر کی بچی کھچی چیزیں اٹھائے ہوئے اور ان میں اکثر اپنے مویشی اور گاڑیاں لئے ہوئے ان قافلوں میں شامل ہوتے تھے۔ بیشتر قافلے دس میل سے تیس میل تک پھیلے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک تقریباً پندرہ پندرہ میل کی منزلیں طے کرتے۔ اکثر یہ ہوتا کہ قافلے کا اگلا سرا منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے لیکن پچھلا سرا ابھی اپنے آخری پڑاؤ پر موجود ہوتا۔ اگلی منزل پر پہنچ کر انہیں کھانے پینے کی چیزیں دی جاتیں۔ یہ کارروائی آدھی رات تک جاری رہتی جس کے بعد قافلے کو آرام کرنے کیلئے چند گھنٹے دیئے جاتے اور وہ صبح سویرے چار بجے پھر روانہ ہو جاتے۔ اتنے بڑے بڑے قافلوں کی حفاظت اور نگرانی کا بار اٹھانے سے فوجیوں کی صحت پر برا اثر پڑا۔

یہ چھوٹے فوجی دستے تقریباً" ۸۰ سے ۱۰۰ جوانوں پر مشتمل ہوتے اور ان کی کمان کسی نوجوان افسر کے ہاتھ میں ہوتی۔ وہ مہاجرین کے ساتھ رہتے۔ کھانا پکا کر مہاجرین میں تقسیم کرتے' معذوروں کو سہارا دیتے۔ عورتوں اور ضعیفوں کی دیکھ بھال کرتے۔ یتیموں اور بیواؤں اور بازیافتہ لڑکیوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرتے۔ انہیں چوبیس

گھنٹے چوکنا اور چوکس رہنا پڑتا۔ وہ ہر وقت گشت کرتے رہتے تاکہ قافلے کی چاروں طرف سے حفاظت کر سکیں۔ خطرے کے الارم پر جو کبھی صحیح ہوتا کبھی غلط' قافلے کو قابو میں رکھنا بے حد مشکل کام تھا لیکن سامانِ رسد پر کنٹرول رکھنا ان کے بس سے باہر تھا۔

پروبنز ہارس رسالے کا ایک سکواڈرن بیاس اور اٹاری کے درمیان گشت کر رہا تھا کہ اسے ایک پڑاؤ پر تقریباً" دو ہزار بیمار مہاجرین سونپ دیئے گئے۔ تحقیق کرنے پر ان کی بیماری کا سبب یہ معلوم ہوا کہ ہندوستانی سول حکام نے جو آٹا مہیا کیا تھا اس میں پسے ہوئے شیشے کے ذرّے ملے ہوئے تھے۔ اس واقعہ کے بعد کھانے پینے کا سارا سامان پاکستان سے بھیجا جانے لگا۔

ان سب یونٹوں اور دستوں نے جو اس کام پر لگائے گئے تھے بڑی خندہ پیشانی سے اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ ان کا کام کس قسم کا تھا اس کا اندازہ ان چند مثالوں سے ہو سکتا ہے۔ پروبنز ہارس رسالے نے جو بیاس' اٹاری اور موگا فیروز پور اور گنڈا سنگھ والا کے راستوں پر متعین تھا چوبیس لاکھ مہاجرین کو بحفاظت پاکستان پہنچایا اور ان میں سے ایک مہاجر کو بھی گزند نہیں پہنچی۔ ۳/۱۶ پنجاب رجمنٹ کی ایک کمپنی گورداسپور سے ایک لاکھ مہاجرین کو بخیریت پاکستان لائی اس پر کمپنی کمانڈر میجر ایم۔ ڈی شاہ' صوبیدار فضل خان اور سپاہی جھلا خان کو کمانڈر انچیف نے شاباش دی اور سندیں عطا کیں۔ ۵/۱۳ فرنٹیئر فورس رائفلز نے جس کی کمان میجر خورشید علی کر رہے تھے ساٹھ ہزار مہاجرین کو امرتسر سے نکال کر اپر باری دوآب نہر کے راستے پاکستانی علاقے میں بدھانہ پہنچایا جس پر کمانڈر انچیف نے اس یونٹ کو مبارکباد دی ۳/۱۲ فرنٹیئر فورس رجمنٹ نے بھی جالندھر میں ایسا ہی کارنامہ انجام دیا۔

ان ہنگامہ خیز مہینوں میں فوجیوں نے جو مشکل کام کئے وہ صرف رسالے اور انفنٹری کے جوانوں ہی تک محدود نہیں تھے۔ بلکہ فوج کے ہر صیغے اور ہر سروس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں تک کہ انجینئروں کو بھی مدد کیلئے بلایا گیا۔ مثلاً نمبر ۳۰۳ فیلڈ کمپنی امرتسر میں ایک ہوائی اڈے کی دیکھ بھال پر مقرر تھی۔ اسے وہاں سے فوراً ہٹا کر مہاجر قافلوں کی حفاظت کا کام سونپا گیا اسی طرح آرمی سروس کور کی ایک جنرل ٹرانسپورٹ کمپنی کو امرتسر سے ان آخری چند ہزار مسلمانوں کو جنہوں نے بڑی دلیری اور ثابت قدمی سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا تھا نکال کر لانے کا اعزاز ملا۔ ان مسلمانوں نے بھگتانوالہ گیٹ پر حملہ آوروں کے نرغے میں آکر آخری مورچہ نصب کیا تھا' قافلوں کو حفاظت سے پاکستان پہنچانے کی ڈیوٹی سونپی گئی۔ ان جوانوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جنہیں یہ آرزو تھی کہ ان کے عزیزو اقارب کو بھی اس طرح حفاظت سے پاکستان پہنچانے کی کوئی کوشش کر رہا ہوگا۔

جن مہاجر قافلوں کو محافظ فوجی دستے دیئے جاتے تھے انہیں شاذ و نادر ہی جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ پاکستانی فوجی جوانوں کے کارناموں کو لاکھوں مہاجر آج تک سراہتے ہیں۔ فوج نے مشرقی پنجاب اور سکھ ریاستوں سے پچاس لاکھ انسانوں کو جس حسن و خوبی سے نکال کر پاکستان پہنچایا اس کی یاد پاکستانیوں کے دلوں پر ہمیشہ نقش رہے گی۔

مغربی پاکستان میں مہاجرین کا تانتا بندھ گیا۔ وہ قتل و غارت گری' لوٹ مار' آتش زدگی' آبروریزی اور اغوا کی دلدوز کہانیاں اپنے ساتھ لے کر آئے۔ اسی عرصہ میں یہ اطلاع ملی کہ ۹ر اگست کی رات کو ریاست پٹیالہ میں بھٹنڈا کے نزدیک پاکستانی حکومت کے ملازمین کو لانے والی اسپیشل ٹرین پٹڑی سے اتار دی گئی۔ چند روز بعد لاہور

کے سٹیشن پر ایک ٹرین آکر رکی جس میں مسلمانوں کی لاشیں بھری ہوئی تھیں۔ حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ پاکستان سے ہندوؤں اور سکھوں کے جانے کی رفتار میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ہندوستان میں ان کے ہم مذہب جو آفتیں مسلمانوں پر ڈھا رہے تھے ان کی بنا پر انہیں خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ان سے انتقام نہ لیا جائے۔ ان کے یکا یک چلے جانے سے پاکستان کے تجارتی اور انتظامی معاملات میں بدنظمی پھیل گئی۔ ہندوستان جانے والے سکھ ڈینگیں مارتے تھے کہ گندم کی اگلی فصل ہم ہی آکر کاٹیں گے اور ہندو طنزاً کہتے تھے کہ ان کے چلے جانے کے بعد حکومت پاکستان کے محکموں' پاکستانی منڈیوں اور پاکستان کے بنکوں کو کون چلائے گا؟ ہندوؤں اور سکھوں کے چلے جانے سے مغربی پنجاب کے بعض اضلاع میں شہری نظم و نسق چلانے والے افسر بھی نہ رہے۔ ان حالات میں امن و امان قائم رکھنا مزید دشوار ہو گیا۔ پاکستانی فوج اگرچہ بہت بڑی نہ تھی اور اس وقت غیر منظم بھی تھی پھر بھی وہ سول ایڈمنسٹریشن کی پریشانیاں دور کرنے کیلئے تیار ہو گئی اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران فوج بحیثیت مجموعی منضبط اور غیر جانبدار رہی۔

کسی جگہ فساد ہوتا اور فوج قریب ہوتی تو سپاہی فوراً موقع پر پہنچ کر حالات پر قابو پا لیتے۔ جہاں ہنگامے دبائے نہیں جا سکے اس کا عموماً مطلب یہی ہوتا کہ اس وقت وہاں آس پاس فوج موجود نہیں تھی۔ پاکستانی فوج کا بڑا حصہ ابھی تک ہندوستان میں تھا یا شمال مغربی سرحد کی پاسبانی کر رہا تھا۔ ان حالات کو سمجھتے ہوئے پاکستان کے کمانڈر انچیف نے شروع ستمبر میں جوائنٹ ڈیفنس کونسل سے درخواست کی کہ ہندوستانی فوج کے کچھ دستے پاکستان میں رکھنے کی اجازت دی جائے وہ ان دستوں کو ان کیمپوں کی حفاظت کیلئے لگانا چاہتے تھے جو ہندو اور سکھ تارکینِ وطن کیلئے قائم کئے گئے تھے تاکہ

پاکستانی فوج کے زیادہ سے زیادہ دستے امن وامان قائم رکھنے کیلئے استعمال کئے جا سکیں۔
اس کے کچھ ہی دن بعد جوائنٹ ڈیفنس کونسل سے کہا گیا کہ شمالی مغربی سرحدی صوبے سے ہندوستانی فوجوں کا انخلاء فی الحال ملتوی کر دیا جائے اس لئے کہ قبائلی سوچ رہے تھے کہ وہ ان غیر مسلم سپاہیوں کے قافلوں پر حملہ کر کے ان مظالم کا انتقام لیں گے جو پنجاب میں مسلمانوں پر توڑے جا رہے تھے۔ لیکن جوائنٹ ڈیفنس کونسل نے یہ درخواست نہ مانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرحدی علاقے میں ہندوستانی فوجوں کی حفاظت کیلئے پاکستانی فوجیں متعین کرنی پڑیں۔ حالانکہ یہ وقت ایسا تھا کہ ان پاکستانی فوجیوں کی پنجاب کے میدانوں میں زیادہ ضرورت تھی۔

اس زمانے میں کئی اخباروں نے فوج کے اس کام کو سراہتے ہوئے یہ کہا تھا۔ "شمال مغربی سرحدی صوبے سے سکھوں اور ہندوؤں کو کسی بڑے حادثے کے بغیر نکال کر لانے میں فوج نے جو کردار ادا کیا وہ ایک قابلِ تعریف کارنامہ ہے خصوصاً" جبکہ قبائلی اس قدر غیض وغضب میں تھے۔"

مغربی پنجاب سے غیر مسلموں کو نکال کر لانے 'ان کی حفاظت کرنے اور سلامتی سے ہندوستان کی سرحد پر پہنچانے کے سلسلے میں بھی پاکستانی فوج کا کام کچھ کم شاندار نہ تھا۔ فوجیں فتنہ وفساد کے ہر مقام پر تعینات کی گئی تھیں اور ان کی موجودگی امن وامان اور لوگوں کے اعتماد کی ضامن تھی۔

آزادی کے پہلے ہفتے ہی میں پاکستان آنے والے مہاجرین کی تعداد اس حد تک جا پہنچی ان کا انتظام کرنا سول حکام کے بس سے باہر ہو گیا۔ چنانچہ ۲۰ر اگست ۱۹۴۷ء کو مغربی پنجاب میں مہاجر کیمپوں کا انتظام فوج کے سپرد کر دیا گیا۔ ستمبر کے وسط تک کراچی میں اوسطاً چار سو مہاجر روزانہ پہنچ رہے تھے۔ لیکن جس بڑی تعداد میں مہاجرین

سرحد عبور کر کے مغربی پنجاب میں آ رہے تھے اس کے مقابلے میں یہ اوسط کچھ بھی نہ تھی۔ اتنے انسانوں کیلئے جن کی تعداد ہر روز بڑھتی جا رہی تھی انتظامات کرنا بہت مشکل مسئلہ تھا۔ چنانچہ انہیں ان کے نام درج کرنے اور ان کیلئے عارضی رہائش کا انتظام کرنے کے فرائض فوج کے سپرد کر دیئے گئے۔ افسر اور جوان جو کچھ بھی مہاجرین کیلئے پس انداز کر سکتے تھے انہوں کیا اور جو کچھ مہیا ہو سکا مہاجرین کو خوشی دے دیا۔ خوراک کی عام رسد کے علاوہ یونٹوں نے رضاکارانہ طور پر اپنے راشن کا ایک حصہ مہاجرین کو پیش کیا تاکہ مہاجرین کی قلیل خوراک میں اضافہ ہو سکے۔ میڈیکل کور جس میں تربیت یافتہ ڈاکٹر اور نرسیں شامل تھیں مہاجرین کو ہر ممکن طبی امداد پہنچائی اور مہاجر کیمپوں کی پوری طبی ذمہ داری سنبھال لی۔

ستمبر کے وسط میں قائداعظم نے قوم سے اپیل کی کہ ریلیف فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں۔ یہ فنڈ مہاجرین کی بہبود اور انہیں آباد کرنے کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ تمام افسروں اور جوانوں نے نہایت فراخ دلی سے روپیہ 'کھانے پینے کی چیزیں اور پارچہ جات دے کر اپیل کا خیر مقدم کیا۔ بہت سے جوانوں نے اپنی حیثیت سے اتنا زیادہ چندہ دینا چاہا کہ بعض اوقات یونٹ کمانڈروں کو چندہ لینے سے انکار کرنا پڑا۔ فروری ۱۹۴۸ء تک مختلف ڈویژنوں نے مندرجہ ذیل رقمیں دیں:

	آنے	روپے
ڈویژن نمبر ۷	۸	۲و۷۴و۵۵۶
ڈویژن نمبر ۸	۳	۹۷و۷۲۳
نمبر ۹ فرنٹیر ڈویژن	۳	۱۷۹و۴۷۹
ڈویژن نمبر ۱۰	۵	۲ر۶۱و۰۱۳

اس کے بعد بھی کئی مہینے تک چندے لگاتار آتے رہے۔ رقموں کے علاوہ فوجیوں نے کپڑے بھی دیئے۔ خصوصاً دسویں ڈویژن نے جو بقیہ پاکستانی فوج کی نسبت مہاجرین سے زیادہ قریب تھی۔ اس ڈویژن کے افسروں اور سپاہیوں نے اپنے سارے سویلین کپڑے دے دیئے۔ ان حالات میں کڑی نظر رکھنی پڑی کہ کہیں فوجی اپنی وردیاں بھی مہاجرین کو نہ دے دیں۔

یہ تھے وہ عظیم فرائض جو فوج کو ملک کی تاریخ کے اس نازک دور میں سونپے گئے تھے۔ ایمانداری سے دیکھا جائے تو ان میں سے بیشتر فرائض دنیا کے کسی بھی ملک کی فوج کیلئے پریشان کن ثابت ہو سکتے تھے۔ لیکن پاکستانی فوج خدا کے فضل و کرم سے جوانوں کی قلیل تعداد اور ساز و سامان کی کمی کے باوجود اس مہم میں سرخرو رہی۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی فوج میں ان سب چیزوں کی کمی تھی جو کسی فوج کو فوج کہلانے کیلئے درکار ہوتی ہیں ماسوا ہمت و حوصلے۔ اسی ہمت اور حوصلے نے فوج کو تمام مشکلوں پر فتح عطا کی اور تاریخ کے اس دور میں فوج کامیاب و کامران ہوئی۔ فوجیوں کو پاکستان کے درخشاں مستقبل پر پورا بھروسہ تھا۔ اسی اعتماد سے ان کی یک جہتی اور ڈسپلن برقرار رہا۔ اپنی پہلی کڑی آزمائش میں پورا اتر کر وہ قوم کا اعتماد حاصل کر چکے تھے۔ اس اعتماد میں قوم کی محبت اور ستائش شامل تھی اور قوم کا یہ اعتماد اب تک قائم ہے اور اس میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی۔

تنازعہ کشمیر کا پس منظر

''جنت نظیر کشمیر'' ''مشرق کا سوئٹزرلینڈ'' بد نصیب خطہ ہے۔ جون ۱۹۴۷ء سے اس کے مظلوم اور پامال عوام نے ایک صدی پرانے جبر و استبداد سے اپنے آپ کو آزاد کرانے کیلئے علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن مقامی ڈوگرہ حکمرانوں اور بھارتی چالبازوں کی وجہ سے انہیں دیگر اکثریتی مسلم علاقوں کی طرح آزادی نہ مل سکی۔ تاہم یہ بتانے کیلئے کہ پاکستانی فوج کن حالات میں وہاں بھیجی گئی یہ ضروری ہے کہ ان وجوہات کو مختصراً بیان کیا جائے۔

ریاست جموں و کشمیر جسے عام پر صرف کشمیر ہی کہا جاتا ہے اور جہاں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے اس برصغیر کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ جنگی اعتبار سے یہ علاقہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی سرحدیں افغانستان، چین اور تبت سے ملتی تھیں۔ سابق سوویت یونین کی سرحد بھی کچھ دور نہیں تھی صرف درمیان میں افغانستان کا چھوٹا سا علاقہ واخان پڑتا تھا۔

کشمیر کی موجودہ ریاست کو بنے ہوئے تھوڑا عرصہ گزرا ہے۔ انگریزوں نے پنجاب کی سکھ حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد ۱۸۴۶ء میں راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ کو صرف ۷۵ لاکھ روپے کے عوض کشمیر کا علاقہ بیچ دیا۔ راجہ گلاب سنگھ جو اقتدار کا بھوکا

تھا در اصل پنجاب کے سکھ حکمرانوں کا باجگزار تھا۔ لیکن اس نے اپنے آقاؤں سے غداری کی اور ان کے دشمنوں کی مدد کی۔ چنانچہ اس بات پر انگریزوں نے خوش ہو کر اسے کشمیر انعام کے طور پر دے دیا۔ جموّں کے علاقہ پر بھی' جو اسے سکھوّں کی طرف سے ملا ہوا تھا انگریزوں نے اس کے تسلط کو تسلیم کر لیا۔ اور اس طرح ڈوگروں کی حکومت شروع ہوئی اور ساتھ ہی کشمیری مسلمانوں پر ظلم و ستم کا وہ دور شروع ہوا جو سو برس تک برقرار رہا۔ انیسویں صدی میں جبکہ دنیا کے بیشتر ملکوں میں بیداری اور ترقی کی گہما گہمی تھی کشمیر میں غلامی کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ یہاں کی بیشتر آبادی غربت وافلاس اور خوف و دہشت کا شکار تھی ڈوگرہ راج میں ریاست کا نظم و نسق اپنی فرسودہ روش اور وحشیانہ روّیہ کیلئے بدنام تھا۔ مذہبی تعصّب تھا۔ جابرانہ ٹیکس تھے۔ جبری بیگار اور ظالمانہ قوانین رائج تھے جن میں سے بیشتر صرف مسلمانوں پر عائد تھے۔ پولیس مالک و مختار تھی اور بے رحمی سے حکومت کرتی تھی۔ ڈوگرہ حکمرانوں نے اپنے دورِ حکومت میں ریاست کے قدرتی وسائل کو ترقی دینے اور اس کے باشندوں کی دستکارانہ صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

ایسے حالات میں مظلوموں کا ردّ عمل ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں جب مہاراجہ ہری سنگھ گدی پر بیٹھا تو مسلمانوں کا سیاسی شعور بیدار ہو چکا تھا۔ سیاسی تحریکوں اور رعایا کی بیداری کا' جن میں مسلمان ہی پیش پیش تھے مہاراجہ پر بالکل الٹا اثر ہوا۔ بجائے اس کے کہ وہ اصلاحات نافذ کرتا اور حالات کو سدھارتا اس نے ان تحریکوں کو کچلنا چاہا اور مسلمانوں کو جو برائے نام حقوق و مراعات حاصل تھے وہ بھی چھین لئے گئے۔ مسلمانوں کو ان کے گنے چنے عہدوں سے محروم کر دیا گیا۔ ان تحریکوں پر بغاوت کا لیبل لگا کر مسلمانوں کو ان کی قلیل جاگیروں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ مسلمانوں

کے گنے چنے خوشحال گھرانوں کی اراضی چھین کر ان کی اقتصادی حالت تباہ کر دی گئی۔ ریاست کی فوج میں مسلمانوں کی جگہ باہر سے کانگڑہ کے ڈوگرے' گورکھے اور سکھ بھرتی کئے جانے لگے۔ حتیٰ کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک فوج میں مسلمانوں کا تناسب صرف ۱۵ فیصدی رہ گیا اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ریاست کے مسلمان سابق انڈین آرمی میں لگاتار بھرتی کئے جا رہے تھے اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران اس فوج میں کشمیری مسلمانوں کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی لیکن پھر بھی ۷۔۱۹۴۶ء میں جو ملیشیا کے پندرہ غیر مسلم یونٹ کھڑے کئے گئے ان میں زیادہ تر غیر مسلم بھرتی کئے گئے تھے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کے جائز مطالبوں کی شدت سے مخالفت کی جاتی تھی اور پاکستان کے نام پر تو ان کا مذہبی جنون انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ جب انہیں پتہ چلا کہ پاکستان بننے کے امکانات ہیں تو انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اس کی مخالفت کی ۱۹۴۷ء کے موسم بہار میں ہندوؤں اور سکھوّں نے پنجاب کے چپّے چپّے پر فسادات کرائے اور اس طرح پنجاب کے صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اب کشمیر کی باری تھی جس کی ۸۰ فیصدی آبادی مسلمان تھی اور جس کی سرحد پر بھی مسلمان اکثریت آباد تھی۔ جب پاکستان کے تصور نے جنم لیا تو اس وقت پاکستان کا 'ک' کشمیر سے لیا گیا تھا۔ للہذا اگر کشمیر کو بھارت ہتھیالے تو لفظ پاکستان نامکمل رہ جائے گا۔ اس طرح پاکستان کا وجود تو بالکل ختم نہیں ہوگا لیکن پاکستان اور بھارت کی تقسیم کو ختم کر دینے کی طرف ایک اہم اقدام ضرور ہوگا۔ ہندوؤں نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ تقسیم ملک کے فوراً" ہی بعد کشمیر پر قبضہ کر لینا آسان ہوگا کیونکہ اس وقت پاکستان بدنظمی اور تقسیم ملک کی پیدا کردہ الجھنوں میں

بری طرح پھنسا ہوا ہوگا اور ہندوستان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکے گا۔ چنانچہ ریاست کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کیلئے اسی وقت سے سیاسی جوڑ توڑ شروع ہو گئے۔

یہ انکشاف ہوتے ہی کہ ہندوستان کی تقسیم یقینی ہے۔ ہندو حلقوں نے ریاست کو آئندہ وجود میں آنے والی انڈین یونین میں شامل کرانے کیلئے مہاراجہ اور اس کے مشیروں پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ انڈین نیشنل کانگرس نے جسے زبردست سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ مہاراجہ کی پالیسی پر گہرا اثر ڈالا۔ کانگریس کے صدر اور بہت سے غیر مسلم بااثر لیڈر مثلاً "کپورتھلہ' فرید کوٹ اور پٹیالہ کے مہاراجے جون اور اگست ۱۹۴۷ء کے دوران کشمیر گئے۔ اگست کے شروع میں مسٹر گاندھی بھی چار دن کے دورے پر کشمیر آئے اور مہاراجہ سے طویل ملاقاتیں کیں۔ اور کانگرس نے پاکستان کو شدید نقصان پہنچانے کیلئے مہاراجہ کو آلہ کار بنانے کی پوری کوشش کی۔ کانگرسیوں کیلئے کشمیر کو ہندوستان سے زبردستی ملحق کرا لینا کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا۔ ریاست میں ۸۰ فیصد مسلمان بستے تھے۔ اس کا علاقہ پاکستان سے ملتا تھا اور معاشی طور پر بھی کشمیر پاکستان کا دستِ نگر تھا۔ اس کے باوجود ریاست کے حکمران کے ذریعہ ہی ریاست کو ہندوستان میں شامل کیا جا سکتا تھا اور اکثریت جو بڑے شدومد سے کھلم کھلا پاکستان سے الحاق کی خواہشمند تھی۔ اسے بآسانی نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کیا اکثریت ایسی زیادتی بغیر کسی شدید' احتجاج کے برداشت کر لے گی اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی؟

لہٰذا کشمیری مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے کیلئے ویسا ہی شرانگیز منصوبہ بنایا گیا۔ جیسا کہ مشرقی پنجاب میں سکھوں نے بنایا تھا۔ پٹیالہ' کپورتھلہ اور فرید کوٹ کے مہاراجے ڈوگرہ حکمران کو اپنے ساتھ اس لئے شامل کرنا چاہتے تھے کہ پنجاب میں سکھ

ریاست قائم کرنے کیلئے اسے مہرے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ لیکن مہاراجہ ان من چلے سکھوں کی باتوں میں نہ آیا وہ ڈوگرہ تھا اور ہندو سامراجیوں کو ان سکھوں سے بہتر سمجھتا تھا۔ مزید برآں وہ خود بھی یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ ہندوستان میں اس کے زیر قیادت راجپوت قوم ایک بار پھر اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کرلے۔ اس منصوبے کے تحت مسلمانوں کے قتلِ عام کی تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں تاکہ کشمیر میں ان کی تعداد گھٹ جائے اور دوسرے یہ کہ کشمیری مہاجرین سے پاکستان کی مشکلات میں اضافہ ہو سکے۔ ریاست میں ان ہنگاموں کا الزام بڑی آسانی سے پاکستان کے سر تھوپا جا سکے گا اور اس طرح ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ ریاست کو ہندوستان سے مدد مانگنے اور موقعہ پا کر ہندوستان سے الحاق کرنے میں آسانی ہو گی۔

اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے کی فوری تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ریاستی محکموں میں جو گنے چنے مسلمان تھے انہیں نکال دیا گیا۔ ایک نیا وزیراعظم جو ہندوستان سے ملا ہوا تھا مقرر کیا گیا۔ فوج کے انگریز چیف آف سٹاف اور پولیس کے انگریز انسپکٹر جنرل دونوں کو سبکدوش کر دیا گیا۔ ریاست کی فوج میں غیر مسلم یونٹ شامل کر کے فوج کی طاقت میں اضافہ کیا گیا۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے راشٹریہ سیوک سنگھ اور سکھوں کے جتھے بلائے گئے کہ وہ ریاست کی مسلم دشمن جماعتوں کو مستحکم کر سکیں۔ مہاراجہ نے ہندو اور سکھوں کو مسلح کرنے کیلئے ہتھیار تقسیم کئے اور چند مسلمان جن کے پاس ہتھیار تھے انہیں حکم دیا گیا کہ اسلحہ پولیس کے حوالے کر دیں۔

لیکن ان کارروائیوں سے تحریکِ آزادی پر زیادہ اثر نہ پڑا۔ ابھی تک یہ جدوجہد کشمیر کی وادی تک محدود تھی۔ جون ۱۹۴۷ء میں پونچھ کے باشندوں نے کھلم کھلا ٹیکس ادا نہ کرنے کی مہم شروع کر دی۔ مہاراجہ کے شدید مظالم کے باوجود

مسلمانوں کا یہ جذبۂ آزادی نہ دب سکا۔ بلکہ اس جذبے نے باقاعدہ بغاوت کی شکل اختیار کرلی۔ پونچھ کے بیشتر باشندے متحدہ ہندوستان کی فوج کے سابق سپاہی تھے اور دوسری جنگِ عظیم میں بڑے بڑے معرکوں میں شریک ہو چکے تھے ریاست کی فوجوں اور مہاراجہ کے کرائے پر منگوائے ہوئے مسلح جتھوں نے انہیں مٹانے کی جو کوششیں کیں۔ ان سے وہ بالکل ہراساں نہیں ہوئے۔ اور دشمنوں کے سامنے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اگست ۱۹۴۷ء کے اختتام تک وہ ایک سابق سپاہی اور ایک نوجوان وکیل کی قیادت میں باقاعدہ منظم ہو چکے تھے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھے۔ ان کے اس مجاہدانہ انداز نے پونچھ میں آزادی کی چنگاری روشن کر دی جو جلد ہی پورے کشمیر میں پھیل گئی اور یہی کشمیر کی آزادی کی تحریک کا نکتہ آغاز تھا۔

جنوبی کشمیر کے رہنے والوں کا سیالکوٹ، جہلم اور راولپنڈی (جو پاکستان کا حصہ بن چکے تھے) کے باشندوں سے ہمیشہ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ دریائے جہلم میں جو اس علاقے کے بعض مقامات پر کشمیر اور پاکستان کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے۔ آج تک ان لوگوں کی نقل و حرکت کیلئے کبھی کوئی رکاوٹ نہیں بنا تھا۔ جیسے ہی مہاراجہ کی فوجوں اور مسلح جتھوں نے مسلمانوں پر مظالم توڑنے شروع کیے تو وہاں کے باشندوں نے اپنے بیوی بچے دریا پار پاکستان میں پہنچا دیئے اور خود لڑنے کیلئے واپس آگئے۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک وہ شہر کے سوا پونچھ کے سارے علاقے اور میرپور کے ضلع سے دشمن کو بھگا چکے تھے۔ اور اب ان کا اثر آس پاس کے علاقوں میں بھی پھیلنا شروع ہو گیا۔

مہاراجہ کشمیر نے اس کا انتقام بڑی بے رحمی سے لیا۔ معصوم باشندوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ ان کے گاؤں جلا دیئے گئے۔ اس کے بھاگتے ہوئے سپاہی اور پیچھے ہٹتے ہوئے سیوک سنگھ کے جتھے جہاں سے گزرتے قتل اور غارت گری کے

نشانات چھوڑتے جاتے۔ مہاراجہ کا اقتدار آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ ہندوستانی پروپیگنڈے بازوں نے ان مظالم کو انتقامی کارروائی کا نام دیا اور سارا الزام پاکستان پر لگا دیا کہ یہ پاکستان کی منظم سازش تھی حالانکہ ان دنوں پاکستان خود اپنی بقا کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ نہ اس کے پاس وسائل تھے اور نہ وقت تھا کہ مظلوم کشمیریوں کی مدد کر سکے۔ ایسے حالات میں یہ الزام کہ پاکستان کشمیر کی اقتصادی ناکہ بندی کر کے اسے نقصان پہنچانا چاہتا تھا سراسر بے بنیاد تھا۔ درحقیقت اس وقت خود پاکستان کی اقتصادی حالت بے حد زبوں تھی اور معاشی پریشانیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔

ان بے بنیاد الزاموں کے پردے میں دراصل ریاست کو ہندوستان میں شامل کرنے کے منصوبے بن رہے تھے۔ اس وقت تک کشمیر تک آمدورفت کے راستے پاکستانی علاقے سے گزرتے تھے اور ریاست کی اقتصادی خوشحالی پاکستان سے وابستہ تھی۔ اگرچہ کشمیر اور پاکستان کے درمیان موجودہ صورتِ حال برقرار رکھنے کا معاہدہ ہو چکا تھا لیکن اگست میں ہندوستان کی مدد سے مادھوپور میں دریائے راوی پر کشتیوں کا پل تیار کر لیا گیا جموں کو جانے والی سڑک بھی مرمت کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ٹیلی گراف لائن بچھا دی گئی۔ جموں سے کشمیر کے جنوبی اضلاع اور وادئ کشمیر تک سڑک تعمیر کرنے کا کام بھی فوراً شروع ہو گیا۔ ہندوستانیوں اور کشمیر کے حکام کے درمیان گہرا رابطہ قائم کیا گیا۔ اکتوبر کے وسط میں جب ریاست کے اربابِ اقتدار نے یہ محسوس کیا کہ عوام کی طرف سے بغاوت کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے تو انہوں نے سوچا کہ اس بہانے اپنے خفیہ گٹھ جوڑ کا انکشاف کر دیں۔ چنانچہ وہ کھلم کھلا ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کا ذکر کرنے لگے۔ ادھر پاکستانی عوام اپنی حکومت پر زور دے رہے تھے کہ کشمیر کے معاملے میں زیادہ دلچسپی لی جائے۔ کشمیری مہاجرین جو مہاراجہ کے مظالم سے

پہنچ کر پاکستان آگئے تھے۔ امداد کا مطالبہ کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ افواجِ پاکستان کے کمانڈر انچیف نے بھی جن کے ماتحت پندرہ ہزار پونچھی سپاہی تھے اپنے وزیر دفاع کو مطلع کیا کہ ریاست کے متعلقہ علاقوں سے تشویشناک خبریں آرہی ہیں کہ مسلمانوں کے دیہاتوں پر حملے کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کے گھروں کو آگ لگائی جا رہی ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ ریاست سے احتجاج کیا جائے' ورنہ ان ہنگاموں کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستانی سپاہی فوج چھوڑ کر اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچ جائیں گے اور پونچھ میں اور بھی زیادہ انتشار پھیل جائے گا۔ حکومتِ پاکستان کے احتجاج کا جواب ریاست کی طرف سے ہمیشہ الٹا احتجاج ہی کی صورت میں دیا گیا بلکہ ریاستی حکومت نے پاکستان کے خلاف ایک دوست ملک کو اپنی مدد کیلئے بلانے کی دھمکی تک دے دی۔

اس بڑھتے ہوئے انتشار کے دوران کشمیر کے انقلابی لیڈروں نے شمال مغربی سرحد کے قبائلی سرداروں سے رابطہ قائم کر لیا تھا یہ چنداں مشکل نہ تھا۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کیلئے غیر نہ تھے بلکہ کشمیر کے سدھن تو خود پٹھان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے قبائل نے خلوص اور نیک نیتی سے امداد کرنے کا وعدہ کیا کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اپنے مشرقی پنجاب کے مسلمان بھائیوں پر ظلم واستبداد کی داستانیں سن کر بے حد آزردہ تھے۔

پنجاب' کشمیر اور ہندوستان کے حالات نے قبائلیوں پر جو گہرا اثر کیا تھا اس بارے میں حکومتِ مغربی پنجاب نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جو خفیہ پولیس کی رپورٹوں پر مشتمل تھا۔ اس سے قبائلیوں کے اندیشے اور تاثرات بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے سیاسی لیڈر اور مذہبی رہنما اس بات پر متفق تھے کہ پنجاب اور کشمیر میں اپنے بھائیوں کی مدد کیلئے اٹھ کھڑا ہونا ان کا فرض ہے' ہر حجرے میں اور ہر جرگے میں جہاد کے چرچے

ہونے لگے۔ مختلف قبیلوں کا یہ اتحاد' ان کے جذبات کی یہ شدت اور کشمیری بھائیوں کی امداد کیلئے ان سب کا اس طرح کمربستہ ہو جانا بڑی معنی خیز بات ہے ورنہ سرحد کی تاریخ میں ایسے واقعات بہت کم ملتے ہیں کہ اتنے بہت سے قبیلے جن میں افغانستان کے بعض قبائل بھی شامل تھے کسی ایک بات پر اس طرح متحد ہوئے ہوں۔

پٹھانوں کا جوشِ جہاد جاگ اٹھا تھا اور وہ اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اور جو سرحدی صوبے سے بخوبی واقف ہیں جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر نتائج کیا نکلتے ہیں۔ سرحد کی ریاستوں اور حکمرانوں اور سرحد مغربی پنجاب کے وزرائے اعلیٰ نے مہاراجہ کشمیر کی توجہ اس طرف دلوائی لیکن وہ خاموش رہا۔

ادھر سرحد کے گورنر سر جارج کنگ اور دیگر بااثر لوگوں نے قبائلیوں پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ اس حد تک اور اتنے عرصے تک اپنی کوششوں میں کیونکر کامیاب رہے۔ کیونکہ سوائے اپنی حکمت عملی کے ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس وقت پاکستانی فوج کے بکھرے ہوئے اور غیر منظم یونٹ یا تو پنجاب میں تقسیم ملک سے پیدا شدہ حالات سے برسرِ پیکار تھے یا وزیرستان میں متعین تھے۔ قبائلیوں کو روکتا تو کون روکتا۔ تاہم انہوں نے فسادات پنجاب کے دوران اور اس کے بعد قبائلیوں کو قابو میں رکھا۔ ان کی ان کوششوں کو اتنا نہیں سراہا گیا جتنا کہ چاہئے تھا۔ لیکن پٹھان تہیہ کر چکے تھے اور عمل کا وقت آچکا تھا اب انہیں روکنا بہت مشکل تھا۔ پاکستان کی حکومت کے روّیے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ کشمیر کی طرف چل نکلے اور ۳۰ر اکتوبر کو نو سو محسود خوشحال گڑھ سے دریائے سندھ عبور کر آئے۔ لیفٹیننٹ جنرل راس مکائے نے جو اس وقت پشاور ملٹری ڈسٹرکٹ کے کمانڈر تھے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن ناکام رہے۔ کشمیر کی جانب قبائلیوں کا کوچ شروع ہو چکا تھا۔

بھارتی فوج کا کشمیر پر دھاوا

کشمیری مسلمانوں کیلئے قبائلیوں کی آمد اچھی ثابت نہیں ہوئی۔ اب کشمیری منظم ہو کر لڑ رہے تھے اور دشمن پر حاوی تھے۔ ریاست کی فوج منتشر اور پسپا ہو رہی تھی۔ ریاستی فوج کے مسلمان افسر اور سپاہی اپنے بھائیوں کی مصیبتوں اور زبوں حالی پر تلملا رہے تھے اور بغاوت کیلئے تیار تھے۔ چند مقامات پر تو باقاعدہ بغاوت ہو چکی تھی۔ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جب تین سو قبائلیوں کا جتھا کشمیر میں داخل ہوا تو ضلع پونچھ کا تقریباً" سارا علاقہ آزاد کشمیر کے مسلمان سپاہی فتح کر چکے تھے اور باغ اور راولاکوٹ کے قصبوں کا محاصرہ ہو چکا تھا۔ نوشہرہ اور میرپور کے ضلعوں میں اسلحہ اور گولہ بارود کی بھاری مقدار ان کے ہاتھ لگی۔ کوٹلی شہر کو گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ جموں شہر میں ڈوگروں کے خلاف بغاوت ۲۵/ اکتوبر کو بھڑک اٹھی۔ ۲۹/ اکتوبر کو بھمبر پر مقامی لوگوں نے قبائلیوں کی امداد کے بغیر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح گلگت میں ریاست کی فوج اور سکاؤٹس کے مسلمان سپاہیوں نے نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کشمیر کی وادی کے سوا جہاں بغاوت کی آگ آہستہ آہستہ سلگ تو رہی تھی لیکن تنظیم کرنے والے لیڈروں کی کمی تھی۔ ریاست کا بقیہ سارا علاقہ مہاراجہ کے خلاف نبرد آزما تھا۔ ریاست کا وزیر اعظم' پاکستان کو کسی "دوست ملک کی امداد" حاصل کرنے کی بار بار دھمکی دے رہا

تھا۔ اب یہ امداد طلب کرنے کا وقت آ پہنچا تھا اور اس طرح کشمیر میں قبائلیوں کی آمد بہانہ بن گئی۔

نئی دہلی میں قبائلیوں کے کشمیر میں داخل ہونے کی باقاعدہ اطلاع ۲۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان سے پہنچی۔ کہا جاتا ہے صوبہ سرحد کے انگریز گورنر نے حکومتِ ہند کے بعض افسروں کو قبائلیوں کے حملے کے بارے میں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ دہلی میں ۲۵/ اکتوبر کو ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ جس میں ہندوستان کے کمانڈر انچیف سر راب لاک ہارٹ نے پاکستان کے آرمی ہیڈکوارٹرز کی طرف سے آئے ہوئے تار کا مضمون سنایا کہ کشمیر میں قبائلی جتھے داخل ہو چکے ہیں۔ کمیٹی نے مشورہ دیا کہ حکومت کشمیر کا اسلحہ اور گولہ بارود جس کا اس نے کچھ دن پہلے مطالبہ کیا تھا۔ فوراً" روانہ کر دیا جائے۔ لیکن حکومت ہندوستان اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ مہاراجہ کی امداد کیلئے فوجیں بھیجی جائیں چنانچہ افواجِ ہند کے اعلیٰ کمانڈروں کو حکم دیا گیا کہ ہوائی اور بری راستوں سے افواج کو کشمیر بھیجنے کی تیاریاں کی جائیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک دفعہ پھر ہندوستان کی مدد کی اور اصرار کیا کہ مہاراجہ کو کسی قسم کی امداد بھیجنے سے پہلے ریاست کا بھارت سے باقاعدہ الحاق کر لیا جائے۔ سرکاری طور پر یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ اس وقت تک مہاراجہ نے امداد طلب کی تھی یا نہیں۔ اسی روز ریاستی امور کی وزارت کے ایک افسر۔ وی۔ پی مینن کو سری نگر بھیجا گیا کہ وہ مہاراجہ پر زور ڈال کر کسی نہ کسی طرح الحاق نامے پر دستخط کرا لائیں۔ کچھ سٹاف افسر بھی کشمیر بھیجے گئے کہ ریاست کی فوج کے افسروں سے مل کر ہندوستانی فوجوں کے وہاں پہنچنے کے ضروری انتظامات کریں۔ ادھر ہندوستانی فوجوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ روانگی کیلئے تیار رہیں۔ ۲۵/ اور ۲۶/ اکتوبر کی درمیانی شب کو مہاراجہ اپنے بیشتر

وزیروں سمیت سری نگر سے بھاگ کر جموں پہنچا۔ ۲۶ر اکتوبر کو جب ہندوستانی نمائندہ اس سے ملا تو مہاراجہ زندگی سے بیزار خودکشی کرنے کو تیار تھا۔ اس سے الحاق نامے پر دستخط کرا لئے گئے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ خط جو مہاراجے کی طرف سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے نام تھا در حقیقت نئی دہلی میں انڈین سٹیٹس منسٹری کی عمارات میں اس کا مسودہ تیار کیا گیا تھا۔ ۲۷ر اکتوبر کی صبح کو پیشتر اس کے کہ ریاست کو ہندوستان کی طرف سے الحاق کی منظوری کا جواب پہنچتا ہندوستانی فوجیں سری نگر پہنچ چکی تھیں۔

ہندوستانی حکومت نے پاکستان کو ان حالات سے آگاہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ پاکستان کو اس وقت اطلاع ملی جب ہندوستانی فوجیں کشمیر میں پہنچ چکی تھیں۔ قائداعظم کو اس کی اطلاع ۲۷ر اکتوبر کو ملی جب وہ لاہور میں تھے۔ اس خبر کے پہنچنے میں اتنی دیر کیوں ہوئی۔ اس کا سبب معلوم نہیں ہو سکا۔ سری نگر میں ہندوستانی فوجوں کے آنے کی اطلاع ایک رات پہلے پاکستان آرمی ہیڈکوارٹرز کو مل چکی تھی۔ یہ خبر لاہور ایریا کے ہیڈکوارٹرز کے ذریعے پہنچی تھی۔ جہاں ہندوستانی پیراشوٹ بریگیڈ (کشمیر میں پہنچنے والی پہلی بریگیڈ) کو دیئے ہوئے آپریشن آرڈرز خفیہ طور پر وائرلیس پر سن لئے گئے تھے اور ان کا مطلب اخذ کر کے راولپنڈی اطلاع دے دی گئی تھی۔

اطلاع ملتے ہی قائداعظم نے فوراً" جنرل سر ڈگلس گریسی کو جو اس وقت پاکستانی فوج کے قائم مقام کمانڈر انچیف تھے 'وادی کشمیر میں فوجیں بھیجنے کا حکم دے دیا۔ جنرل گریسی نے ٹال مٹول سے کام لیا اور نئی دہلی میں فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک کو ان واقعات سے آگاہ کر دیا۔ اگلے روز آکنلک لاہور آ پہنچے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان دونوں فوجی افسروں نے قائداعظم کے سامنے کیا وجوہات پیش کیں کہ جن کی بنا پر

قائداعظم نے کشمیر میں فوجیں بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ شاید اس معاملے کے پرامن حل کا یقین دلایا گیا ہو اور غالباً" یہ اشارہ بھی کیا گیا ہو کہ جنگ کی صورت میں برطانوی افسر' جو اس وقت فوج کے تمام اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے ہٹا لئے جائیں گے۔ اس بات پر بھی بے جا زور ڈالا گیا ہو گا کہ پاکستانی فوج اس وقت غیر منظم ہے۔ تعداد میں کم ہے اور جملہ سازوسامان کی کمی بھی ہے۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ اس وقت فوج باقاعدہ طور پر منظم نہیں تھی اور وہ جگہ جگہ سول حکام کی امداد میں مصروف تھی۔ جنگی سامان کی اشد قلت تھی اس کے پاس لڑنے کیلئے صرف تیرہ دن کا گولہ بارود تھا اور پٹرول کی مقدار اتنی تھوڑی تھی کہ چار چھ روز بھی نہیں نکال سکتی تھی۔ مگر سپاہیوں میں جوش تھا اور انہیں اپنے اوپر اعتماد تھا۔ لیکن جنگ میں حالات ہمیشہ موافق نہیں ہوا کرتے۔ اپنی کمزوریوں پر اس قدر فکرمند ہونے کی بجائے اگر لیڈر حریف کی خامیوں کا جائزہ لیتے تو بہتر ہوتا۔

جنرل گریسی کو یقیناً یہ حق پہنچتا تھا کہ حکومت کو اپنی صحیح رائے سے آگاہ کرتے لیکن یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ قائداعظم پر زور ڈالنے کیلئے انہوں نے آکنلک کو دہلی سے کیوں بلایا خصوصاً" جبکہ آکنلک کا پاکستانی فوج کے نظم و نسق اور کنٹرول سے کوئی تعلق نہ تھا۔

یہاں لاہور اور نئی دہلی کے حالات کا موازنہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ ادھر پاکستان کو بار بار روکا جا رہا تھا اور ادھر نئی دہلی میں جنگی گہما گہمی عروج پر تھی۔ ہندوستان کا انگریز کمانڈر انچیف شروع میں کشمیر میں فوجیں بھیجنے کے حق میں نہیں تھا لیکن جب ہندوستانی حکومت نے جنگ کا فیصلہ کر لیا تو یہی انگریز افسر پوری سرگرمی سے ان جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ کمانڈر انچیف جنرل سر راب لاک ہارٹ اور کشمیر

آپریشن کے سربراہ میجر جنرل سرڈڈ کے رسل دونوں مدتوں سرحدی علاقے میں رہے
تھے اور پٹھانوں سے خوب واقف تھے۔ جنرل رسل نے بڑی ہمت سے کام لیا اور سری
نگر میں فوجیں اتارنے کیلئے ایئر فورس اور سویلین ہوائی جہازوں کا انتظام کر کے
ہندوستانیوں کی رہی سہی ہچکچاہٹ دور کر دی۔ ہندوستانیوں کو کشمیر میں جو کامیابی ہوئی
اس کا سہرا ان دو انگریز افسروں کے سر ہے۔

آزاد کشمیر کے لڑنے والوں کی مدد کیلئے جنرل گریسی اگر اس وقت دو بٹالین
بھیجنے پر رضامند ہو جاتے تو یہ مجاہد سری نگر پہنچ جاتے اور کامیابی سے اس کا دفاع کر
سکتے۔ اس وقت ہندوستان سے کشمیر کو کوئی بری راستہ نہیں جاتا تھا۔ سری نگر کے ہوائی
اڈے کے علاوہ کشمیر میں ہوائی جہازوں کے اترنے کی اور کوئی جگہ نہیں تھی یہ خیال بھی
غلط ہے کہ اگر اس وقت پاکستانی فوج کشمیر میں پہنچ جاتی تو بھارت مغربی پنجاب پر حملہ کر
دیتا۔ بھارت اتنا بڑا خطرہ مول لینے پر کبھی تیار نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے مسائل میں بری
طرح الجھا ہوا تھا۔ جو بعض صورتوں میں پاکستان کے مسائل سے بھی زیادہ پیچیدہ تھے۔
اس کیلئے ریاستوں کا مسئلہ درد سر بنا ہوا تھا۔ بعض ریاستوں کے حکمران آزادی اور
خود مختاری کیلئے کوشاں تھے۔ اگر ہندوستان پاکستان سے جنگ میں الجھ جاتا تو ہندوستانی
سیاست میں ایسا ہیجان برپا ہوتا کہ افراتفری مچ جاتی۔ ان حالات میں ایسی جنگ سے
ہندوستان کو نقصان زیادہ ہوتا اور نفع کم۔ جنرل گریسی کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا
اور چھ مہینے بعد انہوں نے خود ہی حکومت کو مشورہ دیا کہ کشمیر میں پاکستانی فوج کا بھیجنا
ضروری ہے۔

اب قائداعظم نے تجویز پیش کی کہ ۲۹ راکتوبر کو لاہور میں ایک کانفرنس
منعقد کی جائے۔ جس میں دونوں ملکوں کے گورنر جنرل اور وزرائے اعظم شریک

ہوں۔ اس کانفرنس کا دعوت نامہ بھیجا گیا۔ جو منظور کر لیا گیا۔ لیکن ہندوستانی
وزیراعظم اچانک علالت کے باعث مقررہ کانفرنس میں بیماری کے بہانے شریک نہ
ہو سکے۔ ان کی جگہ نائب وزیراعظم شرکت کرنے لاہور آئے اور قائداعظم سے بات
چیت ہوئی۔ قائداعظم نے اس مسئلے کے فوری حل کیلئے ایک تجویز پیش کی۔
لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس بہانے کہ وہ محض آئینی گورنر جنرل ہیں اور کوئی اختیار نہیں
رکھتے' ان کی تجویز ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی طرف سے ایک نئی تجویز پیش کی جسے
قائداعظم نے قبول نہیں کیا۔ اس طرح وقت گزرتا جا رہا تھا اور ہندوستانی فوج کشمیر
میں قدم جماتی چلی گئی۔ کشمیر میں پاکستانی فوجوں کے حملے کا ڈر بھی جاتا رہا تھا۔ گفت و
شنید سے یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کو پاکستان کی کمزوری سمجھا گیا۔ ہندوستانی لیڈر
کچھ دن تو بڑی ہوشیاری سے پرامن حل کا جھانسہ دیتے رہے پھر انہوں نے کھلم کھلا
اپنے ارادوں کا اظہار شروع کر دیا۔

قبائلی ایبٹ آباد' مظفر آباد سرینگر سڑک کے راستے کشمیر میں داخل ہو گئے
اور کشمیری حریت پسندوں کے دوش بدوش لڑنا شروع کر دیا۔ دونوں نے مل کر ریاست
کی فوج کو بڑی آسانی سے تتر بتر کر دیا اور اس کا بہت سا اسلحہ جس میں دو انچ اور تین انچ
مارٹر بھی تھے چھین لیا۔ قبائلیوں کا یہ غیر منظم گروہ بڑی تیزی سے سری نگر کی طرف
بڑھا اور چند ہی دن میں ۱۲۰ میل کا فاصلہ طے کر کے سری نگر کے دروازے پر پہنچ گیا۔

قبائلیوں کے پہنچنے کے چند دن بعد ریاست کے سابق فوجی افسروں کو جو اب
حریت پسندوں کا ساتھ دے رہے تھے ان سپاہیوں کی ترتیب و تنظیم کا خیال آیا جو ریاستی
فوج چھوڑ کر بھاگ آئے تھے اور دراصل قبائلیوں کے ہمراہ تھے۔ اس میں دو دن لگ
گئے۔ قبائلی قیادت اور تنظیم سے محروم تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصل مقصد ان کی

نظروں سے اوجھل ہونے لگا۔ یہ فیصلہ کن وقت تھا۔ وہ سری نگر کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن ان کے ناتجربہ کار لیڈر کو عین اس وقت یہ سوجھی کہ بارامولا میں قبائلی اور کشمیری لیڈروں کی کانفرنس طلب کی جائے۔ اس طرح دو دن اور ضائع ہو گئے۔ اس اثناء میں ہندوستانی فوج کا پہلا دستہ سری نگر میں اتر چکا تھا اور اپنی دفاعی کارروائیوں میں مصروف تھا تاہم قبائلوں کا ایک لشکر سری نگر کے ہوائی اڈے پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ کردیا گیا۔ جب وہ اپنی منزل مقصود سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھا تو یہ خبر پاکر کہ پاس ہی ایک گاؤں میں پانچ ہزار سکھ جمع ہیں' اس گاؤں پر حملہ کردیا' فقط ایک افسر بارہ آزاد سپاہی اور چند قبائلی باہم مل کر ہوائی اڈے پر پہنچے اور دیکھا کہ اڈے کی حفاظت کا انتظام ہندوستانی فوج سنبھال چکی تھی۔

نومبر میں پٹھانوں کے پہلے ہلے کا زور ختم ہو چکا تھا۔ اب ان کی ٹولیاں واپس آرہی تھیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ ایبٹ آباد پہنچ گئے اور قبائلیوں کے نئے لشکروں کا انتظار کئے بغیر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ وہ اس علاقے میں ایک خلا چھوڑ گئے تھے جسے آزاد کشمیریوں کی مٹھی بھر تعداد پُر نہ کر سکتی تھی اور نہ ہندوستانی فوج کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ ہی کر سکتی تھی۔ ہندوستانی سپاہ ریاست کے چھینے ہوئے علاقے پر دوبارہ قبضہ کرنے کیلئے حرکت میں آگئی۔

گوریلا لڑائی لڑنے اور مار کر روپوش ہو جانے میں پٹھان اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ لیکن باقاعدہ فوج کی طرح جم کر گھمسان کی لڑائی لڑنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ اگر وہ کشمیر میں جمے رہتے تب بھی منظم اور تجربہ کار ہندوستانی فوج اور اس کے بہتر اسلحہ کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ ویسے جتنے دن وہ کشمیر میں رہے انہوں نے ہندوستانی یونٹوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ $\frac{1}{11}$ سکھ رجمنٹ کے' جو سب سے پہلے کشمیر میں اتری تھی' ۳۰۰ سپاہی

جب بارامولا پر حملہ کرنے کیلئے بڑھے تو پٹھانوں نے انہیں شکست فاش دی۔ اس رجمنٹ کا کمانڈنگ افسر اور ریاست کا چیف آف سٹاف اس معرکے میں ہلاک ہوئے اور باقی ماندہ سپاہی افراتفری کی حالت میں سری نگر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ۲۹ر اکتوبر کو پٹھانوں نے فرسٹ پٹیالہ انفنٹری پر' جو بارامولا کے شمال میں مورچہ جمائے بیٹھی تھی' حملہ کیا اور اتنا نقصان پہنچایا کہ یونٹ کو تقریباً" ختم ہی کردیا۔ ۳ر نومبر کو ایک چھوٹی سی ٹولی نے' جس میں زیادہ تر آزاد سپاہی تھے۔ سری نگر کے ہوائی اڈے سے واپس آتے ہوئے بڈگام کے مقام پر فرسٹ کماؤں رجمنٹ کی ایک کمپنی پر حملہ کیا اور اس کے کمانڈر اور ۳۸ سپاہیوں کو ختم کردیا۔ اس کے دو دن بعد نمبر ۱۶۱ انڈین بریگیڈ سے' جس کی امداد کیلئے ہوائی جہاز اور ٹینک بھی موجود تھے۔ گھمسان کا معرکہ ہوا۔ اس موقعہ پر بھی اگر یکجہتی سے پوری کوشش کی جاتی تو سری نگر پر آزاد فوج کا قبضہ ہو سکتا تھا۔ لیکن قبائلی قیادت سے محروم تھے اور موزوں قیادت کے بغیر ان کیلئے دیر تک لڑنا ناممکن تھا۔

قبائلی آندھی کی طرح کشمیر میں داخل ہوئے اور بگولے کی طرح واپس چلے گئے اور ان کی دیکھا دیکھی بیشتر رضاکار بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب ہندوستانی فوج اور پاکستانی سرحد کے درمیان معدودے چند رضاکار۔ دو افسر' تین یا چار سابق فوجی اور کوئی چھ غیر فوجی رہ گئے۔ یہ شیر دل جوان جن کے ساتھ فرنٹیئر فورس کے چار اور جوان آکر شامل ہو گئے تھے۔ راستے کے تمام چھوٹے بڑے پلوں کو توڑتے گئے اور جب بھی انہیں موقعہ ملا ہندوستانی ہراول دستوں کیلئے گھات لگا کر انہیں نقصان پہنچایا۔ پھر اس چھوٹی سی پارٹی نے ایک پل اڑا کر اڑی سے مغربی سمت میں اڑھائی میل دور اسلام آباد میں مورچہ بنالیا اور ہندوستانی ضرورت سے زیادہ محتاط تھے اور یہ احتیاط

ان مجاہدوں کے حق میں مفید ثابت ہوئی۔ یہ بھی مجاہدوں کی خوش قسمتی تھی کہ ہندوستانیوں کو ان کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوئی۔ اسی لئے ہندوستانی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔

پونچھ میں حریت پسندوں کی کامیابیاں زیادہ نمایاں اور پائیدار تھیں۔ نومبر کے آخر تک انہوں نے محض اپنی کوششوں سے' چند قصبوں کے سوا پونچھ کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کی مدد کیلئے قبائلی دیر سے پہنچے۔

قبائلیوں کے پہلے لشکر کے واپس چلے جانے کے بعد آزاد لیڈروں نے امداد کا مطالبہ زیادہ شدومد سے شروع کر دیا۔ دسمبر کے آخر تک آزاد فوج محاذ پر خاموشی کا پورا پورا فائدہ اٹھا چکی تھی۔ اپنا آرمی ہیڈکوارٹر قائم کرنے کے بعد سارے محاذ پر سیکٹر ہیڈکوارٹر بنائے جا چکے تھے اور سپاہیوں کو کمپنیوں اور بٹالینوں میں منظم کیا جا چکا تھا۔

اس اثناء میں جنوبی کشمیر میں مسلمانوں کا قتلِ عام اور بھی تیزی پکڑ چکا تھا۔ نومبر کے وسط تک تقریباً" اسی ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور سات لاکھ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ ان میں سے ایک لاکھ پچاس ہزار پاکستان آگئے اور باقی پانچ لاکھ پچاس ہزار نے آزاد کشمیر کے علاقہ میں پناہ لی۔ دیکھتے دیکھتے چناب کے مشرق میں ایک بھی مسلمان باقی نہ بچا۔

اس دوران میں ہندوستانی فوج کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی رہی۔ دسمبر تک پانچ بریگیڈ گروپ کشمیر میں داخل ہو چکے تھے جو ہندوستانی فوج کی سولہ بٹالینوں' ریاستی فوج کی آٹھ بٹالینوں اور ایک لائٹ آرمرڈ رجمنٹ پر مشتمل تھے۔ لیکن اس طاقت کے باوجود یہ فوج آزاد کشمیر کے غیر منظم اور غیر مربوط محاذ پر کوئی کامیاب حاصل نہ کر سکی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آزاد فوجوں کیلئے دو اور نئی پریشانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک تو ہندوستانی مقبوضہ کشمیر علاقوں سے آنے والے مہاجرین کی زبانی قتل و غارت' لوٹ مار اور آتش

زدگی کی لرزہ خیز داستانیں سننے میں آ رہی تھیں اور قدرتی طور پر آزاد فوجیوں کو اکسا رہی تھیں کہ وہ جا کر اپنے بال بچوں کی خیریت معلوم کریں۔ دوسرے یہ کہ ابھی تک ایڈمنسٹریشن ناقص تھی۔ یعنی راشن' علاج معالجے اور نقل و حرکت کا کوئی معقول بندوبست نہ تھا۔ آزاد فوجیوں کیلئے فروری ۱۹۴۸ء کا مہینہ بڑا نازک زمانہ تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے ہندوستانی ان حالات سے قطعی بے خبر رہے اور کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

سب کو یقین ہو چکا تھا کہ ہندوستانی موسم بہار میں بڑے پیمانے پر حملہ کریں گے اس لئے نوشہرہ کے شمال مشرقی علاقوں سے آزاد کشمیر میں آنے والے مہاجرین کا تانتا بندھ گیا۔ ان حالات میں پاکستانی سرحدوں پر لڑائی کی جھڑپوں کی پیش بندی کرنے اور مہاجرین کا حوصلہ بڑھانے کیلئے کہ وہ اپنے علاقے میں ٹھہرے رہیں پاکستان نے سرحد کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر اپنی ساتویں انفنٹری ڈویژن متعین کر دی۔

یکم مارچ ۱۹۴۸ء تک ہندوستانی فوج کی تعداد بڑھ کر آٹھ انفنٹری بریگیڈ تک پہنچ چکی تھی اس کے علاوہ توپ خانہ آرمر اور دیگر اسلحہ بھی جمع کیا جا چکا تھا۔ جموں اور سری نگر میں لڑاکا بمبار جہازوں کے دو سکواڈرن موجود تھے لیکن اس سارے لاؤ لشکر کے باوجود ہندوستانیوں نے کوئی نمایاں کارنامہ نہیں دکھایا۔ ۱۸ر مارچ کو دو انفنٹری بریگیڈوں نے ہوائی جہازوں اور توپ خانے کی مدد سے نوشہرہ سے پیش قدمی کی اور چودہ روز گھمسان کی لڑائی اور شدید نقصان کے بعد جھنگڑ پر قبضہ کر لیا۔ راجوری پر اپریل میں قبضہ ہوا اور مقامی لوگوں کو ایسی ایذائیں پہنچائی گئیں کہ انہوں نے بھاگ کر آزاد کشمیر میں پناہ لی۔ ہندوستانیوں نے ۱۶ر اپریل کو بھمبر پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش کی لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔

باوجود یہ کہ اقوام متحدہ کی وساطت سے دونوں ملکوں میں صلح کی بات چیت چل رہی تھی ہندوستان نے اپنے جارحانہ رویّہ میں کوئی کمی نہ کی۔ بلکہ یہ بات واضح ہو

چکی تھی کہ بھارتی فوج گرمیوں میں وسیع پیمانے پر حملہ کرے گی۔ ایک طرف جنگی تیاریاں پورے زوروں پر تھیں دوسری طرف ہندوستانی اخبار اپنے لیڈروں کی طعن آمیز تقریریں جلی الفاظ میں شائع کر رہے تھے۔ ہندوستانی افسر بھی بیرونی ملکوں میں یہ ڈینگیں ہانکنے لگے تھے کہ ہندوستان جولائی تک کشمیر پر قبضہ کرلے گا اور پھر ۱۹۴۸ء کے موسم سرما میں مشرقی پاکستان پر چڑھائی کردی جائے گی۔

آزاد کشمیر کے حریت پسندوں دوسرے رضاکاروں اور قبائلی لشکروں نے اب تک بے مثال کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ چوہدری غلام عباس کشمیریوں کے ہر دلعزیز لیڈر تھے۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے فرمایا کہ "کشمیر کی لڑائی کا اعلیٰ پہلو یہ ہے کہ ہندوستانی فوجوں کے حوصلے قطعی طور پر پست کردیئے گئے ہیں مجھے یقین ہے کہ محب وطن کشمیریوں کی بے سروسامان فوج کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اب ہندوستانیوں کو کسی اور محاذ پر حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوگی۔"

ان حالات میں کشمیریوں کو ایک طاقتور اور منظم دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے اکیلے چھوڑ دینا مصلحت کے خلاف تھا۔ اقوام متحدہ کے عالمی ادارہ نے دسمبر سے لے کر، جبکہ ہندوستان نے اس کے سامنے اپنی شکایات پیش کی تھیں اس وقت تک کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔ اگر ہندوستانیوں کو سارے کشمیر پر قابض ہو جانے دیا جاتا تو کشمیریوں کے دلوں میں کیا امید باقی رہ جاتی کہ یہ ادارہ ان کا ملک انہیں واپس دلائے گا۔ اب تک دس لاکھ کشمیری بے گھر ہو چکے تھے اور ان گنت کشمیری اپنا وطن چھوڑنے اور سرحد عبور کر کے مہاجرین کے انبوہ میں شامل ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے اور پاکستان اب تک خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔۔۔۔ کیا پاکستان مزید بے عملی کا ثبوت دیتا رہے گا اور اپنی تباہی دوسروں کی مرضی پر چھوڑ دے گا۔ یہ بڑا معنی خیز سوال تھا۔ جس کا جواب آنے والے حالات نے دینا تھا۔

پاک فوج کی کشمیر میں آمد

اپریل ۱۹۴۸ء تک ہندوستانی فوج کو کشمیر میں داخل ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے۔ تنازعہ کشمیر کے پرامن تصفیے کے سلسلے میں حکومتِ پاکستان کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اب اس کے سامنے باعزت راستہ صرف یہی تھا کہ طاقت کا جواب طاقت سے دے۔ ہندوستان کے ذمہ دار لیڈر وقتاً فوقتاً بیانات کے ذریعے یہ ظاہر کرتے رہتے تھے کہ وہ پاکستان سے سمجھوتہ کرنے کیلئے بے چین ہیں۔ لیکن ان بیانات کی آڑ میں ہندوستانی فوج کو کشمیر میں بڑی تیزی کے ساتھ کمک پہنچائی جا رہی تھی۔ اس وقت تک اس فوج کی طاقت بڑھ کر آٹھ بریگیڈ گروپ تک پہنچ گئی تھی جس میں سے ہر بریگیڈ میں زیادہ تر چار یا پانچ بٹالین تھیں اور انہیں توپ خانے، ٹینکوں اور انجینئروں کی امداد بھی حاصل تھی۔ ان کی پشت پر لڑاکا، بمبار طیاروں، ٹرانسپورٹ ہوائی جہازوں کی ایک بڑی تعداد بھی تھی۔ اس کے علاوہ ریاستی فوج کے تین بریگیڈ اور جموں کشمیر ملیشیا کے یونٹ بھی تھے۔ پاکستان آرمی ہیڈکوارٹرز کو اس کثیر فوجی طاقت کا پورا علم تھا۔ ان تیاریوں سے صاف ظاہر تھا کہ ہندوستان آخری حملہ کر کے کشمیر کو ہمیشہ کیلئے ہڑپ کر لینا چاہتا ہے۔ پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف، جنرل سر ڈگلس گریسی نے آخر اپریل میں حکومتِ پاکستان کو اس صورتِ حال کے متعلق اپنا جائزہ پیش کیا۔ جائزے کی اہم باتوں

کا خلاصہ یہ تھا :

(ا) اس میں اب کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی فوج شمال اور جنوب میں جارحانہ اقدام کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ غالباً" ان کے مقصودہ مقامات یہ ہوں گے :

جنوب (۱) بھمبر۔ میرپور

(۲) پونچھ

شمال مظفر آباد۔ کوہالہ

(ب) راجوڑی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ہندوستانیوں نے مندرجہ بالا علاقوں میں کہیں بھی پیش قدمی کی تو پاکستان کیلئے جس میں مہاجرین کی تعداد پہلے ہی زیادہ ہے نئے مہاجرین کی آمد سے ایک اور زبردست مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ یہ مہاجرین سول حکومت اور ملک کی اقتصادی اور مالی وسائل پر بہت بڑا بوجھ ثابت ہوں گے۔ صرف اس نقطۂ نظر سے ہی یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہندوستانی فوج کو مندرجہ بالا علاقوں پر قبضہ کرنے سے روکا جائے۔

(ج) اگر ہندوستان نے بھمبر اور میرپور پر قبضہ کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے دو بڑی رکاوٹیں یعنی دریائے راوی اور چناب 'اپنی راہ سے ہٹالیں۔ اور پاکستان کی سرحد تک پہنچ گیا۔ جس سے جہلم کے پل کو جو ہمارے لئے انتہائی اہم ہے شدید خطرہ پیدا ہو جائے گا اور ہندوستان کو سازش کرنے کے اور زیادہ موقعے ملیں گے۔ اس کے علاوہ منگلا ہیڈ ورکس پر بھی اس کا کنٹرول ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ جہلم اور ہمارے دوسرے اضلاع کی آب پاشی ہندوستان کے رحم و کرم پر ہو گی۔

(د) اگر ہندوستان نے پونچھ پر قبضہ کر لیا تو یقیناً پاکستانی فوج کے بے شمار پونچھی جوانوں کے مورال پر بہت برا اثر پڑے گا۔ جس کی وجہ سے بقیہ پاکستانی سپاہ بھی متاثر ہو جائے گی۔ فوج سے بھاگنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا اور اس کے ڈسپلن کو سخت دھچکا پہنچے گا۔

(ہ) مظفر آباد اور کوہالہ کا ہاتھ سے نکل جانا پاکستان کی سلامتی کیلئے دوررس نتائج کا حامل ہو گا۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو گا کہ ہندوستانی فوج پاکستان کی پشت پر بیٹھے گی اور وہ جب چاہے اس راستہ سے پاکستان میں داخل ہو جائے کیونکہ پھر اس کے راستہ میں کوئی بڑی رکاوٹ جیسے دریائے جہلم نہ ہو گی۔ اس کی وجہ سے تخریبی عناصر کو تقویت پہنچے گی۔ یہ بھی یقینی بات ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب کے کچھ ملحق اضلاع میں خوف وہراس پھیل جائے گا جس سے ایک بڑے پیمانے پر نقلِ مکانی ہو گی اور پاکستان کے اندر ہی آباد کاری کا ایک ناقابلِ حل مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔

(و) اگر ہندوستان نے مندرجہ بالا علاقوں میں سے کسی ایک میں بھی اور خاص طور پر مظفر آباد پر بآسانی فتح حاصل کر لی تو یقیناً قبائلی برافروختہ ہوں گے کہ حکومتِ پاکستان نے انہیں براہِ راست امداد نہ دی اور اس بات کا امکان ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف بغاوت کر دیں۔

کمانڈر انچیف نے اپنے جائزے کو مندرجہ ذیل سفارشات پر ختم کیا :

"اگر پاکستان یہ نہیں چاہتا کہ اسے ستائیس لاکھ پچاس ہزار مہاجرین کے ایک اور زبردست مسئلے سے دوچار ہونا پڑے 'اگر ہم ہندوستان کو اس بات سے روکنا چاہتے ہیں کہ وہ جب چاہے

پاکستان میں عقب سے یا بازو سے گھس آئے‘ اگر ہم اپنے شہریوں
اور فوجیوں کے مورال کو خطرناک حد تک پست ہونے سے روکنا
چاہتے ہیں اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں تخریبی سیاسی
عناصر کا حوصلہ بلند نہ ہو تو یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہندوستانی فوج
کو اڑی۔ پونچھ۔ نوشہرہ لائن سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔"

اگر پاکستان کے آئندہ اقدام کے متعلق کسی قسم کا شبہ تھا تو وہ اس جائزے
سے دور ہو گیا۔ نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ کشمیر پاکستان
کیلئے کتنا اہم ہے۔ یہ اہمیت بنیادی طور پر دفاعی ہے۔ کشمیر کی اہمیت اس میں نہیں کہ
پاکستان اسے اڈہ بنا کر کوئی جارحانہ اقدام کر سکے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشمیر مغربی
پاکستان کی پوری بائیں سرحد کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے اور اگر اس حصے پر کوئی دشمن
قابض ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مغربی پاکستان کے بڑے بڑے حصوں کو
ملانے والی ریلیں اور سڑکیں اس کے رحم و کرم پر ہوں گی اس کے علاوہ اسے پاکستان
میں داخل ہونے والے ان تینوں دریاؤں کے پانی پر بھی کنٹرول حاصل ہو گا جو کشمیر سے
گزرتے ہیں۔ اور خاص طور پر دریاؤں کے زیریں حصے‘ جو کشمیر کی حدود میں ہیں اگر اس
کے زیر نگیں آ گئے تو ان دریاؤں کو روک کر مغربی پاکستان کی شہ رگ آسانی سے کاٹی
جا سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ اگر کشمیر پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو فوجی اور اقتصادی اعتبار سے
پاکستان کا گلا گھٹ جائے گا۔ درحقیقت کشمیر کے بغیر مغربی پاکستان زیادہ عرصہ تک قائم
نہ رہ سکے گا۔

رفتہ رفتہ کشمیر میں صورت حال انتہائی خطرناک حد تک پہنچ گئی۔ چنانچہ
ہندوستان کے اس دعوے کے جواب میں کہ وہ طاقت کے بل پر جو چاہے کر سکتا ہے

حکومتِ پاکستان کشمیر میں فوج بھیجنے پر مجبور ہو گئی۔ اس فوج کی تعداد بہت قلیل تھی اور
اسے باقاعدہ منظم بھی نہیں کیا گیا تھا۔ یہ حکومتِ پاکستان کی پر خلوص کوشش تھی کہ
حتی الامکان دونوں فوجوں میں براہ راست جھڑپ نہ ہو۔

اس وقت پاکستانی فوج کسی جنگ کیلئے بالکل تیار نہیں تھی۔ اس کے متعدد
یونٹوں میں ردوبدل کی جا رہی تھی یا انہیں ترتیب دی جا رہی تھی۔ سپاہیوں کی تخفیف کا
سلسلہ بھی چل رہا تھا‘ غیر منقسم انڈین آرمی کے سازوسامان اور ہتھیاروں میں پاکستان کا
جو حصہ تھا‘ ہندوستان نے اسے اس سے محروم کر کے اور اقتصادی ناکہ بندی کر کے یہ
یقین کر لیا تھا کہ پاکستانی فوج کافی عرصے تک لڑنے کے قابل نہ ہو سکے گی۔ پاکستان کو
کمزور رکھنے کے سلسلے میں اب ہندوستان اپنی دوربین شاطرانہ سیاست کا فائدہ اٹھانے لگا
تھا۔

اگرچہ فوج کے سامنے بے شمار مشکلات تھیں تاہم اس نے انتہائی گرم جوشی
سے لبیک کہا۔ اس وقت ساتویں ڈویژن کو جس کے کمانڈر میجر جنرل لوفٹس ٹوٹنہم تھے
اور جو دوسری ڈویژنوں کے مقابلے میں نسبتاً" زیادہ قابلِ حصول‘ منظم اور ہر ہتھیار سے
لیس تھی حکم ملا کہ وہ کشمیر میں داخل ہو جائے۔

کشمیر میں ہندوستانی فوج میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ مئی کے پہلے ہفتے تک
جموں اور کشمیر میں ہندوستانی فوجی کمان کی از سرِ نو تنظیم ہو چکی تھی۔ وادئ کشمیر اور
جموں کی کمان بھی الگ الگ کر دی گئی تھی۔ جموں میں مواصلاتی لائن کی ایک نئی کمان
تشکیل دی گئی تھی اور تمام اقدامات کا کنٹرول ایک کور ہیڈ کوارٹرز کو سونپ دیا گیا تھا۔
مختصر یہ کہ ہندوستانی ایک فیصلہ کن حملے کیلئے تیار تھے جس کیلئے وہ مہینوں سے تیاریاں کر
رہے تھے۔

ہندوستان کی تربیت یافتہ فوج کے مقابلے میں آزاد فوج اپنی کمزوری سے واقف تھی پھر بھی اس کا حوصلہ بلند تھا۔ لیکن اسے غالباً "اس بات کا احساس نہ تھا کہ وہ اپنے سب سے مفید حربے کو جس کے باعث اس نے بہت سی کامیابیاں حاصل کی تھیں اور جس حربے نے ہندوستانیوں کو اب تک بے بس بنائے رکھا تھا ترک کر چکی تھی۔ یہ حربہ چھاپہ مار لڑائی کی چالوں میں پوشیدہ تھا جب تک آزاد فوج گوریلا قسم کی جنگ لڑتی رہی اسے کامیابی ہوئی۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر دشمن کے نازک مقامات پر حملے کرتی، وہ باقاعدہ لڑائی کا نقشہ جما کر نہیں لڑتی تھی اور اپنی جنگی خصوصیت اور میدان جنگ کی بناوٹ کو مدِنظر رکھ کر بار بار گھات لگاتی۔ دشمن کو ہراساں کرنے والی ان چالوں سے ہندوستانی فوج کی کوششوں میں ہمیشہ رکاوٹ پڑی اور وہ بڑے بڑے قصبوں ہی تک محدود ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ اس کی سرگرمیاں بہت حد تک کم ہو گئیں۔
بہر حال جب کشمیر میں جنگ نے طول کھینچا تو آزاد سپاہ نے پاکستانی یا ہندوستانی فوج کی تنظیم کے مطابق اپنے آپ کو باقاعدہ یونٹوں کے طرز پر منظم کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد سپاہ رفتہ رفتہ ساکن ہو گئی اور نئی تنظیم کے ساتھ ہی اس کی جنگی چالیں بھی بدل گئیں۔ چونکہ آزاد فوج کے پاس نہ تو کسی باقاعدہ فوج کے جدید ہتھیار تھے، نہ ہی وہ جدید جنگی چالوں سے واقف تھی اور نہ ہی اس کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ رضاکاروں کو تربیت دے سکتی۔ اس لئے اس میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ہندوستان جیسی تربیت یافتہ فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے جسے ہوائی برتری بھی حاصل تھی۔

ساتویں ڈویژن کو کشمیر میں داخل ہونے کا حکم اس وقت ملا جب ہندوستانی فوج اپنا بڑا حملہ شروع کر چکی تھی جس کا پہلے ہی سے پروپیگنڈا کیا جا چکا تھا۔ اور اس حملہ کے متعلق یہ تشہیر کی گئی تھی کہ اس کا مقصد کشمیر کو حملہ آوروں سے پاک کرنا ہے۔

۱۶/ اور ۱۷/ مئی ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب کو سری نگر کی ہندوستانی کمان کے ایک بریگیڈ نے جو چار بٹالینوں پر مشتمل تھا، ہندوارا سے ٹیٹوال کی طرف حملہ کر دیا۔ آزاد سپاہ کے چند سپاہیوں کے سوا اسے کسی اور مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ۲۰/ مئی کو اس سے بھی زیادہ تعداد میں اُڑی کی طرف سے بڑی سڑک پر حملہ کیا گیا۔ ظاہر تھا کہ ان دونوں حملوں کی منزلِ مقصود مظفر آباد تھی۔ حالات نہایت دگرگوں تھے۔ اور اس پیش قدمی کو روکنے کیلئے ساتویں ڈویژن کو بہت تیزی سے کارروائی کرنا تھی۔
کشمیر کی تحریکِ آزادی کے اس انتہائی خطرناک مرحلہ پر بھی پاکستانی سپاہ بہت تھوڑی تعداد میں کشمیر میں داخل ہوئی۔ دراصل اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ آزاد سپاہ کا حوصلہ اور ہمت بڑھا کر ہندوستانیوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ پاکستانی سپاہ کی مورچہ بندی کوٹلی، پونچھ، اُڑی لائن تک ہی محدود رکھی گئی اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو ہندوستانی فوج سے براہِ راست جھڑپ سے احتراز کرے۔ جہاں کہیں بھی مڈبھیڑ ہوئی تو محض اتفاقیہ اور حالات سے مجبور ہو کر پاکستانی سپاہ خاموشی اور احتیاط سے آگے بڑھی۔ ابتدا میں اسے نہ تو توپخانے اور ہوائی جہازوں کی امداد دی گئی اور نہ ہی اس کیلئے سپلائی اور کمک کے ضروری انتظامات کئے گئے کہ کہیں اس کے سیاسی اثرات برے نہ ہوں۔ چنانچہ پاکستانی سپاہ کی طاقت ہندوستانی فوج کے مقابلے میں بہت کم رہی اور اس لئے اس میں جارحانہ اقدام کی صلاحیت نہ تھی۔ حکومت کے ذمہ دار لیڈروں اور فوجی اعلیٰ کمان کے ذہنوں پر ہندوستان سے کھلم کھلا لڑائی چھڑ جانے کا خطرہ مستقل چھایا رہا۔ لہٰذا ہر کارروائی میں انتہائی احتیاط کے باوجود بھی فوج نے کشمیر کو بچا لیا۔
فوج نے اپنی جارحانہ طاقت کی کمی کو بلند حوصلے، جوش اور جارحانہ جذبے سے پورا کیا۔ اس زائد احتیاط کا دباؤ کبھی کم ہوتا تو اچھے مقامی کمانڈر سپاہ کے اس جذبہ کو پوری طرح

ابھارتے اور ہندوستانیوں کے حملے کو روکنے میں اکثر کامیاب رہتے۔

ابتدا میں جب پاکستانی سپاہ کشمیر میں داخل ہوئی اس وقت انہیں اعلیٰ کمان کی طرف سے کوئی باقاعدہ لکھے ہوئے احکام یا ہدایات نہیں ملتی تھیں جو یونٹوں کی رہنمائی کر سکتیں۔ غالباً" حالات ہی ایسے تھے کہ احکامات صادر کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان میں سے بیشتر یونٹیں اعلیٰ کمانڈروں کے ارادوں یا منصوبوں سے بے خبر تھیں۔ اور نہ ہی انہیں یہ علم تھا کہ انہیں کشمیر میں کس لئے بھیجا گیا ہے۔ اور یہاں کرنا کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے شمار خود ساختہ جنگی منصوبے ظہور میں آنے لگے۔ اس علاقے کے جنوبی حصوں میں خاص طور پر ایسا ہوا۔

جنگ کے ابتدائی مراحل میں جن جنگی چالوں پر عمل کیا گیا ان کا مقصد یہ تھا کہ دفاعی لائن میں جہاں بھی شگاف پڑ جائے اسے فورا" بند کر دیا جائے۔ حالات سے مجبور ہو کر ایسا کرنا پڑا اور اس پر عمل کر کے کسی مستقل کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی گو کہ اقوام متحدہ نے اس مسئلہ میں بہت تاخیر سے دلچسپی لینا شروع کی تاہم بھارتیوں کو اس بات سے روکنے کیلئے کہ وہ اپنی طاقت کے بل پر کشمیر کا فیصلہ نہ کر سکیں، یہ ضروری تھا کہ ایک واضح اور کار آمد منصوبہ بنایا جائے۔

بالآخر جو تزویرات تشکیل پائیں وہ زیادہ تر سیاسی نقطۂ نظر پر مبنی تھیں اور اس میں دو اہم باتیں پیش نظر تھیں۔ اوّل تو ہندوستان سے کھلم کھلا لڑائی کا اندیشہ اور دوسرے حکومت کا یہ تہیہ کہ کشمیر کی جنگ کیلئے کم سے کم پاکستانی سپاہ بھیجی جائے۔ کشمیر کی لڑائی میں یہ دونوں باتیں آخر تک اثر انداز رہیں۔

بھارتی فوج کی مواصلاتی لائنوں کے کمزور مقامات اور بازوؤں پر چھاپے مارنے کا منصوبہ بنایا گیا تاکہ بھارتی فوج منتشر ہو کر پھیل جانے پر مجبور ہو جائے۔

بھارتی سپاہ جتنی زیادہ بکھرے گی اتنا ہی اہم مقامات پر حملہ کرنے سے معذور ہو گی۔ انہی وجوہات کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ پونچھ شہر میں بھارتی افواج کی مشکلات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ جہاں آزاد سپاہ ہندوستان کے ایک بریگیڈ کو تقریبا" سات مہینے سے روکے ہوئے تھی۔ بھارتی فوج نے اپنے اس بریگیڈ کو گھیرے سے نکالنے کی دو مرتبہ کوشش کی جو ناکام بنادی گئیں۔ خیال یہ تھا کہ اگر آزاد سپاہ نے پونچھ کے شہر پر قبضہ کر لیا تو ہندوستان میں اس کے شدید سیاسی اثرات مرتب ہوں گے۔ اس لئے ہندوستانی اپنی کافی سپاہ سے اس بریگیڈ کو گھیرے سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس طرح وہ دوسرے اہم مقامات خصوصا" منگلا ہیڈورکس پر قبضہ کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ پونچھ کو ہندوستان کیلئے رِستہ ہوا ناسور بنا دیا جائے اور اس پر اس وقت قبضہ کیا جائے جب آزاد سپاہ اسے آسانی اور کم سے کم نقصان اٹھا کر فتح کر سکے۔

ساتویں ڈویژن کو حکومتِ پاکستان کی پالیسی کے مطابق کشمیر میں بھیجا گیا۔ اس سلسلہ میں ابتدائی مراحل کے سوا مندرجہ بالا تزویرات پر عمل کیا گیا۔ جنوب میں یہ خطرہ تھا کہ جنوب مشرق سے میرپور پر حملہ ہو گا چنانچہ نمبر ۲۵ بریگیڈ (زیر کمان بریگیڈیئر محمد اعظم خان جو بعد میں لیفٹیننٹ جنرل بنے) کی $\frac{۴}{۱۲}$ فرنٹیئر فورس رائفلز (زیر کمان لیفٹیننٹ کرنل صدیق راجہ) کو جھانگڑ کے جنوب میں بھیج دیا گیا۔ جب اس علاقہ میں خطرہ اور بڑھا تو بریگیڈ کی باقی دونوں پلٹنیں بھی پہنچ گئیں۔ اسی طرح نمبر ۱۰۱ بریگیڈ (زیر کمان بریگیڈیئر بعد، میجر جنرل اکبر خان) کی $\frac{۲}{۱۳}$ فرنٹیئر فورس رائفلز (زیر کمان لیفٹیننٹ کرنل بشیر احمد) پہلی پلٹن تھی جو مظفر آباد۔ اُڑی۔ سرینگر والی سڑک پر چکوٹھی بھیجی گئی۔ یہ پلٹن جس بہادری اور ثابت قدمی سے چکوٹھی پر ڈٹی رہی اس سے نہ

صرف اُڑی کا محاذ بچ گیا بلکہ اس علاقے میں ہندوستانیوں کا حملہ دب کر رہ گیا۔ جب اس سڑک پر ہندوستانیوں کی پیش قدمی اور واضح صورت اختیار کر گئی تو بریگیڈ کا باقی حصہ بھی اُڑی اور باغ کی طرف تیزی سے روانہ ہو گیا۔

جب ٹیٹوال کی طرف بھارتی فوج نے اچانک بڑھنا شروع کر دیا تو پورا نمبر ۱۰ بریگیڈ زیر کمان بریگیڈیئر حاجی افتخار احمد کو حرکت میں لایا گیا۔ یہ حرکت اتنی تیزی سے ہوئی کہ اس بریگیڈ کی ایک یونٹ ۲/۱۲ فرنٹیئر فورس رجمنٹ زیر کمان لیفٹیننٹ کرنل عزیزالدین کو ان احکام پر عمل کرنے کیلئے ایک دلچسپ فٹ بال میچ کو درمیان میں چھوڑ کر محاذ کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ کچھ چھوٹی یونٹوں کو تو کوچ کے دوران فوری احکامات دیئے گئے جس طرح برطانوی دور میں سرحدی علاقے کی لڑائیوں میں دیئے جاتے تھے۔ کچھ یونٹوں نے مارچ کرنے میں کمال کیا۔ مثلاً" ۲/۱۲ فرنٹیئر فورس رجمنٹ اور ۴/۱۶ پنجاب رجمنٹ زیر کمان لیفٹیننٹ کرنل نوشیرواں خان نے ایک انتہائی دشوار گذار اور پہاڑی علاقے میں ۳۰ میل کا سفر ۲۴ گھنٹے میں طے کیا۔ ۴/۱۶ پنجاب رجمنٹ کے کمانڈنگ افسر پہلے پہل صرف ایک رائفل کمپنی کے ساتھ محاذ پر پہنچے۔ انہوں نے اس نازک صورتِ حال کا جائزہ لے کر یہ طے کیا کہ ہندوستانیوں کی پیش قدمی کو روکنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ اور وہ یہ کہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ انہوں نے اپنی کمپنی کو لائٹ مشین گن پارٹیوں میں تقسیم کر کے راستے کے دونوں طرف پہاڑیوں پر مختلف فاصلوں پر تعینات کر دیا اور انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ دور سے دشمن پر مسلسل فائر کریں۔ خوش قسمتی سے یہ چال کارگر ہوئی اور ہندوستانیوں کے ہراول دستوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ مقابلہ بہت سخت ہے انہوں نے آگے بڑھنے میں اتنی پس و پیش کی کہ اس مدت میں نمبر ۱۰ بریگیڈ کے کچھ اور یونٹ بھی موقع پر پہنچ گئے۔

اس علاقے میں ہندوستانیوں کی پیش قدمی روکنے کیلئے جو ابتدائی اقدامات کئے گئے ان میں جمعدار دوست محمد کی زیر کمان گائیڈز انفنٹری کی ایک پلاٹون نے نہایت اہم اور فیصلہ کن حصہ لیا۔ اس پلاٹون کا یہ کارنامہ بہادری کے ان کارناموں میں ایک اہم مقام رکھتا ہے جو بریگیڈ نے ان نازک دنوں میں کئی اور جگہ سرانجام دیئے اور جن میں افسر اور جوان بڑی ہمت اور بہادری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ یہ پلاٹون دریائے کشن گنگا (نیلم) کے جنوب میں رچمار گلی پر قابض تھی جبکہ ۳۱ر مئی کو ایک بھارتی بٹالین نے اس پر حملہ کر دیا۔ دو گھنٹے کی زبردست لڑائی کے بعد اس کی نفری گھٹ کر ایک رائفل سیکشن کے برابر رہ گئی اور بھارتیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بھارتیوں کے اس بڑھتے ہوئے دباؤ سے جمعدار دوست محمد بالکل ہراساں نہ ہوئے اور انہیں نے اپنی پلاٹون کے باقی ماندہ جوانوں کو سنگین چڑھانے کا حکم دیا۔ اس جانباز افسر اور حوالدار جلال خان کی سرکردگی میں گائیڈز کی اس چھوٹی سی ٹولی نے بہت سارے بھارتیوں کو اپنی سنگینوں کا نشانہ بنایا اور پھر ایک ایک کر کے خود بھی ختم ہو گئی۔ گائیڈز کے اس مثالی کارنامے سے بھارتی اس قدر گھبرائے کہ بریگیڈ کو پنج کوٹ نالہ پر دفاع بندی کیلئے کافی وقت مل گیا۔

بیشتر پاکستانی سپاہ میدانوں اور سرحدی چھاؤنیوں سے جلدی میں چل پڑی تھی۔ کشمیر پہنچ کر اسے جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اس کا دوسری جنگ عظیم کے تجربہ کار سپاہیوں کو شاید ہی تجربہ ہوا ہو۔ شمال میں سرد علاقوں سے لے کر مغرب میں ٹیٹوال اور اُڑی کے پہاڑ اور جنوب میں گھنے جنگل تک۔ غرضیکہ سپاہ کو طرح طرح کے علاقوں اور موسموں میں لڑنا پڑا۔ وہ ایسے علاقوں سے آئی تھی جہاں مئی میں کافی گرمی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس گرم کپڑے لانے کا نہ تو وقت تھا اور نہ

بار برداری کا انتظام۔ چنانچہ وہ ان بلند پہاڑیوں پر سردی میں ٹھٹھر رہی تھی۔ بیشتر سپاہ کو گرم کپڑوں کے بغیر سردی برداشت کرنا پڑی۔ سڑکوں اور راستوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اور انتظامی مشکلات کے باعث دشوارِ گذار علاقوں میں سے گرم وردیاں وہاں تک نہیں لائی جا سکتی تھیں۔ ان علاقوں تک گولہ بارود تک لے جانا مشکل تھا راشن بہت کم تھا اور طبی امداد اور دیگر سہولتیں تقریباً" ناپید تھیں۔ ان تکلیف دہ حالات کے باوجود پاکستانی سپاہ کی پیشانی پر بل تک نہ پڑا۔ اور نہ زبان پر کوئی شکوہ آیا۔ وہ برابر مستعدی سے لڑتی رہی۔

مئی کے مہینے میں اُڑی اور ٹیٹوال کے محاذوں پر لڑائی ہو رہی تھی۔ ادھر کشمیر میں پاکستانی فوج بھیجنے کا فیصلہ کافی تاخیر سے کیا گیا تھا۔ چنانچہ محاذ کے مضبوط بنانے سے پہلے کئی مرتبہ مایوس کن اور خطرناک حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ان دونوں محاذوں پر انتہائی خطرے کے وقت ایک منصوبہ بنایا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر شمال میں ہندوستانی حملہ کو نہ روکا جا سکے تو مظفر آباد میں فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ اُڑی اور ٹیٹوال کے محاذ ایک دوسرے سے اس قدر مربوط تھے کہ ایک محاذ کے کمزور ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ دوسرا محاذ غیر مستحکم ہو جائے گا۔ چنانچہ کشن گنگا (نیلم) کے شمالی کنارے پر زیادہ سے زیادہ توپوں کو لگانے کا منصوبہ بنایا گیا تا کہ ہندوستانیوں کو ان توپوں کی زد میں لا کر کاری ضرب لگائی جا سکے۔ بڑے پیمانے پر توپ خانہ استعمال کرنے سے جو سیاسی اثرات ہوتے ان کے پیش نظر اس منصوبہ کا خاکہ مرکزی حکومت کی منظوری کیلئے پیش کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک متبادل منصوبہ بھی تجویز کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ کوہالہ 'باغ' پونچھ 'ٹنڈر' بھمبر کے دائرے کے اندر کشمیر کے ایک محدود حصے پر قبضہ رکھا جائے۔ پاکستان کی خوش قسمتی تھی کہ نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۰۱ بریگیڈ نے ان دونوں

محاذوں پر دشمن کو روک دیا اور پریشان کن حالات پیدا نہ ہونے دیئے۔

طے شدہ منصوبے کے مطابق نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۰۱ بریگیڈ کم سے کم تعداد کے ساتھ محاذ پر دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے اور انہوں نے اپنی نفری کے بڑے حصے کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا جو کہیں بازوؤں کی طرف سے بھارتیوں پر حملہ کرتیں، کہیں ان کے سنائپر (Sniper) دشمن پر تاک تاک کر گولیاں برساتے اور کہیں یہ دشمن پر عقب سے دھاوا بول کے بھاری نقصان پہنچاتیں۔ بہت جلد دشمن یہ سمجھنے لگا کہ پاکستانی فوج ہر طرف موجود ہے اور چپّے چپّے پر پاکستانی سپاہی مقابلے کیلئے ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی رفتہ رفتہ بازوؤں کی پہاڑیوں کی طرف پھیلنے پر مجبور ہو گئے اس طرح وہ جن مقامات پر قبضہ کرنا چاہتے تھے ان سے دور ہوتے چلے گئے وہ عام طور پر پاکستانی سپاہ کی چالوں سے کسی نہ کسی بے ڈھب پوزیشن میں گھر جانے پر مجبور ہو جاتے اور انہیں شاذ و نادر ہی یہ موقع ملتا کہ وہ اپنی منتخب جگہ پر حملہ کرتے یا کسی جگہ کامیابی پا کر اس سے فائدہ اٹھا سکتے۔

ہندوستانی جون کے آخر تک برابر حملے کرتے رہے۔ ان کے یہ حملے زیادہ تر بازوؤں کی طرف سے ہوتے تھے اور اس طرح وہ نسبتاً" ایک بڑے علاقے میں پھیل جانے پر مجبور ہو جاتے۔ انہوں نے دریائے کشن گنگا (نیلم) کے جنوب میں مختلف حملوں کے دوران اور جون اور جولائی کے شروع میں ۳/۱۲ فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی مقبوضہ چوکیوں پر حملہ کرنے کیلئے جس سپاہ سے کام لیا' اگر وہ اسے دریا کے شمال میں اپنی کامیابی میں مدد دینے کیلئے استعمال کرتے تو ان کے حق میں زیادہ مفید ثابت ہوتا۔

اسی طرح ۲۷ر اور ۲۸ر جون کی درمیانی شب کو دس ہزار فٹ اونچی پیر کنٹھی کی چوٹی پر بھارتیوں کا حملہ ایک زبردست کارنامہ تھا۔ لیکن اس سے وہ بازوؤں کی طرف ہٹ

گئے اور اپنے اصل ہدف سے دور ہو گئے۔ اس حملہ میں جو سپاہ بڑی تعداد میں استعمال کی گئی اگر اسے پانڈو میں کمک پہنچانے کیلئے استعمال کیا جاتا تو بھارتیوں کو کامیابی ہوتی۔

اسی اثناء میں شمالی کشمیر کے ایک دور افتادہ علاقے میں کچھ سرگرمی شروع کر دی گئی تاکہ ہندوستانیوں کی توجہ ادھر مبذول ہو سکے۔ اس محاذ پر چند افسروں کے سوا کسی پاکستانی جوان سے کام نہیں لیا گیا۔ میجر ایم۔ اسلم۔ خان کی سرکردگی میں صرف ۶۰۰ آزاد سپاہی تھے جن کے پاس معمولی ہتھیار تھے۔ ان بہادروں نے پھرتی اور چستی سے کام لے کر بہت نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ یہ کارروائیاں جس سرعت سے انجام پائیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے یہ بہادر بھارت کی اس تمام فوج پر اچانک ٹوٹ پڑے جو کارگل میں پولو کا میچ دیکھ رہی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر قابو پالیا۔ جون تک یہ دراس پر قبضہ کر کے لیہہ کو منقطع کر چکے تھے۔ انہوں نے خود کوئی خاص نقصان اٹھائے بغیر ایک بھارتی بریگیڈ کو نیست و نابود کر دیا۔ شمال کی جانب سے اس نئے اور غیر متوقع خطرے کا بھارتیوں پر حسب منشا اثر ہوا۔ اس نئے محاذ پر ہندوستانی فوج کو مسلسل کمک بھیجی گئی حالانکہ ہندوستانی سپاہ کی دوسرے علاقوں میں اشد ضرورت تھی جہاں کامیابی کے بہتر مواقع تھے۔

پاکستانی فوج نے صحیح وقت پر پہنچ کر آزاد سپاہ کو مکمل طور پر منتشر ہونے سے بچا لیا۔ جب پاکستانی سپاہ کشمیر میں داخل ہو کر ابتدائی لڑائیوں میں کامیاب ہوئی تو یہ واضح ہو گیا کہ ہندوستانی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اگر ہندوستانی کچھ عرصہ قبل کسی اہم جگہ مثلاً" اُڑی' مظفر آباد والی سڑک پر اپنی کوششیں مرکوز کر کے ثابت قدمی اور یکسوئی سے لڑتے تو شاید کامیاب ہو جاتے کیونکہ اس وقت ان کو روکنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ لیکن اب حالات مختلف تھے چنانچہ بھارتی فوج چھ ماہ تک بغیر کامیابی کے

اس چھوٹی اور معمولی ہتھیاروں سے لیس پاکستانی فوج سے ٹکریں مارتی رہی۔

بھارتی اس غیر متوقع سخت مقابلے سے بوکھلا گئے اور اب سر توڑ کوشش کرنے لگے تاکہ جلد از جلد کوئی نمایاں فوجی کامیابی حاصل کریں۔ چنانچہ لڑائی ریاست جموں اور کشمیر کے تمام شمالی' مغربی اور جنوبی علاقوں تک پھیل گئی اور کارگل سے چھمب تک تقریباً" ۴۰۰ میل لمبے محاذ پر سرگرمی شروع ہو گئی۔ ان علاقوں کے دفاع کیلئے کئی سیکٹر بنائے گئے۔ جنوب کی طرف سے یہ سیکٹر بھمبر' کوٹلی' پونچھ' ہجیرہ' باغ' اُڑی' ٹیٹوال اور گلگت پر مشتمل تھے۔ ضرورت کے لحاظ سے ان سیکٹروں میں مزید تقسیم کی گئی۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے مسائل تھے۔ ان کے درمیان کوئی مواصلاتی رابطہ نہ تھا۔ اونچے اونچے پہاڑ درمیان میں حائل تھے۔ پہاڑوں پر جو آڑی ترچھی پگڈنڈیاں تھیں انہیں صرف قلی ہی استعمال کر سکتے تھے جو اس کم آبادی والے علاقوں میں دستیاب نہ ہو سکتے تھے۔ ایک سیکٹر سے دوسرے سیکٹر میں جانے کیلئے کافی وقت لگتا تھا۔ مختلف سیکٹروں کے درمیان (اور کبھی کبھی ایک سیکٹر کے اندر بھی) اقدامات پر اچھی طرح قابو اور ارتباط رکھنا مشکل تھا۔ اس لئے بہت سی اہم باتیں مقامی کمانڈروں کی صلاحیت پر چھوڑنا پڑی تھیں۔

جنگ بہت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ جون کے آخر تک یہ ظاہر ہو گیا کہ لڑائی کیلئے ایک ڈویژن ناکافی ہے۔ کیونکہ اس سے تمام سیکٹروں پر قابو نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ نئی تشکیل شدہ نمبر ۹ فرنٹیئر ڈویژن کو زیر کمان میجر جنرل نذیر احمد ایبٹ آباد بھیج دیا گیا۔ اس ڈویژن نے ۲۰ر جون سے ٹیٹوال' اُڑی اور باغ کے سیکٹروں کی ذمہ داری سنبھال لی۔ نمبر ۷ ڈویژن کے دو بریگیڈ بھی شامل کئے گئے تھے۔ ماہ جون کی ابتدا سے رفتہ رفتہ توپ خانہ بھی شامل کیا گیا۔ جون کے آخر تک بھارتی فوج کا بڑا حملہ دم توڑ

چکا تھا۔ بھارتی فوج کو روکنے کے بعد اب پاکستان کی باری تھی کہ جوابی کارروائی کرے۔ نمبر ۹ ڈویژن کے پہنچ جانے سے مقامی کمانڈروں کو یہ سہولت حاصل ہو گئی کہ وہ ضرورت کے مطابق جو مناسب سمجھیں کریں۔ اور انہوں نے نئے حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

اس کی ابتدا نمبر ۱۰ بریگیڈ نے کی۔ دریائے کشن گنگا (نیلم) کے شمال میں پوائنٹ ۲۲۹ ۷ جس پر بھارتی فوج نے پہلے ہی ہلّے میں مئی میں قبضہ کر لیا تھا نمبر ۱۰ بریگیڈ کیلئے ہمیشہ پریشانی کا باعث رہا تھا۔ کیونکہ اس کے پنج کوٹ کے مورچے اس پوائنٹ کی زد میں تھے۔ اس چوٹی سے ہندوستانیوں کو ہٹانے کی پہلی دو کوششیں ناکام ہوئیں۔ تیسری کوشش میں 4/16 پنجاب رجمنٹ نے اس پوائنٹ پر سنگینوں سے ہلّہ بول دیا۔ ایک پہاڑی توپ نے جسے شہزادی کا نام دیا گیا تھا اس پلٹن کو پیش قدمی میں مدد دی۔ یہ توپ لمبے لمبے رسوں کے ذریعے دریا اور دشوار گذار پہاڑیوں پر سے اوپر کھینچ کر لے جائی گئی تھی۔ اور اسے ۹۰۰۰ فٹ اونچی ایک قریبی پہاڑی پر جس کا نام چُنج تھا چھپا کر نصب کر دیا گیا تھا۔ آخری ہلا ۹/ جولائی کو صبح کی خاموشی میں بٹالین کے بگلوں کی گونج میں شروع ہوا جو پیش قدمی کی دھن بجا رہے تھے۔ اس اہم مقام کے نکل جانے سے ہندوستانی ٹیٹوال کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ جنگ کی باقی مدت تک انہیں اس مقام سے آگے نہیں بڑھنے دیا گیا۔ لیکن پاکستانی سپاہ اس فتح سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکی کیونکہ اس کو دشمن کا تعاقب کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ پاکستان کی دیگر فتوحات کے بعد بھی ایسا ہی ہوا۔

نمبر ۱۰ بریگیڈ نے جس دلیری اور جرأت سے پانڈو پر قبضہ کیا وہ ایک عظیم کارنامہ تھا۔ پانڈو اُڑی کے شمال مغرب میں تقریباً ½ ۹ میل پر ۹ ہزار فٹ اونچا پہاڑ

ہے جس کی چوٹی پر اسی نام کا ایک گاؤں بھی آباد ہے۔ مظفر آباد' اُڑی سڑک کے ساتھ ساتھ جو پاکستانی مورچے تھے وہ اس پہاڑ سے نظر آتے تھے۔ علاقہ کی اس بلند ترین مقام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بھارتیوں نے اس پہاڑ کا خفیہ نام "کراچی" اور پاکستانی جوانوں نے "دہلی" رکھا تھا۔ پانڈو ایک بھارتی بریگیڈ کی پوزیشن کے درمیان واقع تھا اور خود پانڈو میں ایک بٹالین اور بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز تھے۔ جولائی کے شروع میں بھارتی پوزیشن کی جانچ پڑتال اور قبائلیوں کے حملوں سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ پانڈو اور اس کے گردونواح کے علاقے میں بھارتی سپاہ کی ترتیب و تقسیم ناقص ہے۔ یہ بھی اندازہ لگا لیا گیا تھا کہ اگر پانڈو پر جنوب مغربی سمت سے حملہ کیا جائے تو بھارتی اپنی پوری قوت فوری کارروائی کیلئے استعمال نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ پانڈو میں مقیم بھارتی سپاہ پر حملہ کر کے بریگیڈ کے مورچہ کو توڑا جاسکتا تھا۔ قبل اس کے کہ بقیہ بریگیڈ لڑائی میں شرکت کر سکتا ہماری فوج کی ایک ملی جلی ٹولی نے غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ یہ بیشتر نمبر ۴ بلوچ زیر کمان لیفٹیننٹ کرنل' ملک شیر بہادر پر مشتمل تھی اور اس کے ساتھ 1/15 پنجاب کی ایک پلاٹون' خیبر رائفلز کا کچھ حصہ اور دو آزاد کمپنیاں بھی تھیں۔ یہ ٹولی بھارتیوں کی نظروں سے بچتی بچاتی' ۱۸ اور ۱۹/ جولائی کی رات کو ان کی مقبوضہ پہاڑیوں پر سے گزر کر پانڈو پر ٹوٹ پڑی۔ اگرچہ دشمن کے سپاہیوں اور ہتھیاروں کی تعداد کہیں زیادہ تھی اور اسے ہوائی امداد بھی حاصل تھی۔ تاہم ان بہادروں نے تین دن کی گھمسان کی لڑائی کے بعد ان کی پوری پوزیشن پر قبضہ کر لیا۔ بھارتی سپاہ میں افراتفری پھیل گئی اور وہ بھاگ کھڑی۔ نیچے جنگل میں انہیں قبائلیوں نے روک لیا اور چاقوؤں سے ان پر بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اس وقت دو فرنٹیئر فورس رجمنٹ زیر کمان لیفٹیننٹ کرنل محمد سعید کی صرف دو کمپنیاں ریزرو میں تھیں۔ ان کمپنیوں نے

اس فتح سے فائدہ اٹھانے کیلئے ابھی دشمن کے تعاقب کی کارروائی بمشکل شروع ہی کی تھی کہ مزید پیش قدمی روک دینے کے احکام پہنچ گئے۔ بہر کیف بھارتی فوج کو اس شکست سے بہت دھکا لگا اور انہوں نے نہ صرف وہ علاقہ خالی کر دیا جس پر وہ اپنے موسم گرما کے بڑے حملے کے دوران قابض ہو گئے تھے بلکہ اُڑی کے گرد اپنی پوزیشنوں سے بھی پیچھے گئے۔

جس وقت نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۰۱ بریگیڈ بھارتیوں کے اس حملے کو روکنے کی جدوجہد کر رہے تھے جو انہوں نے مظفر آباد پر قبضہ کرنے کیلئے کیا تھا تو جنوبی سیکٹروں میں بھی لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ پہاڑی علاقہ نہایت کٹھن تھا مشرق سے مغرب تک پہاڑوں کا ایک متوازی سلسلہ چلا گیا تھا۔ ان پہاڑوں کے درمیان کھلی وادیاں تھیں جن میں نالے 'گھاٹیاں اور ٹوٹی پھوٹی زمین تھی۔ بیشتر پہاڑ دو تین ہزار فٹ اونچے تھے اور ان پر چیڑ کے جنگل تھے جنہیں نہایت مستحکم دفاعی مورچوں میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ وادی پر قابو پانے کیلئے ان چوٹیوں پر سپاہ بھیجنا ضروری تھا۔

اس وقت جنوب میں جو لڑائی ہو رہی تھی وہ نہ تو بڑے پیمانے پر تھی اور نہ ہی تشویشناک تھی۔ یوں لگتا تھا کہ بھارتی اپنی ابتدائی جنگی غلطیوں کو درست کرنے اور اپنے مورچوں کو مستحکم بنانے میں مصروف ہیں۔ بلکہ بھارتی اور پاکستانی دونوں اپنی پوزیشنیں بہتر بنانے کیلئے کوشاں تھے۔ سبز کوٹ' ریچھ پہاڑیوں اور وادی سعد آباد میں گھمسان کی لڑائی ضرور ہوئی لیکن ان سیکٹروں میں اسی پرانی پالیسی کہ اگلے مورچوں میں پاکستانی فوج کے پہنچنے سے احتراز کیا جائے' پر عمل کیا گیا۔ اس لئے بیشتر لڑائی آزاد فوج نے لڑی۔ اس کی پشت پر کچھ رائفل کمپنیاں تھیں جو ۲/۱۴ پنجاب رجمنٹ (جو زیر کمان لیفٹیننٹ کرنل بختیار رانا) نے مہیا کی تھیں۔ نمبر ۱۰۰ بریگیڈ کی ان تمام بٹالینوں نے اس

محاذ پر امتیاز حاصل کیا۔ ان مقامی حملوں میں اگرچہ برابر کی چوٹ تھی پھر بھی آزاد سپاہ نے ہندوستانیوں کو روکے رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔

اس وقت بعض جونیئر کمانڈروں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس علاقے میں جو چند پاکستانی بٹالینیں موجود ہیں انہیں لڑائی میں اور بھی زیادہ سرگرمی سے حصہ لینا چاہئے۔ بار بار مشورہ دیا گیا کہ اکھنور سے نوشہرہ تک کی بھارتی مواصلاتی شاہ رگ کو کاٹ دینا چاہئے۔ یہ راستہ اس انڈین فوج کے دفاعی نظام کی کمزور ترین کڑی تھی جو آگے شمال میں جنگی کارروائیوں میں مصروف تھی۔ اور اگر راستہ کے آس پاس کی چند پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا جائے تو بھارتی سپاہ کی پوزیشن پر نہایت برا اثر پڑے گا۔ اس وقت یہ کام کچھ مشکل نہ تھا لیکن بدقسمتی سے پاکستانی اعلیٰ کمان نے اس کی اجازت نہ دی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس کارروائی کیلئے اس وقت توپخانہ مہیا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اعلیٰ کمان کسی قسم کے خطرات مول نہیں لینا چاہتی تھی کیونکہ اسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اس مرحلہ پر کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو پاکستان کو بہت نقصان پہنچے گا۔

سارے محاذ پر جوابی حملے اب تک ممنوع تھے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کوئی پیش قدمی کی جاتی یا پیش قدمی کا ارادہ کیا جاتا تو راولپنڈی سے کراچی تک پریشانی پھیل جاتی اور ایسے اقدامات کے احکام فوراً" منسوخ کر دیئے جاتے۔ کبھی کبھی اور وہ بھی مقامی کمانڈروں کے مسلسل اصرار پر کہ وہ اپنی پوزیشنوں کو بہتر بنا سکیں محدود کارروائیوں کی اجازت دے دی جاتی۔ ادھر ہندوستان کے اخبار اور ریڈیو اس سلسلے میں کئی چھوٹے حملوں کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کرتے۔

بھارتی فوج کو اہم جگہوں سے دور رکھنے کیلئے پاکستانی فوج کیلئے ضروری تھا کہ پہل اپنے ہاتھ میں رکھے۔ چنانچہ دور دور تک گشت کرنے' گھات لگانے' مواصلاتی

لائنوں اور کمزور مقامات پر چھاپے مارنے اور دشمن کو پریشان کرنے کے منصوبے بہت احتیاط اور ہوشیاری سے بنائے گئے۔ قیادت کیلئے ان رضاکار افسروں میں سے موزوں افسر چنے گئے جنہیں دوسری جنگِ عظیم میں لڑائی کا تجربہ تھا۔ انہیں سرکاری طور پر T. F. OS (Touch Fighting Officers) کہا جاتا تھا۔ گشت کرنے، دشمن کو گھیرنے اور چھاپہ مارنے والی جماعتوں کی قیادت کرنے کے سلسلے میں بہت سے نوجوان افسروں نے بڑا نام پیدا کیا۔ ان پر بہت سے جونیئر افسر رشک کرتے تھے جنہیں ہر ہر قدم پر ہدایات کے مطابق کنٹرول میں رکھا جاتا تھا۔

اگلے دو مہینوں میں بہت بارش ہوئی جس کی وجہ سے تمام محاذوں پر سرگرمیاں کم ہو گئیں لیکن اس خراب موسم میں بھی ہندوستانی سپاہ کو منتشر رکھنے کے مقصد سے جارحانہ گشت اور چھاپہ مارنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طرح ہندوستانی فوج صرف دفاعی کارروائیاں کرنے پر مجبور ہو گئی۔

چونکہ ہندوستانیوں کو کشمیر میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی اس لئے انہوں نے اس خراب موسم کا فائدہ اٹھا کر حیدر آباد دکن کا رخ کیا۔ حیدر آباد کی قبل از وقت اور خلاف توقع شکست ہندوستانی فوج کی برتری کی وجہ سے نہیں بلکہ رشوت، سازش اور غداری کا نتیجہ تھی۔ لیکن حیدر آباد کے ختم ہو جانے سے ہندوستان کو کشمیر کیلئے اور زیادہ سپاہ میسر آ گئی۔ چونکہ حیدر آباد پر ہندوستان کے حملے سے پاکستان اور ہندوستان کی جنگ نہیں چھڑی اس لئے ہندوستانیوں کو یہ موقع بھی مل گیا کہ وہ کشمیر میں مزید کمک پہنچا سکیں۔ حیدر آباد کی فتح نے ہندوستانی فوج کے گرے ہوئے حوصلے بلند کر دیئے اور ہندوستانی عوام کی نظروں میں اپنے سپاہیوں کی کھوئی ہوئی عزت واپس آ گئی۔

ستمبر کے آخر تک کشمیر میں ہندوستانی فوجی طاقت بڑھ کر بارہ بریگیڈ (جن میں سے ہر بریگیڈ میں ۴ یا ۵ بٹالین تھیں) ہو گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ٹینک، توپ خانہ اور دیگر ہتھیار بھی تھے۔ اس میں سے تقریباً" نصف فوج جنوب میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت پاکستانی فوج پلندری کے راستے پونچھ تک ایک سڑک بنا رہی تھی اور چونکہ اس کے بننے میں کافی وقت لگ رہا تھا اس لئے ایک ۲۵ پونڈر توپ کو کھول کر پہلے ایک جیپ میں جہاں تک ہو سکا لے جایا گیا پھر اسے جوان اٹھا کر دشمن کے اتنا قریب لے گئے کہ جہاں سے مقبوضہ پونچھ کا ہوائی اڈہ اس توپ کی زد میں تھا۔ پونچھ پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں آزاد سپاہ کی یہ دوسری کوشش تھی۔ اس توپ کے پہنچنے سے آزاد سپاہ کا حوصلہ بڑھ گیا اور انہوں نے جوش میں آ کر حملے کی تیاری ہونے سے پہلے ہی ہوائی اڈے پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ ہندوستانیوں نے اس گولہ باری کے خلاف بڑی پھرتی سے کام لیا۔ کیونکہ اگر پونچھ سے ان کا آخری رابطہ ٹوٹ جاتا تو ان کی فوج کو شدید نقصان پہنچتا۔ انہوں نے اپنی پوزیشن مستحکم بنانے کی کارروائی وسط اکتوبر میں شروع کی اور اپنے بائیں بازو کو مضبوط بنانے کیلئے پیر بڈیسر پر قبضہ کر لیا۔ اور پیر کلیوا پر ۲۶ر اکتوبر کو پاکستانیوں نے ہندوستانیوں کی مواصلاتی لائنوں اور خاص طور پر چھمب والی لائن پر جس کامیابی سے چھاپے مارے اس سے ہندوستانی اتنے پریشان اور ہراساں ہوئے کہ انہوں نے پونچھ کی طرف اپنی کارروائی کو اس وقت تک کیلئے ملتوی کر دیا جب تک جنوب میں اس کی مواصلاتی لائنوں کے ساتھ ساتھ جو فوج تھی اس کی کمک کیلئے ہندوستان سے مزید تین بٹالین نہیں پہنچ گئیں۔ پھر ۲۲ر نومبر تک وہ آزاد سپاہ کی تمام مزاحمت پر قابو پا کر پونچھ میں گھری ہوئی اپنی سپاہ تک جا ملے۔ اور اس طرح انہیں ایک بڑی مشکل سے نجات مل گئی۔ پاکستان کے نقطۂ نظر سے غالباً" پونچھ نے کشمیر

کوہندوستانیوں کے مکمل تسلط سے بچالیا۔ پونچھ ہندوستان کیلئے ایک مستقل خطرے کا
باعث رہا۔ اور ہندوستان کسی صورت میں بھی اس سے دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ
یہ اس کے وقار کا سوال تھا۔ اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اگر ہندوستان اتنی ہی
فوج کہیں اور استعمال کرتا جتنی کہ اس نے پونچھ کے بچاؤ کیلئے کی تھی تو اس کے نتائج
زیادہ بہتر ہوتے۔ اس علاقے میں پاکستانی فوج کو استعمال نہیں کیا گیا کیونکہ وہ دوسرے
کاموں میں مصروف تھی اور پھر سڑکوں یا مناسب راستوں کی کمی کی وجہ سے اسے وہاں
رکھنا بھی مشکل تھا۔ جب پونچھ کی لڑائی خطرناک مرحلے پر پہنچ گئی تو پھر بھی دو بٹالین
ہی بھیجی گئیں۔ یہ اتنی تاخیر سے پہنچیں کہ پونچھ کی لڑائیوں میں کوئی اہم کام انجام نہ
دے سکیں۔ بہر حال پونچھ کے اصل دفاع کا یہی حل تھا کہ جنوب میں ایک کارگر جوابی
حملہ کیا جائے۔ اس کی افادیت کا اندازہ تو بہت پہلے لگایا جا چکا تھا مگر سیاسی پیچیدگیوں کی
وجہ سے اس پر ہنوز عمل نہیں کیا گیا تھا۔

اس وقت ہندوستان کشمیر میں بے شمار سپاہ اور فوجی سامان جمع کر چکا تھا اور اس
کی فوج کی تعداد بھی بڑھ کر اتنی ہو گئی تھی کہ وہ جنوب میں حملے کے ساتھ ساتھ شمال
میں حملے کیلئے بھی پورے اعتماد کے ساتھ سپاہ بھیج سکتا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء سے
ہندوستانیوں نے دو دفعہ درّہ زوجیلا پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اور صرف ۴۰۰
آزاد فوجیوں نے اس کی کوششیں ناکام بنادی تھیں۔ اب ہندوستانیوں نے اچانک ایک
تیسرا حملہ کیا جس میں ان کی طاقت ٹینکوں سمیت بریگیڈ سے زیادہ تھی۔ اس ناگہانی
حملے سے آزاد سپاہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ کیپٹن ایم۔ ایس۔ قریشی کی زیر کمان گنتی کے
ان چند جوانوں نے جتنی بھاری مشکلات میں زوجیلا پاس کا تن دہی سے دفاع کیا وہ
دلیری اور برداشت کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے در حقیقت شمال میں تمام لڑائیاں اسی

دلیری سے لڑی گئیں۔ آزاد سپاہ ۸۰۰۰ فٹ سے ۲۰۰۰۰ فٹ تک کی بلندیوں پر لڑتی
رہی۔ دنیا کی تاریخ میں غالباً" یہ پہلی مثال ہے کہ اتنی بلندیوں پر لڑائیاں لڑی گئیں۔
بالآخر نومبر کے آخر میں ہندوستانیوں کو کارگل سے ذرا پہلے روک دیا گیا۔ لیفٹیننٹ
کرنل ایم۔ جی۔ جیلانی کی زیر کمان گنتی کے چند آزاد فوجیوں نے صرف چھ مہینے کے
اندر توقع سے کہیں زیادہ کامیابیاں حاصل کرلی تھیں۔

اس تمام مدت کے دوران آزاد اور پاکستانی سپاہ دفاعی تدبیریں اختیار کرتی رہی
تھیں۔ اور ان کی کوشش یہی تھی کہ ہندوستانی فوج کو منتشر اور پریشان رکھا جائے۔
پاکستانیوں کو اقوام متحدہ پر پورا اعتماد تھا۔ ہندوستانیوں کو رفتہ رفتہ سمجھ آرہی تھی وہ
خرچ کا خیال کئے بغیر جس تیزی سے کشمیر میں اپنی فوج بھیج رہے تھے اس سے ان کی نیت
صاف ظاہر تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس سے پہلے سلامتی کونسل جنگ بندی کا حکم نافذ
کرے۔ کشمیر کو ہر قیمت پر فوجی طاقت کے بل پر حاصل کرلیا جائے۔

ہندوستان کی برتری کو بے اثر کرنے اور اسے اپنا مقصد حاصل کرنے سے
روکنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ کچھ نئی تدبیریں اختیار کی جائیں۔ بالآخر اس جنگ میں
غالباً" پہلی دفعہ اعلیٰ حکام نے ایک ایسا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا جس میں سیاسی
پیچیدگیاں تھیں۔ پاکستانی سپاہ جسے ٹھیک طرح راشن بھی نہ ملتا تھا اور جس کے پاس
بے حد معمولی ہتھیار تھے اور جو از حد تھکی ہوئی اس خبر سے نہایت مسرور ہوئی کہ
آخر کار پاکستان نے حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ نمبر ۷ ڈویژن نے ایک منصوبہ بنایا
جسے "آپریشن وینس" کا نام دیا گیا۔ اس منصوبے کا یہ مقصد تھا کہ بیری پتن کے قریب
اس بڑی سڑک پر قابو پالیا جائے جہاں ایک پل اور ہندوستانیوں کے جنگی سامان کے
ذخیرے تھے۔ ہندوستانی نوشہرہ، جھنگڑ اور پونچھ کو جو سامان بھیجتے تھے وہ اسی سڑک سے

گزرتا تھا۔ نمبر ۷ ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے کہا کہ ۔۔۔۔ "ہندوستانیوں نے اب تک صرف توپ خانے کے بل پر چند لڑائیاں جیتی ہیں۔ اس دفعہ انہیں توپ خانے سے شکست دینی چاہیے۔"

یہ یقینی بات تھی کہ اگر ہندوستانیوں کی مواصلاتی لائن کاٹ دی گئی تو وہ جوابی حملہ کریں گے۔ چنانچہ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے نمبر ۱۴ پیرا بریگیڈ زیر کمان بریگیڈیئر شیر علی خان اور نمبر ۳ آرمڈ بریگیڈ زیر کمان کے۔ ایم۔ ادریس کو سرحدوں کے ساتھ ساتھ متعین کر دیا گیا۔ چوتھی اور ساتویں فیلڈ رجمنٹ۔ آٹھویں میڈیم رجمنٹ کی بیٹری اور بھاری اور ہلکی انٹی ائیر کرافٹ توپوں کی ایک ایک ٹروپ کو رات کی تاریکی میں اکٹھا کر دیا گیا۔ چار میڈیم اور کچھ دیگر توپوں کو کھینچ کر ان مورچوں میں پہنچا دیا گیا جو انجینئرز کے بھاری بل ڈوزروں نے ان کیلئے بنائے تھے۔

اس محاذ پر دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کے کچھ منصوبے بھی بنائے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو اچنبھے میں ڈالنے کیلئے ان کا دھیان اس مخصوص علاقے سے ہٹا دیا جائے یہ کارروائی شروع کرنے کیلئے ۶ / دسمبر ۱۹۴۸ء کا دن مقرر کیا گیا۔

ساتھ ہی ایک ذیلی منصوبہ بھی بنایا گیا جسے "لٹل وینس" کا نام دیا گیا۔ اس منصوبے کا مقصد 'ریچھ' اور 'مینڈک' پہاڑیوں پر قبضہ کرنا تھا۔ مذکورہ بالا علاقہ اور سڑک ان پہاڑیوں کی زد میں تھی۔ ان پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کا کام ۲/۱۴ پنجاب رجمنٹ کے سپرد کیا گیا۔ صرف توپخانے کے ذریعے پوزیشن پر جمے رہنے کی جو خرابیاں ہوتی ہیں وہ اس منصوبے سے دور ہو گئیں۔ مگر سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے کراچی میں کابینہ نے اس منصوبے کو رد کر دیا۔

سپاہ کی از سرِ نو گروپ بندی اور ترتیب منصوبے کے مطابق کی گئی لیکن مقررہ

تاریخ پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ ۶ / دسمبر کو نئی دہلی میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ایک اہم بین المملکتی کانفرنس شروع ہو گئی اور دوسرے یہ کہ اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خاں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ہندوستانی نمائندے سے سیاسی گفت و شنید میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے کہ اپنے نمائندے کو ہندوستانی حکومت اپنی کامیابیوں سے باخبر رکھ رہی تھی۔ لہٰذا وہ جنگ بندی کے معاہدہ میں تاخیر کر رہا تھا۔ تاکہ ہندوستانی فوج کو اتنا وقت مل جائے کہ وہ کشمیر کو فتح کر سکے۔ ادھر حکومتِ پاکستان بدستور اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ ایک پرامن تصفیہ ہو جائے گا۔ چنانچہ مجوزہ حملہ برابر ملتوی ہوتا رہا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا ہندوستانیوں کو اندازہ ہوتا گیا کہ پاکستانی فوجیں کہاں کہاں جمع ہیں۔ چنانچہ اس علاقے میں ان کی ہوائی فوج کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ بالآخر حسب معمول وہ خود ہی پاکستان کے آڑے آئے اور اسے فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ کشمیر کی جنگ کے سب سے زبردست ہوائی حملے میں ہندوستانی ہوائی جہازوں نے کوٹلی کے قریب پالک کے مقام پر پاکستان کے ذخیروں پر کامیابی سے بم برسائے۔ ہندوستانیوں کی اس کارروائی سے یہ ثابت ہو گیا کہ پاکستان بدلہ لینے میں حق بجانب ہو گا۔ چنانچہ اس منصوبے پر عمل کرنے کی آخر کار اجازت مل ہی گئی۔ ۱۴ / دسمبر کو سہ پہر کے وقت توپوں کی گونج میں ترمیم شدہ منصوبہ "وینس" عمل میں آیا۔ توپچیوں نے بہت محنت کی تھی اور فقط اندازے سے ہدفوں کا اندراج کیا تھا۔ اس موقع پر گولہ باری کا بہترین مظاہرہ کیا گیا۔ کیپٹن شیریں دل خاں نیازی کی نشاندہی پر پیر کی پتن کے علاقے میں دشمن کی تلاش کیلئے میڈیم بیٹری کا فائر عین اس وقت شروع کیا گیا جبکہ روزمرہ کا

رسد کا ہندوستانی قافلہ شمال جانے کیلئے پل کے قریب پہنچ رہا تھا۔ بیر آی پتن کے پل کے چاروں طرف تقریباً" دو میل تک ہندوستانی فوج کے راشن، پٹرول، کپڑے اور گولہ بارود کے ذخیرے تھے۔ اس گولہ باری سے ان میں آگ لگ گئی۔ جس کا دھواں ۲۰ میل سے نظر آتا تھا۔ خود پل کو بھی بہت نقصان پہنچا۔ نوشہرہ پر ہندوستانی ڈویژن کے ہیڈکوارٹرز میں اینٹی ایئر کرافٹ توپوں کے گولوں سے دہشت اور ابتری پھیل گئی۔ پل کے شمال میں جو ہندوستانی سپاہ تھی اور جس کا دارومدار اس سڑک پر تھا وہ اپنی عام رسد اور گاڑیوں وغیرہ سے محروم ہو گئی۔ ہندوستان سے نئی نئی آئی ہوئی ایک بٹالین کو کالی دھر سے پتن کی طرف بڑھنے کے دوران ۵/۱۲ فرنٹیئر فورس رائفلز والوں نے بہت بری طرح نقصان پہنچایا۔

کشمیر میں جنگ بندی

پاک فوج کی مؤثر اور جارحانہ حکمت عملی کی بدولت بھارتی فوج کیلئے صورت حال بہت خطرناک ہو گئی۔ پہلی دفعہ باقاعدہ منصوبہ بنا کر جوابی حملہ کیا گیا تو ہندوستان نے گھٹنے ٹیک دیئے اور بہت جلد جنگ بندی کا مطالبہ کر دیا۔ لیکن پاکستانی فوج ششدر رہ گئی کہ عین اس وقت جب پاکستان کو کشمیر میں سب سے نمایاں کامیابی ہو رہی تھی وہ جنگ بندی منظور کرنے کیلئے فوراً" آمادہ ہو گیا۔ اس طرح یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو رات کے بارہ بجے کشمیر میں جنگ بند ہو گئی اور اقوامِ متحدہ نے کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ پاکستان نے اس سنہرے موقعے کو اتنی آسانی سے کیوں ہاتھ سے جانے دیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ کیا یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ پاکستان کمزور ہے یا پھر کسی بیرونی دباؤ کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ یا یہ کہ ایک مصیبت زدہ مخالف ہمسائے کی ہمدردی کی خاطر بے محل بہادری کا جذبہ کارفرما تھا۔ بہر حال وجہ جو کچھ بھی ہو کشمیر میں جنگ جاری رکھنے میں جو نارضامندی دکھائی گئی اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس وقت سے پاکستان کے ہاتھ سے کشمیر جاتا رہا۔ پاکستان کو اس وقت ہر حال میں یہ خطرہ مول لے لینا چاہئے تھا۔ اس وقت شمال میں برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں سے لے کر جنوب کی

پہاڑیوں اور وادیوں تک ہندوستان کی بہترین فوج بہت ابتری کی حالت میں بکھری ہوئی تھی اور پورے کشمیر میں بے کار ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی فوج وہاں بری طرح پھنسی ہوئی تھی اور اسے قرار آسان نہ تھا۔

ہندوستان دوبارہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ اس وقت ہندوستان میں صرف دو آرمرڈ بریگیڈ اور ایک انفنٹری بریگیڈ بطور ریزرو رہ گیا تھا۔ اگر ہندوستان چاہتا بھی تو انہیں جمع کرنے میں وقت لگتا۔ اس سے قبل کہ ہندوستان پاکستان کیلئے کوئی خطرہ پیدا کرتا کشمیر پوری طرح ختم ہو چکا ہوتا۔ پاکستانی فوجی افسروں کو اس بات کا یقین تھا۔ ان کے علاوہ ایک ایسا سینئر انگریز افسر بھی ان سے متفق تھا جس کے مشورے پر بہت احتیاط سے غور کیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی کسی نے نہ سنی۔ ہندوستان جس چیز کو طاقت کے زور سے حاصل نہ کر سکا وہ اس نے حکمت عملی سے ہتھیا لیا۔

اسی طرح کشمیر میں چھ مہینے کی جنگ ختم ہوئی۔ حکومت یا آرمی ہائی کمان نے اس کی فوجی اہمیت کو شاید ہی کبھی محسوس کیا۔ اس جنگ کو جدید زمانے کی نہایت مہذب اور شریفانہ جنگ کہا جا سکتا تھا۔ اگر ہندوستانی فوج کشمیر میں اور خاص طور پر جنوبی علاقوں میں اتنی سفاکی نہ دکھاتی اور انڈین ایئر فورس کے ہوائی جہاز باغ، گلگت اور کوٹلی کے ہسپتالوں پر بار بار بمباری نہ کرتے تو نتائج مختلف ہوتے۔

بہر کیف پاکستانی فوج نے اپنا کام نہایت عمدگی سے سرانجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فوج نے اس سے کہیں زیادہ کر دکھایا جس کی اس سے توقع کی گئی تھی یا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ وہ کشمیر کو فتح کرنے نہیں گئی تھی اسے تو صرف ایک دفاعی مہم پر بھیجا گیا تھا۔ اگرچہ ہندوستانی تعداد۔ جنگی سامان اور ہتھیاروں میں کہیں زیادہ تھے پھر بھی پاکستانی فوج نے انہیں اس ارادے سے باز رکھا کہ وہ کشمیر کا فیصلہ اپنی طاقت کے بل

بوتے پر کر سکیں۔ باخبر فوجی حلقوں سے باہر کسی نے بھی اس بات کا ٹھیک طرح اندازہ نہیں لگایا کہ اس مختصر سی فوج نے جس کے پاس معمولی ہتھیار تھے۔ جسے ٹھیک طرح راشن بھی نہ ملتا تھا جو غیر منظم اور بے حد تھکی ہوئی تھی کس طرح پاکستان کو بچا لیا۔ کشمیر میں اسی فوج کے ڈٹ کر مقابلہ کرنے ہی سے ہندوستان مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے کی اپنی آرزو کو پورا نہ کر سکا۔ ہندوستان میں ایسے متعدد خوش فہم لوگ تھے جن کے دلوں میں یہ آرزو جڑ پکڑ چکی تھی کہ پاکستان بھی حیدر آباد دکن کی طرح آسانی سے ہڑپ کر لیا جائے گا۔ پاکستان میں اس امر کا احساس شاید ہی کبھی ہوا کہ ۱۹۴۸ء میں یہ ملک تباہی کے کس قدر قریب تھا اور اس کی مختصر سی بہادر فوج نے کس طرح ہمارے ملک کو دنیا کے نقشے سے نیست و نابود ہونے سے بچا لیا۔

کشمیر کی جنگ کئی لحاظ سے عجیب و غریب جنگ تھی۔ اس سے قبل شاید کبھی کوئی دو ایسی فوجیں ایک دوسرے کے مدمقابل نہیں ہوئی تھیں جو جنگی ساز و سامان اور تربیت میں اس قدر یکساں ہوں اور جو ایک دوسرے سے اتنی اچھی طرح واقف ہوں۔ ہندوستانی فوج جو جارحانہ لڑائی پر تلی ہوئی تھی کشمیر میں زیادہ سے زیادہ نفری اور ساز و سامان اکٹھا کر چکی تھی اس کی پشت پر وہ تمام سیاسی رہنما تھے جن کے مقاصد بالکل واضح تھے۔ لیکن ہندوستانی سپاہی کا دل اس جنگ میں نہیں تھا وہ جانتا تھا کہ یہ بے مقصد لڑائی ہے۔ اس کے برعکس پاکستانی فوج قلیل تعداد میں بھیجی گئی اس نے جو کارنامے انجام دیئے ان کی شہرت ہوئی اور نہ کسی نے انہیں سراہا۔ ابتدائی مرحلوں میں اسے توپ خانے کی امداد اور فوجی بندوبست سے محروم رکھا گیا۔ اس کی پشت پر ہوائی جہاز نہیں تھے۔ ان سب اہم باتوں کے باوجود پاکستانی جوان مطلق پریشان نہیں ہوئے۔ وہ اپنا فرض ادا کرتے رہے انہوں نے ان تکلیف دہ حالات میں بھی اپنے پیشہ وارانہ

فرائض انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ اس کا حوصلہ ہمیشہ بلند رہا۔ انہیں وہاں ایک محدود اور محض دفاعی مقصد سے بھیجا گیا تھا لیکن انہوں نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ایک ڈویژنل کمانڈر نے بتایا کہ کشمیر میں چھ ماہ کے قیام میں انہیں اپنے افسروں اور جوانوں سے صرف ایک ہی شکایت موصول ہوئی اور وہ یہ کہ "ہم آگے کب بڑھیں گے؟"

وزیراعظم لیاقت علی خان کو بھی اس بات کا علم تھا۔ جنگ بندی کے بعد جب وہ پہلی بار کشمیر گئے تو انہوں نے جوانوں سے بات چیت کے دوران متعدد بار اس سلسلے میں حکومت کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ ۲۷ر جنوری ۱۹۴۹ء کو چناری کے مقام پر جوانوں کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔ "اگر آپ کو جارحانہ اقدامات سے نہ روکا جاتا تو ممکن ہے کہ آپ زیادہ علاقے پر قابض ہو جاتے لیکن پاکستان محض دفاعی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ توپوں کے ذریعے کیا جائے۔ ہماری خواہش ہے کہ کشمیری عوام اپنی قسمت کا فیصلہ ایک پرامن اور آزاد استصواب رائے سے کر سکیں۔ "غالباً" آپ میں سے کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ کی سرگرمیوں کو نہ روکا جاتا تو شاید آج نقشہ کچھ اور ہوتا۔ لیکن ہمارا یہ طرز عمل اس لئے رہا ہے کہ ہم یہ منوانے کیلئے کوشاں تھے کہ کشمیری اپنی قسمت اور اپنے مستقبل کا فیصلہ خود ہی کریں گے۔"

پاکستانی افسروں اور جوانوں نے اس صورتِ حال سے اور اپنی اس واقفیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جو انہیں ہندوستانی سپاہ کے متعلق حاصل تھی۔ لیکن ہندوستانیوں نے روایتی طریقوں کے مطابق جنگ لڑی جبکہ پاکستانی جوان شروع ہی سے یہ سمجھ گیا کہ اس کے مقصد کی کامیابی حتیٰ کہ کشمیر میں اس کا وجود بھی اس بات پر منحصر ہے کہ وہ

موقع محل کے مطابق جنگی چالیں اختیار کرے۔ چنانچہ اس کی تدابیر مثلاً "بھاری ہتھیاروں کے استعمال کا طریقہ مخالفین کیلئے ایک بالکل نئی بات تھی اس نے اپنے معمولی توپ خانے کو جس بے باکی سے استعمال کیا اس سے ہندوستانی چکرا گئے۔ انڈین ایئر فورس کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے پاکستانی فوج کی سرگرمیاں رات کی تاریکی ہی تک محدود ہو کر رہ گئیں حتیٰ کہ پاکستانی انجینئرز بھی راستے اور سڑکیں رات کے وقت تعمیر کرتے تھے۔ سورج غروب ہونے کے بعد آزاد کشمیر میں چیونٹیوں کی سی سرگرمی شروع ہو جاتی تھی غالباً" یہ غیر مروّجہ تدابیر تھیں جن سے پاکستانی فوج کو کشمیر کی لڑائی میں کامیابی نصیب ہوئی۔

دوسری باتوں کے علاوہ دونوں فوجیں سگنل کا ایک ہی ضابطہ اور کوڈ استعمال کرتی تھیں شاید ہی کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو جب اگلے علاقوں میں ہندوستانی سپاہ کے درمیان ریڈیو کے پیغامات پکڑے نہ گئے ہوں یا اسی Frequency کو استعمال کر کے ناقابل فہم نہ بنا دیئے گئے ہوں۔ ہندوستانی بھی یہی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ نئے ضابطے بننے لگے۔ تقرری کے مندرجہ ذیل خفیہ الفاظ (کوڈ) نمبر ۱۰۱ بریگیڈ نے شروع کئے تھے اور کشمیر کی جنگ میں عام ہو گئے تھے۔ یہ الفاظ لوگوں کیلئے دلچسپی کا باعث ہوں گے جو اس علاقے سے اور یہاں کی زبان سے واقف ہیں۔ مثلاً"

کمانڈر	امام
سیکنڈ ان کمانڈ	وزیر
ایڈجوٹنٹ	مارخور
سٹاف افسر انٹیلی جنس	چھوٹا
کوارٹر ماسٹر	ٹٹو

سگنل افسر	کبوتر
توپ خانے کا افسر	غاربین
انجینئر افسر	فرہاد
میڈیکل افسر	تعویذ
الیکٹریکل اور مکینیکل انجینئر	لوہار

قدرتی طور پر بعض لوگوں نے اپنے ان ناموں پر اعتراض کیا مگر یہ بدستور قائم رہے۔ ابتداء ہی سے خفیہ ناموں کا خبط ہو گیا تھا۔ ہر چیز اور ہر شخص کا اپنے نام کے علاوہ بھی دوسرا نام ضرور تھا۔ نہ جانے ہندوستانی ان عجیب و غریب ناموں سے کس حد تک پریشان ہوئے ہوں گے۔

کشمیر کی اس لڑائی سے کافی سبق سیکھے گئے۔ اور جب فوج کی نئے سرے سے ترتیب اور سکھلائی کی تجاویز بنائی گئیں تو ان اسباق سے بہت فائدہ اٹھایا گیا۔ سب سے اہم سبق یہ ملا کہ فوج کو قومی فوج کی طرح رہنا اور لڑنا سیکھنا چاہیے۔ یہ ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سے برطانوی فوج کا حصہ نہیں رہی تھی اس لئے اس کے ذرائع بھی محدود ہو گئے تھے۔

کشمیر میں جنگ تو بند ہو گئی مگر کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ پاکستانی سپاہ زیادہ تر جنگ بندی سے ناخوش تھی اس کے برعکس ہندوستانی سپاہ کو اس خبر سے بہت اطمینان اور خوشی ہوئی۔ ادھر پاکستانیوں پر جو اس خبر کا برا ردِ عمل ہوا تھا رفتہ رفتہ زائل ہونے لگا۔ انہیں پختہ امید تھی کہ کشمیر میں استصواب رائے بھی جلد ہو جائے گا۔ جنگ بندی کے معاہدے کے تحت فریقین نے یہ بات منظور کی تھی کہ وہ ان پوزیشنوں سے آگے نہیں بڑھیں گے جن پر جنگ بندی کے وقت ان کا قبضہ تھا۔ انہوں نے یہ بھی منظور کر

لیا تھا کہ وہ اپنی پوزیشنوں کو بہتر نہیں بنائیں گے اور کشمیر میں جنگی سامان میں اضافہ نہیں کریں گے۔ جنگ بندی کے فوراً" بعد کچھ عرصہ تک معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ منوّر کے علاقے میں ہندوستانیوں نے کچھ پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔

بدقسمتی سے یہ ابتدائی گرم جوشی زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکی۔ اور جیسے جیسے ہندوستانیوں کی نیت واضح ہوتی گئی پھر وہی تناؤ پیدا ہو گیا۔ استصواب رائے کی توقعات ختم ہو گئیں۔ ہندوستان ایک خطرناک صورتِ حال سے نکلتے ہی اپنے وعدے سے مکر گیا۔ ہندوستانی فوج نے ازسرِ نو منظم ہو کر اپنی دفاع بندی کو بہتر کرنا شروع کیا۔ اور آئندہ اقدامات کیلئے ایسی پختہ سڑکیں بنانا شروع کر دیں جن کو آئندہ جنگی کارروائیوں کیلئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ مستقبل کی لڑائی کیلئے ریاستی فوج کی یونٹوں اور ملیشیا کی دوبارہ تنظیم کی گئی۔ نئی یونٹیں تیار کی گئیں۔ انہوں نے آزاد کشمیر کے علاقوں خاص طور پر ٹیٹوال اور پونچھ میں چھاپے مارے۔ آزاد شہریوں کو گرفتار کرنے لگے۔ مویشی ہتھیائے گئے اور ان علاقوں کی آبادیوں کو پریشان کیا گیا جو آزاد سپاہ یا پاکستانی فوج کی حفاظت میں نہیں تھیں۔ ہندوستانیوں کی یہ حرکتیں خیر سگالی پر مبنی نہ تھیں۔ اقوام متحدہ کے مبصرین کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ لہٰذا ان کی حیثیت تماشائیوں کی سی تھی وہ بس اتنا کہہ کر کہ قصور کس کا ہے خاموش ہو جاتے تھے۔ ادھر ہندوستان ان کی تحریر و تقریر سے بالکل بے تعلقی کا اظہار کرنے لگا۔

جنگ بندی کے بعد پاکستانی فوج کے فرائض زیادہ سے زیادہ دشوار ہوتے گئے۔ اقوام متحدہ کے بہادر مبصرین نے مدد کرنے کی کوشش کی لیکن بعض موقعوں پر ان کا کام بہت کٹھن اور ایک حد تک ناخوشگوار ہوتا۔ آج بھی پاکستانی جوان اپنے آزاد

ساتھیوں کے شانہ بشانہ جنگ بندی لائن پر ایک سنتری کی حیثیت سے کھڑا ہے۔ وہ آزاد کشمیر کی آبادی کیلئے سلامتی و تحفظ کا نشان ہے اور مقبوضہ کشمیر کے دل شکستہ لوگوں کیلئے حق خود اختیاری دلانے کے پیامبر کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۹۵۱ء میں جنرل محمد ایوب خان نے بطور کمانڈر انچیف پاک فوج کی کمان سنبھالی۔ عسکری قیادت سنبھالتے ہی انہوں نے مختلف پیشہ وارانہ امور کی طرف توجہ دی مثلاً " فوج کی ازسرنو تنظیم کی یونٹوں اور فارمیشنوں کی ازسرِ نو صف بندی (RE-Deployment) کی' فارمیشنوں اور کمانڈروں کی ٹریننگ پر زور دیا اور پاکستان کی مشرقی اور مغربی سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات کا سدباب کرنے کیلئے فوری اقدامات کئے۔ بڑے پیمانے کی جنگی مشقیں شروع کیں مثلاً" ہیزرڈ (Hazard) ظالم مرکری' ولکن' ایجلٹی اور تیز گامی مشقوں کی طرح ڈالی جن کا اختتام ایک بڑی فوجی مشق پر ہوا جس کا کوڈ نام "نومبر ہینڈی کیپ" رکھا گیا۔ اس میں ۵۰،۰۰۰ ٹروپس نے حصہ لیا اور اسے مختلف غیر ملکی عسکری وفود مثلاً" امریکہ' برطانیہ' ترکی اور ایران نے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ اس مشق کے ختم ہونے پر ایوب خان نے کہا تھا "پہلی بار میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری فوج کسی بھی دشمن کو کامیابی سے روک سکتی ہے"۔۔۔ فوج کے ڈویژنوں کی مزید تنظیم نو کی گئی اور ان کے انصرامی اور لڑاکا اجزاء کو ازسرِ نو غلط ملط کر کے ان میں ایک متوازن ربط قائم کیا گیا اور اقتصادی مشکلات کے باوجود بین الاقوامی مارکیٹ سے عسکری ساز و سامان کی تلاش اور خرید کا کام جاری رہا۔ واحد مقصد یہی تھا کہ فوج کی حربی صلاحیتوں کو مزید کارگر اور مؤثر بنایا جائے۔

پاک فوج کے لئے امریکی امداد

اگست ۱۹۴۷ء میں حضرت قائداعظم نے پاکستان کی معاشی اور عسکری مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے امریکہ سے عسکری اور اقتصادی امداد دینے کو کہا تھا۔ بھارت اور افغانستان نے بھی یہی کیا۔ ۱۹۵۷ء کے آتے آتے امریکہ نے یورپ اور مشرقی ایشیاء میں اشتراکی خطرے کی توسیع کو روک دیا تھا۔ اب اس نے پاکستان کی جغرافیائی اور سٹریٹیجک اہمیت کے پیش نظر فیصلہ کیا کہ پاکستان کی مدد کرے۔ چنانچہ امریکن میوچل سیکورٹی پچسلیٹیشن کے تحت ۱۹۵۴ء کے اوائل میں امریکہ اور پاکستان نے میوچوئل ڈیفنس اسسٹنس ایگریمنٹ پر دستخط کر دیئے۔

۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۶۵ء تک کے بارہ برسوں کے درمیان پاکستان نے امریکہ سے ۶۵۰ ملین ڈالر کی عسکری امداد' ۶۱۹ ملین ڈالر کی ڈیفنس سپورٹ امداد اور ۵۵ ملین ڈالر کیش امداد وصول کی تاکہ بعض کمرشل عسکری خریداریاں کی جاسکیں۔ اس امریکی امداد نے پاکستان کی دفاعی صلاحیت میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ ہماری فائر پاور میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ حرکیت میں اضافہ ہوا اور ساڑھے پانچ ڈویژنوں کی کمانڈ' کنٹرول مواصلات اور انٹیلی جنس کی صورتحال بہتر ہوئی۔ مسلح افواج کو عصر حاضر کے عسکری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا گیا۔ دو کور ہیڈ کوارٹرز تشکیل دیئے گئے۔ بہت سے افسروں کو ٹریننگ کیلئے امریکہ بھیجا گیا۔ نئی چھاونیاں تعمیر کی گئیں اور موجودہ چھاؤنیوں کی توسیع کر کے انہیں جدید سہولتوں سے آراستہ کیا گیا۔

نئے پرچم اور فوجی وردی میں تبدیلی

۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان ایک جمہوریہ ریاست بنا چنانچہ ایک ری پبلک کے تقاضوں کے مطابق پاکستان نیشنل سٹینڈرڈ (پرچم) اور مختلف یونٹوں کے جھنڈے (Colours) ڈیزائن کئے گئے۔ اور برطانوی پرچموں اور اعزازات کی جگہ نئے اعزازات اور پرچم بنائے گئے فوج کی یونیفارم جو قبل ازیں خاکی رنگ کی تھی اسے پاکستانی مناسبت سے زیتونی سبز سفید رنگ میں تبدیل کر دیا گیا۔

مشرقی محاذ پر بھارتی جارحیت

مشرقی پاکستان کے شمال مشرقی علاقے میں ۱۹۵۸ء میں ایک واقعہ رونما ہوا جہاں مئی میں سرما کے علاقے میں ہندوستانی فوجوں نے پاکستانی کسانوں پر گولیاں چلائیں۔ اس کے بعد انہوں نے پتھاریا کے جنگل میں جو ایک متنازعہ علاقہ تھا اور دریائے پیان کے علاقے میں آتش بازی کی۔ پاکستان نے دوسرے مقامات پر جوابی کارروائی کر کے ہندوستان کی توجہ وہاں سے ہٹائی اور اس طرح اسے فائر بندی پر مجبور کر دیا۔ اس کے نتیجے میں دونوں مملکتوں کے نمائندوں کے درمیان جو کانفرنس ہوئی اس میں ہندوستان کی ہٹ دھرمی کے باعث کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ ہندوستان اس فائر بندی سے فائدہ اٹھا کر مزید فوج بطور کمک لے آیا۔ اور پاکستان کے خلاف پہلے سے بڑھ چڑھ کر نفرت انگیز پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ ہندوستان کے وزیر داخلہ نے تو یہاں تک دھمکی دی کہ ہندوستان اپنی عظیم طاقت کی نمائش کر کے ہی پاکستان کی عقل ٹھکانے لگا دے گا۔

اگست میں، ہندوستانی چپ چاپ پتھاریا جنگل میں گھس آئے اور مشرقی پاکستان کی مشرقی سرحد پر اکھوڑا کے قریب لکشمی پور گاؤں کے ایک حصے پر قبضہ کر کے کھلم کھلا جارحانہ کارروائی کی۔ اس حرکت پر انہیں سزا دینی ضروری تھی۔ میجر طفیل احمد

شہید نے چند سپاہیوں کو لے کر بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ ہندوستانیوں سے گاؤں خالی کرا لیا اور انہیں سخت جانی اور مالی نقصان بھی پہنچایا۔ اس معرکے میں میجر طفیل سمیت کئی جوانوں کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی اور میجر طفیل شہید کو پاکستان کا پہلا نشان حیدر عطا ہوا۔

۱۹۵۹ء کے آخر اور ۱۹۶۰ء کے اوائل میں دونوں حکومتوں نے سرحدی تنازعات کے بارے میں پرامن طریقے سے سمجھوتہ کیا۔ پاکستان کی ایک اور سرحد برما سے ملتی ہے۔ جہاں کبھی کوئی سنگین صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی دونوں حکومتوں کے درمیان اچھے اور دوستانہ تعلقات قائم تھے وہاں فقط دو حل طلب مسئلے در پیش رہے۔ ایک برما کے ان علاقوں کے بسنے والے مسلمانوں کا مسئلہ جو پاکستان کی سرحد سے ملے ہوئے تھے۔ دوسرا دریائے ناف کے چند جزیروں کی ملکیت کا سوال۔ ان مسئلوں کے بارے میں دونوں حکومتوں کے درمیان وقتاً" فوقتاً" غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئیں۔ لیکن دونوں طرف سے اعلیٰ سطح پر اس بات کی کوشش کی گئی کہ دوستانہ تعاون کے جذبے اور ہمسائیگی کے خوشگوار تعلقات کے تحت ان مشکلات کا حل تلاش کیا جائے۔

الغرض پاکستان کیلئے زیادہ مداخلت اور خطرے ہندوستان کی سرحدوں کی طرف سے پیش آتے رہے۔ ہندوستانیوں کو تو کوئی بہانہ چاہئے تھا۔ جہاں کوئی بات ہوئی اور انہوں نے اپنی فوجیں دوڑائیں۔ مقبوضہ کشمیر میں قانون ساز اسمبلی کو زبردستی عوام کے سر تھونپنا ہو یا کشمیر کے مسئلے کی طرف سے حفاظتی کونسل کی توجہ ہٹا کر اس مسئلے کو التوا میں ڈالنا ہو، انہیں یہی ایک بات سوجھتی تھی کہ پاکستان کی سرحدوں پر فوجیں ڈال کر جنگ کا ہوا کھڑا کر دیں۔ ممکن ہے وہ احتیاط کے طور پر ایسا کرتے ہوں یا اس خطرے کے پیش نظر کہ برصغیر پر ہمیشہ شمال مغرب کی طرف سے حملے ہوتے

رہے ہیں تو کہیں اس تاریخی روایت کا پھر اعادہ نہ ہو جائے، تاہم ہندوستانیوں کی یہ نقل و حرکت خطرناک ہوتی تھی۔ ایسے نازک اور کشیدہ حالات میں پاکستانی فوج کا کوئی حصہ تنگ آ کر صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو ممکن ہے کہ فوراً" جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں۔ ہندوستانی فوج جو آئے دن سرحد پر چڑھائی کرتی رہتی اس سے پاکستان کو بڑا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ کچھ عجب نہیں کہ کسی دن ہندوستان کے اندرونی سیاسی حالات ایسی شدید صورت اختیار کر لیں کہ ان کے تدارک کیلئے وہ اپنی فوجوں کو پاکستان میں داخل ہونے کا حکم دے دے۔ اس برصغیر کی تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات پہلے بھی پیش آئے تھے۔ سو سال پہلے کی بات ہے کہ ان جیسے ہی حالات میں سکھوں کی عظیم الشان فوج کو اپنی سرحدوں کے پار لشکر کشی کیلئے بھیجا گیا۔ جہاں برطانیہ کی فوجیں تیار اور چوکس بیٹھی ان کی راہ دیکھ رہی تھیں اور اس مہم میں سکھ فوج بالکل تباہ ہو گئی۔

پاکستانی فوج کو ان حالات سے نمٹنے کیلئے مسلسل ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ نقل و حرکت اس کیلئے ایک ڈرل بن گئی اور یہ مسلسل حرکت فوجی تربیت کے لحاظ سے اس کیلئے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ آج پاکستانی فوج اپنے ملک کی قومی آزادی اور علاقائی سالمیت کی محافظ بنی کھڑی ہے۔ اسی فوج کی بدولت یہ چھوٹا سا ملک طاقتور ہمسایوں کے درمیان حوصلے کے ساتھ ڈٹا ہوا ہے۔ جب موجودہ نسل باقی نہ رہے گی اور آنے والی نسلیں اسی زمانے کے واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گی تو برصغیر میں امن قائم رکھنے اور اسے انتشار اور فتنہ و فساد سے بچانے کیلئے پاکستانی فوج تحسین کی مستحق سمجھی جائے گی۔ اس مشکل دور میں اس کا نظم و ضبط، اس کی کارآوری اور کٹھن حالات میں اس کے افسروں اور جوانوں کا سنجیدہ اور پروقار رویہ۔ انہی اوصاف کو اس برصغیر کی آنے والی نسلیں اپنی خوشحالی اور فلاح کی بنیاد قرار دیں گی۔

رن کچھ کا تنازع

بھارت نے پاکستان کے خلاف جارحانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور اپریل ۱۹۶۵ء میں رن کچھ کے پاکستانی علاقے میں بعض فوجی دستے در آئے۔ تاہم ایک مختصر لیکن شدید معرکے میں ان دراندازوں کو باہر نکال دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ دونوں ممالک کی افواج مکمل طور پر لام بند (Mobilize) ہو گئیں اور ایک دوسرے کے سامنے ون ٹو ون ہو کر بیٹھ گئیں پاکستان نے جنگ بندی کی تجویز دی' جسے بھارت نے قبول کر لیا۔ ایک معاہدہ عمل میں آیا اور افواج ایک دوسرے کے سامنے سے ہٹ گئیں۔

آپریشن جبرالٹر اور آپریشن گرینڈ سلام

۱۹۶۵ء کے موسم گرما میں بھارت نے اپنی توسیع پسندانہ اور جارحانہ سرگرمیوں کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے عسکری مرکز ثقل کو انتہائی جنوب سے اٹھا کر انتہائی شمال میں منتقل کر دیا۔ یعنی رن کچھ سے نکلا تو کارگل کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ پاکستانی علاقوں میں شدید گولہ باری کی اور ہماری بعض حساس لیکن اکادکا اور الگ تھلگ پوزیشنوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح اس نے سیز فائر لائن (CFL) کی خلاف ورزی میں پہل کی۔ پاکستان نے اس کے جواب میں کشمیر میں (CFL) پر آپریشن جبرالٹر لانچ کیا جو ناکام ہو گیا۔ اس آپریشن کی ناکامی کے بعد آپریشن گرینڈ سلام شروع کیا گیا۔ چونکہ مظفر آباد کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اس لئے ہم نے بھمبر چھمب۔۔۔۔ اکھنور محور (Axis) پر یکم ستمبر ۱۹۶۵ء کو حملہ کر دیا۔ (عسکری اصطلاح میں حملہ کرنے اور ایڈوانس کرنے کیلئے جو روٹ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے آغاز اور انجام اور درمیان کے بعض مشہور مقامات کا ذکر کر کے اسے ایک محور کہا جاتا ہے۔ یہ محور گویا حملہ آور افواج کی پیش قدمی کا روٹ ہوتا ہے)۔ پاک فضائیہ بھی اس کارروائی میں شریک ہو گئی اور ہمارے بہادر شاہینوں نے ایک فضائی معرکے میں بھارتی فضائیہ کے چار ویمپائر (Vampire) طیارے آن واحد میں برباد کر دیئے۔ یہ نئی افواج پاکستان کی پیشہ ورانہ

برتری کا ایک واضح ثبوت تھا۔ ۵/ ستمبر ۱۹۶۵ء تک پاک فوج نے ٹینکوں، توپوں اور انفنٹری سے حملہ کر کے جوڑیاں پر قبضہ کر لیا۔ یہ قصبہ جنگ بندی لائن سے آٹھ کلو میٹر بھارت کے اندر واقع ہے۔ اب اکھنور سامنے تھا۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ

۵ اور ۶/ ستمبر کی درمیانی شب بغیر کسی رسمی اعلان کے بھارت نے بین الاقوامی سرحد عبور کی اور لاہور اور قصور کے محاذوں پر حملہ کر دیا۔ پاک فوج اور پاک فضائیہ نے لاہور کے محاذ پر دشمن کو روکا اور ۷/ ستمبر کو پاک فضائیہ کے ایک جواں ہمت سکواڈرن لیڈر ایم۔ ایم عالم (ستارہ جرأت) نے اپنے ایک ایف ۸۶ سیبر سے بھارت کے پانچ حملہ آور ہنٹر طیاروں کو مار گرایا۔ کسی ایک معرکے میں دشمن کے پانچ جہاز مار گرانا ایک عالمی ریکارڈ ہے۔ جسے آج تک کسی نے نہیں توڑا۔ ۶ اور ۷/ ستمبر کی درمیانی رات کو ایس۔ ایس۔ جی کی تین ٹیمیں پٹھان کوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ کے ہوائی اڈوں کو تباہ کرنے کیلئے بھیجی گئیں جنہوں نے بھارتی ائیر فورس کے درجنوں طیاروں اور اڈوں کو ناکارہ کر دیا۔

لاہور محاذ پر دباؤ کم کرنے کیلئے پاکستان نے کھیم کرن محاذ پر حملہ کیا۔ اس حملے میں ٹینک اور انفنٹری فارمیشنیں استعمال کی گئیں اور دو بڑی آبی رکاوٹوں کو عبور کر کے ۶ سے ۸ کلو میٹر اندر تک بھارت کے علاقے پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس حملے میں آرٹلری اور پاک فضائیہ کی سپورٹ بھی حاصل تھی۔ سلیمانکی اور راجستھان کے علاقوں میں بھی جارحانہ پیش قدمی کر کے کئی بھارتی علاقوں کو زیر تسلط لایا گیا۔

سیالکوٹ محاذ پر ۷ اور ۸ ستمبر کی درمیانی شب کو بھارت کی ون کور، نے

سیالکوٹ کے مشرق میں تین ڈویژنوں کی مدد سے ایک وسیع محاذ پر پاکستان کے ۱۵ انفنٹری ڈویژن پر حملہ کیا جس کی صرف ایک بٹالین (۳ ایف۔ ایف) اور ملی کمپنی ۱۳ ایف۔ ایف بطور سکرین آگے لگی ہوئی تھی۔ ہمارا ۲۴ انفنٹری بریگیڈ اس علاقے میں تھا جس نے صورتحال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ۲۵ کیولری کو مدد کیلئے بھیجا۔ ۲۴ انفنٹری بریگیڈ کو بریگیڈیئر عبدالعلی ملک اور ۲۵ کیولری کو لیفٹیننٹ کرنل نثار احمد ستارہ جرأت کمانڈ کر رہے تھے۔ پھر یہ معلوم ہوا کہ اس بھارتی یلغار میں انڈیا کا فرسٹ آرمرڈ ڈویژن بھی شامل ہے۔ جونہی اس خبر کی توثیق ہوئی پاکستان نے اپنا ۶ آرمرڈ ڈویژن (جو جی۔ ایچ۔ کیو ریزرو تھا اور جسے میجر جنرل ابرار حسین (ہلال جرأت) کمانڈ کر رہے تھے) لانچ کر دیا۔ اس کی نفری بھی ابھی پوری نہ تھی۔ محاذ ۳۰ میل طویل تھا۔ یہاں جنگِ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی لڑی گئی جسے چونڈہ کی لڑائی کہا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں ۲۴ انفنٹری بریگیڈ گروپ ۶ آرمرڈ ڈویژن کے زیر کمان تھا اور ۴ کور آرٹلری (زیر کمان بریگیڈیئر اے۔ اے۔ کے چودھری) اس کی سپورٹ میں تھی۔ بھارت کا یہ حملہ پسپا کر دیا گیا۔ اس کے بہت سے ٹینک برباد ہوئے اور بہت سا جانی نقصان ہوا۔ اس لڑائی میں پاک فضائیہ نے جنگ کا پانسہ پلٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۶ آرمرڈ ڈویژن نے جوابی یلغار کا ایک منصوبہ تیار کیا تھا لیکن اسے روبہ عمل لانے سے پہلے ہی بھارت نے سلامتی کونسل میں جنگ بند کرنے کی اپیل کر دی۔ بھارت نے تمام بین الاقوامی اور اخلاقی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بغیر کسی رسمی اعلان جنگ کے پاکستان پر حملہ کیا تھا جس کے نتیجے میں اسے کثیر تعداد اور مقدار میں جانی اور مادی نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ علاوہ ازیں دشمن کا ۱۶۱۷ مربع میل کا علاقہ ہمارے قبضہ میں آگیا تھا جبکہ ہمارے ۴۴۶ مربع میل علاقے پر دشمن نے قبضہ کیا۔ پاک فوج نے بھارت کے ۲۰ آفیسرز' ۱۹ جے سی او اور ۵۶۹ دوسرے عہدے دار جنگی قیدی بنائے۔

پاک بھارت جنگ کے بعد کے حالات

۱۹۶۶ء میں پاک فوج کا تیسرا ارتقائی مرحلہ شروع ہوا۔ امریکہ نے پاکستان کی عسکری امداد پر پابندی لگا دی اور دوسری طرف روس نے بھارت کی مسلح افواج کو سر سے پاؤں تک اسلحہ سے لیس کرنا شروع کر دیا۔ ایسے میں پاکستان نے چین' شمالی کوریا' جرمنی' اٹلی اور فرانس کا رخ کیا۔ چین کی دوستی موسموں اور ماہ و سال کی قید سے آزاد تھی۔ اس نے پاک فوج کو مکمل تین انفنٹری ڈویژن کھڑے کرنے میں مدد دی۔ ان ڈویژنوں کو توپیں اور منسلکہ گاڑیاں بھی چین نے فراہم کیں۔ چین نے پاکستان آرمی کو ۹۰۰ ٹینک اور پاک فضائیہ کو مگ۔ ۱۹(F) طیارے بھی فراہم کئے۔ فرانس نے میراج اور آبدوزیں مہیا کیں۔ ۱۹۶۸ء میں سوویت یونین نے بھی ۳۰ ملین ڈالر کی فوجی امداد دی۔ ۱۰۰ عدد ٹی' ۵۵ ٹینک اور ایم آئی ۸ ہیلی کاپٹر دیئے توپیں دیں اور دوسری مختلف قسم کی گاڑیاں بھی فراہم کیں۔ لیکن اس تمام کچھ کے باوجود پاکستان کی دفاعی صلاحیت میں صرف جزوی طور پر ہی اضافہ ہو سکا۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سانحہ

۱۹۷۱ء کے آغاز کے ساتھ ہی ہماری تاریخ کا بدترین سال شروع ہوا۔ اس میں بدترین سیاسی ہنگامے ہوئے جن کی آڑ میں بھارت نے پہلے خفیہ اور پھر اعلانیہ طور پر پاکستان کے خلاف جارحانہ عسکری اقدامات کئے۔

مشرقی پاکستان ایک سیاسی تنازع تھا جسے سیاسی ذرائع سے حل کیا جانا چاہئے تھا۔ تاہم ایسا نہ ہوا اور مارشل لائی حکومت نے بعض مہم جو سیاستدانوں کے جھانسے میں آ کر ۲۵ اور ۲۶ مارچ کی درمیانی رات مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کر ڈالا جس کے نتیجے میں وہاں کے طول و عرض میں بغاوت ہو گئی۔ پاکستان نے دو انفنٹری ڈویژن اور سول مسلح فورسز کے چند دستے طیاروں کی مدد سے وہاں بھجوائے۔ یہ اپریل ۱۹۷۱ء کے اوائل کی بات ہے اور ان دستوں کو سری لنکا کے راستے ۵۰۰۰ میل کا چکر کاٹ کر مشرقی پاکستان جانا پڑا کیونکہ بھارت نے اپنے علاقے پر سے تمام پاکستانی پروازیں بند کر دی تھیں۔ تاہم مئی کے اواخر تک پاک آرمی کے جوانوں' نیوی کے بہادر ملاحوں اور پاک فضائیہ کے جانباز شاہینوں نے بہت حد تک حالات پر قابو پالیا۔

جب بھارت کی خفیہ اور مکارانہ مداخلت ناکام ہو گئی تو اس نے اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے گرد چار گنا زیادہ ٹروپس جمع کر دیئے۔ کل ملا کر ۱۲ ڈویژن فوج

(۴۰۰۰۰ ٹروپس)' پانچ ٹینک رجمنٹیں اور پانچ ہزار مکتی باہنی گوریلا' جن کو بھارت کی ریگولر آرمی نے تربیت دی تھی۔ پاکستان کے خلاف صف آراء تھے۔ ان کو بھارتی بحریہ کے ایک طیارہ بردار' آٹھ تباہ کن بحری جہازوں' دو آبدوزوں اور تین لینڈنگ کرافٹس کی سپورٹ حاصل تھی۔ اس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان میں ہمارے پاس صرف آٹھ چینی کوسٹر' دو لینڈنگ کرافٹ اور چار گن بوٹ موجود تھیں۔ انڈین ایئر فورس کے گیارہ سکواڈرن (چار ہنٹر' ایک ایس یو سیون' تین مگ ۱۷ اور تین مگ ۲۱) اس جنگ میں مشرقی پاکستان کے اردگرد پانچ ہوائی اڈوں پر سے آپریٹ کر رہے تھے۔ ان کے مقابلے میں ہمارے پاس پرانے ایف ۸۶ سیبرز کا صرف ایک سکواڈرن تھا جو ڈھاکہ ایئر فیلڈ میں موجود تھا۔

۲۱ر نومبر ۱۹۷۱ء کو عید کا دن تھا۔ پاک فوج کو مشرقی پاکستان میں جارحانہ اور دشمنانہ ماحول میں آپریٹ کرتے ہوئے دس ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اس روز بھارتی فوج نے مشرقی پاکستان پر تین اطراف (مشرق' مغرب اور شمال) سے ۲۰ محاذوں پر حملہ کیا۔ بھارتی ڈویژنوں نے ہماری بریگیڈ پوزیشنوں پر اور ان کے بریگیڈوں نے ہماری بٹالینوں' کمپنیوں اور بعض اوقات صرف پلاٹون پوزیشنوں پر ٹینکوں' طیاروں اور توپوں کی مدد کے ساتھ حملے کئے۔ جب بھارتی افواج پاک فوج کی پوزیشنوں کو زیر کرنے میں ناکام رہی اور اسے بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تو اس نے منافقانہ چالوں کا سہارا لیا۔ ۱۶ر دسمبر تک بھارتی فوج کسی بھی قابل ذکر شہر پر قبضہ نہ کر سکی۔ صرف ایک جیٹو پر قبضہ کیا جو پاک فوج نے تدبیراتی وجوہات کی بناء پر غیر محفوظ چھوڑ رکھا تھا۔ پاک فوج کا یہ کارنامہ بڑا عظیم اور شاندار کارنامہ تھا۔ دشمن کو تعداد اور مقدار کی برتری حاصل تھی' مشرقی پاکستان میں موجود پاک فوج جو ہر طرف سے محصور ہو چکی تھی

تاہم اس نے بھارتی فوج پر کاری ضربیں لگائیں اور اسے زخم زخم کر ڈالا۔

جمال پور میں ہماری ایک بٹالین (۳۱ بلوچ) تھی۔ دشمن نے اسے ہتھیار ڈالنے کو کہا تو اس کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل سلطان احمد (ستارہ جرأت) نے ایک گولی لپیٹ کر مندرجہ ذیل پیغام دشمن کی طرف پھینکا۔

"تم لوگوں نے اب تک جو لڑائی دیکھی ہے وہ اصل لڑائی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ ہمارے لحاظ سے تو جنگ ابھی شروع بھی نہیں ہوئی لہٰذا مذاکرات ختم کرو اور لڑائی شروع کرو۔ اسی طرح ہلی کے محاذ پر ہماری ایک اور بٹالین (۴ ایف۔ایف) نے ۱۹ دن تک دشمن کی ۶ بٹالین کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور آخر کار ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو جب اسے بازو کش کر دیا گیا تو اسے ۲۰۵ بریگیڈ (بریگیڈیئر تجمل ملک) نے واپس بلا لیا۔ اس طرح فوج کی ساری یونٹوں پنجاب، بلوچ، ایف ایف، سندھ، آزاد کشمیر کے علاوہ آرمز (ARMS) اور سروسز نے یادگار معرکے لڑے۔ سول مسلح افواج بشمول ویسٹ پاکستان رینجرز اور پولیس نے بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ کھلنا میں بریگیڈیئر محمد جان (ستارہ جرأت) کے ۱۰۷ بریگیڈ نے دشمن کے پورے ایک ڈویژن کو نزدیک نہ آنے دیا۔ حالانکہ اس کے پاس ۵ بریگیڈ اور آرمرڈ رجمنٹ تھیں۔ یہ فارمیشن آخر دم تک لڑتی رہی اور ۱۷ر دسمبر کو ایسٹرن کمانڈ کے بار بار کی جنگ بندی کے احکامات کے باوجود دشمن کے دانت کھٹے کرتی رہی۔

مغربی محاذ پر جنگ کا آغاز

مغربی پاکستان میں یہ جنگ ۳ر دسمبر کو شروع ہوئی۔ بھارت نے شکر گڑھ محاذ پر بڑا حملہ کیا جس میں تین ڈویژن شامل تھے اور جنہیں تین آرمرڈ بریگیڈوں کی سپورٹ حاصل تھی۔ یہ حملہ ہمارے ۸ انفنٹری ڈویژن کے خلاف کیا گیا۔ تاہم دشمن کو بھاری جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ ہمارے ۸ آرمرڈ بریگیڈ نے (بریگیڈیئر محمد احمد ستارہ جرأت) کمال مہارت سے دشمن کے ٹینکوں کو بارودی سرنگیں بچھا کر روکا اور ظفروال کو دشمن کے ٹینکوں کی طرف سے بازو کش ہونے سے بچا لیا۔ چھمب، لاہور، قصور، سلیمانکی اور راجستھان سیکٹروں میں پاک فوج بھارت کے علاقے میں اندر جا کر لڑتی رہی۔ تاہم مطلوبہ نفری اور ایئر فورس نہ ہونے کی وجہ سے کوئی خاص فائدہ نہ ہو سکا۔ تاہم پاکستان کی تینوں مسلح افواج نے اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کے خلاف مؤثر کارروائیاں کیں۔ مغربی پاکستان میں ہماری جوابی یلغار لانچ کرنے کا منصوبہ بالکل تیار تھا کہ بھارت نے سلامتی کونسل میں جنگ بندی کا مطالبہ کر دیا۔

۴ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو امریکہ نے ایک قرارداد سلامتی کونسل میں پیش کی جس میں جنگ بندی اور بھارتی افواج کی واپسی کے مطالبات شامل تھے لیکن سوویت یونین نے اسے ویٹو کر دیا۔ اس کے بعد چھ مزید قراردادیں پیش کی گئیں جو کسی نہ کسی

طرح مسترد کر دی گئیں حتی کہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوط ڈھاکہ کا سانحہ پیش آیا۔۔۔ یہ جنگ بندی آخر کار ہتھیار ڈالنے پر منتج ہوئی۔ لیفٹیننٹ جنرل جیکب نے جو انڈین ایسٹرن آرمی کے چیف آف سٹاف تھے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے۔

"میں نے دستاویزات کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ان میں سے ایک پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے "ہتھیار ڈالنے کی دستاویز!"

نیشنل ڈیفنس کالج (NDC) ۱۹۷۰ء میں قائم کیا گیا۔ یہ افواج پاکستان کے سینئر افسروں کی عسکری تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے ۱۹۷۱ء کے سانحے کے بعد جنگ کی اعلیٰ قیادت کا وہ عنصر جس کی ازحد ضرورت تھی اس کی منظم تربیت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ قومی حکمت عملی، قومی قوت کے اجزائے ترکیبی، بحرانوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت اور اس قبیل کے بہت سے مضامین اس کالج کے نصاب میں شامل ہیں۔ پاکستان کے اردگرد کا آپریشنل ماحول اور بعض جغرافیائی اور سٹریٹیجک حقائق کی روشنی میں اپنے قومی اہداف کا ازسرِنو جائزہ لیا گیا۔ مغرب کے دفاعی ڈاکٹرین، جن پر ہم اب تک عمل کرتے چلے آئے تھے، ان کی کانٹ چھانٹ کی گئی۔ قرآن حکیم سے جنگ و جدال اور جہاد و قتال کے بارے میں رہنمائی لی گئی۔ قوت کے استعمال پر اندھا دھند عمل کرنے یا نہ کرنے کا نئے سرے سے جائزہ لیا گیا۔ غیر محدود جنگ کے تصور سے اجتناب کی راہ اختیار کی گئی، جنگ کی صورت میں خواتین، بچوں اور جنگی قیدیوں کے تحفظ کی طرف مزید توجہ دی گئی، وقار و احترام کے ساتھ امن کی تلاش کا ڈول ڈالا گیا اور ان حقائق پر ازسرِنو دھیان دیا گیا کہ کوئی دوست مستقل نہیں ہوتا اور کوئی دشمن بھی مستقل نہیں رہتا۔

بھارت کا پہلا ایٹمی دھماکہ

بارہ برس کی خفیہ کوششوں کے بعد بھارت نے ۱۸ر مئی ۱۹۷۴ء کو پوکھران کے مقام پر ایٹم بم کا پہلا دھماکہ کیا۔ یہ مقام پاکستان کی سرحد سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ بھارت اس خام خیالی میں مبتلا تھا کہ پاکستان کو مرعوب کر کے علاقے پر اپنی بالادستی جاری رکھ سکے گا۔ لیکن پاکستان نے بھارت کے جوہری پروگرام کا جواب تلاش کرنے کا ارادہ کر لیا اور ۱۹۸۶ء میں جوہری قوت حاصل کر لی۔ اگرچہ اس کا واشگاف اعلان ۱۲ برس بعد اس وقت کیا گیا جب بھارت نے پوکھران میں یکے بعد دیگرے متعدد ایٹمی تجربات کئے اور علاقے کا سارا توازن قوت بگاڑ کر رکھ دیا اور یوں قرآن حکیم میں جو حکم خداوندی ہے کہ دشمن کے دلوں میں خوف پیدا کرو، پاکستان کی جانب سے اس کی من و عن تعمیل کی گئی۔

سوویت یونین کی افغانستان پر یلغار

دسمبر ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین نے ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ ہمارے ہمسائے افغانستان پر ایک بڑا حملہ کر دیا۔ اس یلغار (Offensive) میں روس نے دو ایئر بورن ڈویژن' پانچ موٹر رائفل ڈویژن اور دو ایئر ڈویژن استعمال کیے۔ ان میں ۱۸۰ طیارے اور ۲۷۰ گن شپ اور دوسرے ہیلی کاپٹر شامل تھے۔ امریکہ نے پاکستان کو ۴۰۰ ملین ڈالر کی عسکری امداد کی پیشکش کی جسے پاکستان نے یہ کہہ کر نامنظور کر دیا کہ ایک ایسی فرنٹ لائن ریاست کیلئے جسے دو محاذوں پر دشمن کا سامنا ہو' یہ امداد "مونگ پھلی" کے برابر ہے۔

پاکستان کو دو محاذوں پر خطرات کا شکار ہونے کے پیش نظر ۱۹۸۱ء میں امریکہ نے ایک بار پھر 1.5 ملین ڈالر کی ملٹری امداد کی پیشکش کی۔ یہ امداد ایک پانچ سالہ پیکج تھا۔ جس میں ۴۰ عدد ایف۔۱۶ طیارے' ۱۰۰ عدد ایم۔۴۸ ٹینک ۶۴ عدد ایس پی گن (۱۵۵ ایم ایم)' ۴۰ عدد ایس پی ہوٹزر (۸ انچ دہانہ)' ۷۵ عدد گاڑیوں کی مدد سے کھینچے جانے والے ہوٹزر اور ۱۰۰۵ عدد ٹو (Tow) ٹینک شکن لانچر اور میزائل شامل تھے۔ جنوری ۱۹۸۰ء سے فروری ۱۹۸۹ء تک سوویت اور افغان طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں نے ایک ہزار سے زائد بار ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی کی۔ پاکستان

آرمی اور سول مسلح دستوں نے ۱۵۰۰ کلومیٹر طویل مغربی سرحد کو سیل کر کے زمینی خلاف ورزیوں کا سلسلہ بند کر دیا۔ پاکستان فضائیہ کے دلیر ہوابازوں نے نو برس تک سوویت اور افغان پائلٹوں کے خلاف جنگ لڑی۔ پاک فضائیہ نے دو عدد مگ۔ ۲۳' چار ایس یو۔ ۲۲' ایک عدد اے این۔ ۲۶ اور ایک عدد ایس یو ۲۵ طیاروں کو مار گرایا گیا اور اس کے روسی پائلٹ کرنل رستکوئی (Rustkoi) کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ کرنل کا تعلق سوویت فضائیہ سے تھا۔ اسے واپس کر دیا گیا۔ یہی پائلٹ بعد میں ۱۹۹۱ء میں روس کا نائب صدر بنا۔ پاک فضائیہ کے علاوہ پاکستان آرمی نے بھی دشمن کے تقریبا" ۱۰۰۰ طیارے اور گن شپ برباد کیے۔

سیاچن پر بھارتی یلغار

۱۹۸۴ء میں بھارتی فوج نے ۱۹۴۹ء میں کئے جانے والے جنگ بندی معاہدے اور ۱۹۷۲ء کے شملہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سیاچن گلیشیئر پر جارحانہ کارروائیاں کیں۔ ان کا مقصد ہمارے شمالی علاقہ جات اور سٹریٹیجک اہمیت کی قراقرم ہائی وے کو کاٹ دینا تھا۔ ایک ذیلی مقصد یہ بھی تھا کہ اس راستے سے افغانستان اور روس کے ساتھ زمینی راستہ (لنک) حاصل کیا جائے۔ ایک بار پھر ہماری مسلح افواج نے وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے بھارت کے ان مذموم عزائم کو ناکام بنادیا۔ سیاچن کی بلندیاں ۲۲۰۰۰ فٹ تک جاتی ہیں اور درجہ حرارت منفی ۴۰ ڈگری سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے۔ تاہم ان شدید مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پاک فوج نے دشمن کے ناپاک ارادوں کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔ اور آج تک ہمارے فوجی جوان اور افسر دشمن کے سامنے سینہ تانے کھڑے ہیں۔ خود بھارتی اندازوں کے مطابق سیاچن پر ۱۹۹۷ء کے آخر تک اس کے ۵۰ بلین روپے خرچ ہو چکے تھے اور ۲۰۰۰ سے زیادہ جانی نقصان دیگر نقصانات الگ تھے۔

بھارتی فوج کی ایکسرسائز "براس ٹیک" 1987ء

۸۷-۱۹۸۶ء کے موسم سرما میں بھارت نے ایک اور خطرناک عسکری چال چلی۔ اس نے ہمارے رحیم یار خان بہاولپور بارڈر پر ایک بہت بڑی عسکری مشق کے نام پر کثیر تعداد میں اپنی فوجیں جمع کر دیں۔ ان افواج میں نو عدد انفنٹری ڈویژن' تین عدد آرمرڈ ڈویژن' ایک عدد ائیر اسالٹ ڈویژن' تین عدد آرمرڈ بریگیڈ اور ان کے ہمرکاب جملہ فوجی ساز و سامان وغیرہ شامل تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے اب تک نیٹو (Nato) نے بھی کبھی اتنی بڑی مشق نہیں کی تھی۔ بھارت نے اس کا مقصد یہ بتایا کہ وہ نئی تنظیم اور نیا ڈاکٹرین ٹیسٹ کر رہا ہے۔ لیکن اصل مقصد ۱۹۶۵ء کی جنگ کی طرح' پاکستان پر اچانک حملہ کر کے اسے دو حصوں میں کاٹ دینا تھا اس پر پاکستان نے فوری ردّ عمل کیا۔ رئیل ٹائم (Real Time) انٹیلی جنس کا حصول اور برتر عسکری لیڈر شپ کے مظاہرے نے ایسی جوابی کارروائی کی کہ دشمن کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ پاکستان نے اپنے سٹریٹجک ریزرو اس ناگہانیت سے موو (Move) کروائے کہ دشمن کو اس کی ہوا تک نہ لگ سکی۔ وہ ان پاکستانی ریزرو کی لوکیشن کی خبر نہ پاسکا اور جب اس کے عسکری اعصاب' شکست سے دوچار ہونے لگے تو مجبوراً" سفید جھنڈی دکھا دی۔ بھارت کی "شاندار" عسکری قوت کے اس "عظیم الشان مظاہرے" پر بھارت کے

مفلس عوام کے ۳۰۰ کروڑ روپے خرچ ہوئے اور عسکری ساز و سامان کی توڑ پھوڑ اور ٹوٹ پھوٹ الگ ہوئی۔ اس ایکسر سائز کے ساتھ ہی بیک وقت بھارتی بحریہ نے بھی کارروائی کرنی تھی۔ اور ایک ڈویژن کے ساتھ کراچی کے کورنگی ایریا میں ایک برآبی (Amphibious) حملہ کرنا تھا۔ اس توجہ ہٹانے والے بھارتی حملے کا خاتمہ بھی "بالخیر" ہوا۔

سوویت یونین کی شکست وریخت

۱۹۸۹ء تک افغانستان میں سوویت یونین کی عسکری مشین رک کے رہ گئی۔ اس کے عسکری نقصانات شدید تھے۔ جانی اور مادی اختلافات کا گراف بھی بہت اوپر چلا گیا۔ مجبوراً" اسے اپنی افواج واپس بلانی پڑیں۔ اس دوران پاکستان نے جوہری صلاحیت بھی حاصل کر لی۔ پریسلر ترمیم کے تحت امریکہ نے ایک بار پھر اپنی تمام اقتصادی اور فوجی امداد روک دی۔ ۱۹۹۵ء میں براؤن ترمیم کے ذریعے پہلے سے طے شدہ معاہدے کے تحت ملنے والے عسکری ساز و سامان کی حالی عمل میں آئی۔ اس کے تحت ۳۶۸ ملین امریکی ڈالر کا عسکری ساز و سامان پاکستان کو دیا گیا جس میں ۲۴ عدد ایم۔ ۱۹۸ ہووٹزر' ۱۳۵ عدد ٹینک شکن ٹو (Tow) لانچرز' ۲۸ عدد اینٹی شپ ہارپون میزائل' تین عدد پی تھری سی (P-3C) امریکی طیارے شامل تھے۔ تاہم ۲۸ عدد ایف۔ ۱۶ جس کی قیمت ہم دے چکے تھے۔ وہ ہمیں نہیں دیئے گئے۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اس عشرے میں بھارت نے ۳۷۰۹ ملین امریکی ڈالر کا فوجی ساز و سامان درآمد کیا۔ یہ کسی بھی ترقی پذیر ملک کی طرف سے درآمد کیا جانے والا سب سے زیادہ سامان تھا۔ علاوہ ازیں بھارت کی اپنی دفاعی پیداوار کی انڈسٹری بھی مرعوب کرنے والی ہے۔ اس میں ۲۸۰۰۰۰ کارکن دن رات کام کرتے ہیں اور بھارت کی تیرہ چودہ لاکھ مسلح افواج کی دفاعی ضروریات کا ۳۱ فیصد ملک کے اندر تیار کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہیں کہ بھارت کی مسلح افواج دنیا کی چوتھی بڑی افواج ہیں!

ایٹمی دھماکے

۱۱ر مئی ۱۹۹۸ء کو بھارت نے اپنی جنگی جارحانہ پالیسی کو مزید تیز کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے پانچ ایٹمی دھماکے کر کے جنوبی ایشیا میں طاقت کا توازن پلٹ کر رکھ دیا۔ یہ امر نہ صرف پاکستانی فوج کیلئے ایک چیلنج تھا بلکہ بھارت کی اس حرکت سے پوری قوم کے جذبات میں ابال پیدا ہوا اور ساری قوم یک زبان ہو کر حکومت سے ایک ہی مطالبہ کرنے لگی کہ بھارت کے ایٹمی دھماکوں کا فوری جواب دیا جائے۔ تا کہ خطے میں طاقت کا توازن برقرار رہے۔ بالآخر ڈاکٹر عبدالقدیر کی قیادت میں پاکستان کے عظیم سائنس دانوں اور مسلح افواج کی کاوشیں رنگ لائیں امریکہ سمیت عالمی برادری کے زبردست دباؤ کے باوجود پاکستان چھ ایٹمی دھماکے ۲۸ر مئی ۱۹۹۸ء کو کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان ایٹمی دھماکوں کی کامیابی سے پاک فوج اور پاکستانی قوم کو نیا حوصلہ ملا۔ اس طرح دنیا کے تمام مسلمانوں کے سر فخر سے بلند ہو گئے۔ بلکہ ایٹمی میدان میں حاصل ہونے والی تمام کامیابیوں کا سہرا بلاشبہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کی ٹیم کے بعد پاک فوج کے سر جاتا ہے۔ جس نے ایٹمی سائنسدانوں کو ہر لحاظ سے تحفظ فراہم کئے رکھا۔

کارگل آپریشن

عیاری کے لحاظ سے ہندوؤں کا کوئی ثانی نہیں۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک بھارت نے پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا۔ اور نہ ہی اقوام متحدہ کی قراردادوں کے باوجود بھارت نے کشمیر کے مقبوضہ حصے میں رائے شماری کا اہتمام کروایا ہے۔ روس سمیت بڑی طاقتوں کا وزن ہمیشہ بھارت کے پلڑے میں حسب سابق دکھائی دیتا۔ اس مسئلے پر سیاچن سمیت چار جنگیں لڑی گئیں۔ دونوں جانب سے بھاری جانی و مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ لیکن یہ مسئلہ جوں کا توں ہی چلا آرہا تھا۔ مقبوضہ کشمیر میں ۷ لاکھ بھارتی فوج کے ہاتھوں گزشتہ دس سالوں میں ۷۰ ہزار کشمیری عورتیں بچے بوڑھے اور جوان جام شہادت نوش کر گئے اور لاکھوں کشمیری بھارتی جیلوں میں اذیتیں برداشت کر رہے تھے۔ ان حالات میں کشمیری مجاہدین نے اپنی مسلح جدوجہد کا انداز تبدیل کیا اور وادی کے مختلف مقامات پر کارروائیاں کرنے کی بجائے چند اہم مقامات پر قبضے کا پروگرام بنایا جو مقامات بھارتی فوج کیلئے انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ ان میں کارگل' دراس مشکو وادی کے مقامات شامل تھے۔ یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ'

دراصل کارگل ایک پہاڑی سلسلے کا نام ہے جس کی لمبائی ۴۴ میل اور چوڑائی ۷ میل ہے۔ اس میں کئی چھوٹی بڑی پہاڑیاں بھی ہیں جن کی اونچائی سطح سمندر سے ۱۴ ہزار سے

۱۶ ہزار فٹ بلند ہے۔

لداخ اور سیاچن کے محاذ پر تمام قسم کی سپلائی انہی پہاڑی سلسلوں سے گزر کر جاتی ہے۔ اگر ان پہاڑی چوٹیوں پر قبضہ کر لیا جائے تو بھارت کی سپلائی لائن کو با آسانی کاٹا جا سکتا تھا۔ صرف گرمیوں کے موسم میں ہی اس علاقے میں فوجی نقل و حرکت اور جنگی آپریشن ہو سکتے ہیں۔ موسم سرما میں یہ راستہ بند ہو جاتا ہے۔ یہ سڑک سری نگر کو کارگل، دراس، بٹالیک، لہیہ، لداخ اور سیاچن کو باہم ملاتی ہے چونکہ نومبر تا اپریل یہاں شدید ترین برفباری اور برفانی طوفان آتے ہیں اس لئے بھارتی فوج کا یہ معمول تھا کہ وہ کارگل کے گرد و نواح میں اپنے پختہ مورچوں کو خالی چھوڑ کر نیچے میدانی علاقوں میں چلی جاتی تھی۔ دسمبر ۱۹۹۸ء کو جب بھارتی فوج ان مورچوں کو چھوڑ کر نیچے اتر گئی تو مجاہدین نے نہایت خاموشی سے ان پر قبضہ کر لیا اور جیسے تیسے موسم گرما تک وہاں قیام بھی کر لیا۔ چونکہ پاک فوج کی اخلاقی حمایت کشمیری مجاہدین کو حاصل تھی۔ اس لئے پاک فوج بھی کنٹرول لائن پر اپنے مورچوں میں موجود رہی۔ مئی ۱۹۹۹ء کو جب بھارتی فوج کو اپنی سپلائی لائن کٹ جانے اور کارگل کی چوٹیوں پر قبضہ کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے چند ہزار مجاہدین کے خلاف جدید ترین اسلحہ سے لیس کئی لاکھ بھارتی فوج کو (جس کو فضائیہ کی مدد بھی حاصل تھی) کارگل کی چوٹیاں واپس لینے کا ٹارگٹ سونپا۔ لیکن بھارتی فوج اپنی تمام تر کوشش کے باوجود مجاہدین سے چوٹیاں واپس نہ لے سکی۔ جس کی وجہ سے سیاچن میں موجود بھارتی فوج کی سپلائی لائن تقریباً" کٹ کے رہ گئی۔ اب سیاچن تک رسائی کا واحد راستہ صرف ہوائی ہی رہ گیا تھا جو انتہائی مہنگا تھا۔ بہر کیف کارگل کے محاذ پر کشمیری مجاہدین کو جو بھرپور کامیابیاں حاصل ہوئیں ان میں پاک فوج کے جوانوں کا بھی بے حد کردار تھا۔ جو بھارتی فوج کے سامنے سیسہ پلائی

دیوار بن کے کھڑے ہو گئے۔ کارگل کے محاذ پر جرأت و بہادری کی ناقابل یقین داستانیں رقم کرنے پر پاک فوج کے دو جوانوں کیپٹن کرنل شیر خان اور حوالدار لالک جان کو فوج کے سب سے بڑے اعزاز نشان حیدر سے نوازا گیا ۲۶ افسروں اور جوانوں کو ستارہ جرأت جبکہ ۳۶ افسروں اور جوانوں کو تمغۂ جرأت عطا کیا گیا۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت جب بھارتی فوج مکمل اور واضح شکست دوچار ہو چکی تھی اور ان کیلئے فرار کا کوئی راستہ باقی نہ تھا۔ بھارتی حکومت نے امریکی صدر کلنٹن کا سہارا لیا اور جان خلاصی کرنے کی اپیل کی۔ امریکی صدر نے اس وقت کے وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف کو واشنگٹن بلایا اور ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مجاہدین اور پاک فوج کو کارگل سے واپس بلا لیں گے۔ چنانچہ مجاہدین اور پاک فوج نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر جو مقاصد حاصل کئے تھے وہ نواز کلنٹن معاہدے کی نذر ہو گئے۔ لیکن کارگل میں پاک فوج جوانوں اور افسروں کی جرأت و بہادری کو ہمیشہ تحسین کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاک فوج کا کردار

حالانکہ فوج کا اصل کام ملک کا اندرونی اور بیرونی دفاع ہے لیکن بعض اوقات کسی دوسرے کی مصیبت بھی آ گلے پڑتی ہے جس سے اگر دانشمندی سے عہدہ برآ نہ ہوا جائے تو ملکی سالمیت کو ناقابل یقین خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کچھ ایسی ہی صورتحال کا ہمارے وطن عزیز اور افواج پاکستان کو اس وقت کرنا پڑا جب 9/11 ستمبر 2001ء کو امریکی وزارت دفاع (پینٹا گون) اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو آناً فاناً تباہی سے ہمکنار ہونا پڑا۔ دوسرے لفظوں میں ان حادثات اور سانحات نے ساری دنیا کو نہ صرف ورطہ حیرت میں ڈال دیا بلکہ پریشان کر کے رکھ دیا۔ اس موقع پر امریکہ، برطانیہ سمیت ساری دنیا کی نگاہیں القاعدہ، طالبان اور طالبان کی پشت پناہی کرنے والے واحد ملک پاکستان کی طرف اٹھیں۔ اسی حوالے سے 21-09-2001 کو کانگریس کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر بش نے کہا کہ ہم نے اب تک جو شواہد اکٹھے کئے ہیں وہ دہشت گرد تنظیموں کے گروپ ''القاعدہ'' کی واضح نشاندہی کرتے ہیں القاعدہ کی دہشت گردی کیلئے وہی حیثیت ہے جو جرم کیلئے مافیا کی۔ اس کا نصب العین دولت اکٹھی کرنا نہیں بلکہ اپنے بنیادی عقائد کو دنیا بھر کے لوگوں پر مسلط کرنا ہے۔ اس گروہ کا لیڈر اسامہ ہے جس کا

افغانستان میں بڑا اثر ورسوخ ہے۔ افغانستان میں القاعدہ کے بیشتر جگہوں پر کیمپ قائم ہیں جہاں افغانستان اور اردگرد کے ممالک سے لائے جانے والے لوگوں کی دہشت گردی کے حوالے سے تربیت کی جاتی ہے۔ پھر انہیں دنیا بھر کے ممالک میں شیطانی منصوبوں پر عملدرآمد کیلئے پھیلا دیا جاتا ہے۔ القاعدہ کی قیادت کا افغانستان میں کافی اثر ورسوخ ہے اور طالبان حکومت ان کی سرپرستی کرتی ہے چنانچہ ہم طالبان سے درج ذیل مطالبات کرتے ہیں۔

1- اپنی سرزمین میں چھپے ہوئے القاعدہ کے تمام لیڈروں کو امریکی حکام کے حوالے کر دیں۔

2- تمام غیر ملکی بشمول امریکی شہریوں کو رہا کر دیں۔

3- افغانستان میں قائم دہشت گردی کی تربیت دینے والے تمام کیمپ فوری اور مستقلاً بند کر دیئے جائیں۔

4- امریکہ کو دہشت گردی کی تربیت دینے والے تمام کیمپوں تک مکمل رسائی حاصل کرنے دی جائے۔ طالبان کو یہ کام فوری اور یقینی کرنا ہے۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو طالبان بھی القاعدہ کے دہشت گردوں کی تقدیر کے ساتھی بن جائیں گے۔

5- عالمی دہشت گرد نیٹ ورک کو شکست دینے اور اسے تباہ و برباد کرنے کیلئے ہم ہر ممکن ذریعہ استعمال کریں گے ڈپلومیسی کا ہر ذریعہ، انٹیلی جنس کا ہر آلہ، قانون کے نفاذ کا ہر طریقہ، ہر اقتصادی اثر ورسوخ اور ضروری جنگی ہتھیار۔ یہ جنگ پہلی تمام جنگوں سے مختلف ہوگی۔

6- دہشت گردوں کو فنڈ اور دیگر امداد دینے والے ممالک کیلئے دنیا میں کوئی جگہ نہ ہوگی۔

7- ہم امداد اور تحفظ فراہم کرنے والے ممالک کا تعاقب کریں گے دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہر ملک کو صرف ایک فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ ہے یا پھر دہشت گردوں کے ساتھ۔

(یہ اقتباسات صدر بش کی تقریر سے لئے گئے ہیں)

ان حالات میں پاکستان جو پہلے ہی عالمی سطح پر امریکی' بھارتی اور اسرائیلی سوتیلانہ رویئے اور متعصّبانہ پالیسیوں کا شکار چلا آرہا تھا۔ ایک ایسے دوراہے پر آ کھڑا ہوا جس کے تمام تر راستے تباہی و بربادی کی طرف جاتے تھے۔ ایک طرف افغانستان کے مظلوم مسلمان اور طالبان تھے جو گذشتہ 20 سالوں سے عالمی برادری کے ناروا رویوں اور ظالمانہ پالیسیوں کا مسلسل نشانہ بنتے آرہے تھے۔ حتیٰ کہ مسلم ممالک کا روّیہ بھی ان کے ساتھ دوستانہ نہ تھا۔ تو دوسری طرف پندرہ کروڑ عوام کا ملک پاکستان تھا جس کو امریکہ سمیت ساری دنیا بلاشبہ طالبان کا سرپرست قرار دیتے تھے ویسے بھی طاقتور ممالک کو نافرمان قومیں ایک نظر نہیں بھاتیں۔ پھر افغانستان میں اسامہ بن لادن کی موجودگی نے معاملہ اور بھی گھمبیر بنا دیا تھا ان حالات میں جبکہ امریکی حکومت اپنے شہریوں کو مطمئن کرنے اور ان کا غم وغصہ کم کرنے کیلئے دہشت گردوں کے خلاف اعلان جنگ کر چکی تھی۔ ان حالات میں پاکستان کیلئے یہ فیصلہ کرنا انتہائی مشکل تھا کہ وہ کس طرح اپنے دفاع کے ساتھ ساتھ طالبان کو بھی امریکی حملوں سے محفوظ رکھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہمارے مدمقابل بھارت ہوتا تو ہم اس سے بخوبی نمٹ سکتے تھے بلکہ نصف صدی سے نمٹتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن جب ساری دنیا مقابل کھڑی ہو تو مصلحت کا یہی تقاضہ تھا کہ پہلے خود کو محفوظ کیا جائے پھر طالبان کا تحفظ کیا جائے۔

بدقسمتی سے ہمارا دشمن بھارت اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے امریکہ سمیت طاقتور ملکوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ دہشت گردوں کا سرپرست پاکستان ہے جو دنیا کے ہر حصے میں ہونے والی دہشت گردی کی وارداتوں کا ذمہ دار ہے۔ کشمیری مجاہدین اور طالبان بھی پاکستان کے ہی پیدا کردہ ہیں اس لئے بھارت کی بری' بحری اور فضائی افواج امریکہ کے ایما پر ہے۔ وہ جب چاہے پاکستان اور طالبان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے اسے استعمال میں لائے۔

بھارت کی تو یہ بھی خواہش تھی کہ پاکستان طالبان کی حمایت کرے کیونکہ اس طرح امریکہ کے ہاتھوں پاکستان کے قیمتی ایٹمی اثاثے تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو سکتے تھے جس سے بھارت جنوبی ایشیا کی واحد ایٹمی طاقت کا نہ صرف درجہ حاصل کر لیتا بلکہ علاقے کا تھانیدار بن بیٹھتا پھر کشمیر کا تنازعہ اور بھارت سے برابری کا معاملہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا کیونکہ امریکی یلغار کے بعد خدانخواستہ پاکستان اس قابل ہی نہ رہتا کہ کشمیر کی آزادی کی بات کر سکتا جبکہ اس کی اپنی ہی سالمیت خطرے میں پڑ چکی ہوتی۔

بھارت کی خواہش تھی کہ پاکستان ساری دنیا کے سامنے دہشت گرد یا اس کا حمایتی ملک کہلوائے اور اقتصادی پابندیوں کا شکار ہو کر اپنی موت خود مر جائے اس کے تمام دوست' دشمنوں میں بدل جائیں دوسری جانب پاکستان کے مذہبی حلقے اس بات پر شدت سے زور دے رہے تھے کہ پاکستان کو امریکہ کی بجائے طالبان کا ساتھ دینا چاہئے کیونکہ طالبان ہمارے دینی بھائی ہیں اور اپنے بھائیوں کے قتل میں شریک ہونا کسی مسلمان کیلئے گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔

ان حالات میں ساری دنیا کی نظریں پاکستان آرمی اور اس کے تیرھویں سپہ سالار جنرل پرویز مشرف پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ طالبان کا ساتھ دے کر خود کو دہشت گردوں کا

سرپرست کہلوانا پسند کرتے ہیں یا عالمی برادری کا ساتھ دے کر ایٹمی اثاثوں' ملکی سالمیت اور پندرہ کروڑ عوام کے تحفظ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ بے شک ان نازک لمحات میں تھوڑی سی غلطی یا حماقت بہت بڑے نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی۔

چنانچہ جنرل پرویز مشرف (جو اس وقت پاکستان آرمی کے کمانڈر چیف اور صدر مملکت کے بیک وقت دونوں عہدوں پر فائز تھے) نے 19-09-2001 کو قوم سے حکمت و دانش میں ڈوبا ہوا خطاب کیا۔ ان کی تقریر کے چند ضروری مندرجات یہاں درج کئے جاتے ہیں تا کہ قارئین اس وقت کے حالات کی سنگینی اور نزاکت کا بذاتِ خود اندازہ لگا کر کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

''میرے عزیز ہم وطنو! 9 ستمبر کو ہونے والے دہشت گردی کے واقع سے امریکہ میں شدید غم وغصے اور انتقام کی لہر دوڑ اٹھی ہے۔ ان کا پہلا ٹارگٹ اسامہ بن لادن دوسرا ٹارگٹ طالبان ہیں اور تیسرا ٹارگٹ ان دونوں کی سرپرستی کرنے والے ہیں۔

امریکہ نے اس جنگی مہم میں پاکستان سے سپورٹ مانگی ہے یہ سپورٹ انٹیلی جنس انفارمیشن ایکسچینج' فضائی حدود کا استعمال اور لاجسٹک کے شعبے میں معاونت ہے۔ اس وقت امریکہ کے جو ارادے ہیں ان کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کی قرارداد کی سپورٹ بھی حاصل ہے یہ قرارداد دہشت گردی سے جنگ کرنے اور ان لوگوں کو سزا دینے کے بارے میں ہے جو دہشت گردی کی حمایت کرتے ہیں تمام اسلامی ممالک نے اس قرارداد کی حمایت کی ہے۔ یہ تھی بیرونی صورتحال۔ اب میں آپ کو پاکستان کی اندرونی صورتحال سے بھی آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں 1971ء کے بعد ہم سب سے نازک دور سے گزر رہے ہیں ہمارے فیصلوں کے دورس اور وسیع نتائج نکل سکتے ہیں غلط فیصلے بدترین نتائج کے حامل ہوں گے جبکہ درست فیصلوں سے مثبت نتائج نکل سکتے ہیں۔

بدترین نتائج سے خدانخواستہ ہماری سالمیت اور بقا خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ہماری جوہری طاقت اور کشمیر کاز کو نقصان پہنچ سکتا ہے میں نے سروسز چیف سے مشورہ کئے۔ کور کمانڈر سے ملا۔ کابینہ اور نیشنل سیکورٹی کونسل اور میڈیا سے مشاورت کی۔ بھاری اکثریت حکمت اور تحمل کے حق میں ہے۔ جبکہ دس پندرہ فیصد لوگ جذباتی فیصلے کی طرف مائل ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے پڑوسی ملک کے کیا عزائم ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام ملٹری سہولتیں امریکہ کو آفر کر دی ہیں۔

انہوں نے اپنے ہوائی اڈے ان کی سہولیات' لاجسٹک سپورٹ امریکہ کو آفر کر دی ہیں وہ چاہتے ہیں کہ امریکہ ان کے ساتھ ہو جائے اور پاکستان کو ایک دہشت گرد ریاست ڈیکلیر کر دیا جائے اس طرح ہمارے سٹریٹجک اثاثوں اور کشمیر کاز کو نقصان پہنچایا جائے۔ بلکہ صبح دوپہر شام بھارتی ذرائع ابلاغ ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں میں ان کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستانی افواج اور ہر پاکستانی فرد پاکستان کے دفاع' سالمیت اور پاکستان سٹریٹجک اثاثوں کے تحفظ کیلئے اپنی جان دینے کو تیار ہے۔ اس وقت پوری ایئرفورس ہائی الرٹ ہے اور وہ Do and Die مشن کیلئے تیار ہے۔

ہماری چار ترجیحات ہیں۔ ملک کی حفاظت اور سالمیت' ملکی معیشت کی بحالی اور استحکام' ایٹمی اثاثے' نیوکلیئر اینڈ میزائل اور کشمیر کاز۔ یہ چاروں ہمارے کریٹیکل کنسرن ہیں جہاں ملک کے مفاد یا نقصان کا سوال ہو وہاں حکمت اور دانش سے کام لینا چاہئے۔ بغیر سوچ کے دلیری بیوقوفی ہوتی ہے۔ جرأت اور حکمت میں کوئی تصادم نہیں۔ حکمت سے کام لیتے ہوئے ہمیں اپنے آپ کو ہر ممکن نقصان سے بچانا ہے ملک کے وقار کو بلند کرنا ہے۔

مجھے اس وقت صرف پاکستان کی فکر ہے میں پاکستان کا سپہ سالار ہوں اور پاکستان کے دفاع کو سب سے زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ عوام کی بھاری

اکثریت ہمارے فیصلوں کے حق میں ہے مجھے معلوم ہے کہ کچھ عناصر ایسے بھی ہیں جو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ذاتی یا پارٹی کے ایجنڈے کو آگے بڑھا کر ملک میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اقلیت اکثریت کو یرغمال بنائے رکھے۔ میں تمام پاکستانی عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ یونٹی اور یکجہتی قائم رکھیں۔

پھر تاریخ نے ثابت کیا کہ افواج پاکستان اور اس کے سپہ سالار کا حکمت اور دانش کا فیصلہ قومی مفاد میں بالکل صحیح ثابت ہوا امریکہ اور اس کی اتحادی فوجوں نے افغانستان میں جس درندگی اور وحشت کا مظاہرہ کیا اس سے تقریباً 60 سے 65 ہزار افغانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ افغانستان تو پہاڑوں کا ملک ہے جہاں کارپٹ بمباری کر کے انسانی زندگی کو تلپٹ کر کے رکھ دیا گیا اگر خدانخواستہ پاکستان بھی امریکی یلغار کی زد میں آجاتا تو اس وقت کون یہ دیکھنے کیلئے زندہ رہتا کہ طالبان کی حمایت کرنے کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط۔ آج اگر ہم کسی حد تک باوقار ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر موجود ہیں تو اس کا سہرا پاک فوج اور اس کی قیادت کے دانش مندانہ فیصلوں کو جاتا ہے جس نے جذبات میں آنے کی بجائے تیزی سے بگڑتے ہوئے حالات کے مطابق بروقت فیصلے کئے۔

افواج پاکستان کی تاریخ میں ایک اور امتحان قبائلی علاقوں میں دہشت گردوں کی تلاش کے آپریشن کی شکل میں بھی آیا امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی اطلاعات کے مطابق جنوبی وزیرستان اور وانا میں اسامہ بن لادن سمیت القاعدہ کے لوگ چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف سے قبائلی علاقوں میں براہِ راست امریکی آپریشن کرنے کی اجازت مانگی جنرل پرویز مشرف نے میری ذاتی رائے میں دو وجوہات کی بنا پر امریکہ کو آپریشن کی اجازت نہ دی ایک وجہ یہ تھی کہ اگر امریکہ افغانستان کی طرح

بے رحمی سے قبائلی علاقوں میں آپریشن کرتا ہے تو بڑی تعداد میں بے گناہ اور معصوم پاکستانی قبائلی شہید ہو جاتے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ امریکہ کو پاکستان کے دیگر علاقوں تک آپریشن کی بھی اجازت مل جاتی جس سے ملکی سالمیت خطرے سے دوچار ہوتی۔ ان وجوہات کی بنا پر جنرل پرویز مشرف نے نہ چاہنے کے باوجود جنوبی وزیرستان اور وانا جیسے قبائلی علاقوں میں پاک فوج کے ذریعے آپریشن کروایا۔ اگر محبِّ وطن قبائلی حکمت اور دانش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے علاقوں میں پناہ لینے والے غیر ملکی عناصر کو یا تو افغانستان بھیج دیتے یا انہیں غیر ملکی کی حیثیت سے رجسٹرڈ کروا لیتے تو تصادم کی نوبت ہی نہ آتی تاہم ہٹ دھرمی اور ناعاقبت اندیش فیصلوں کی وجہ سے دونوں فریقین کو جانی و مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ جانی نقصان بھی اس وجہ سے ہوا کہ قبائلی علاقوں میں دوست اور دشمن کے درمیان فرق محسوس نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جس پر افواج پاکستان کی طرف سے جاں بحق ہونے والوں کی وقتاً فوقتاً مالی اعانت بھی کی جاتی رہی۔

لیکن یہ سب کچھ پاکستان اور قبائلی علاقے میں بسنے والے محبِّ وطن قبائلیوں کے تحفظ کیلئے کیا گیا تاریخ یہ بات ثابت کرے گی کہ افواج پاکستان ملکی سالمیت کے تحفظ اندرونی و بیرونی دفاع سے کبھی غافل نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر محبِّ وطن پاکستانی اسے دل و جان سے محبت کرتا ہے۔

پاک فوج کی حکمت عملی اور صلاحیتیں

پاک فوج پاکستان کا واحد منظم ادارہ ہے جو نہ صرف حیرت انگیز کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ ملکی اور علاقائی صورتحال پر بھی اثرانداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ افغانستان کی طویل جنگ ہو یا کشمیر کا تنازعہ۔۔۔۔ پاک فوج اور خصوصاً" پاکستان آرمی نے ان چیلنجز سے نبرد آزما ہو کر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ کنٹرول لائن پر کشیدگی یا بھارت کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والے پاک آرمی کے جوانوں اور افسران کے بلند حوصلوں، شجاعت اور صلاحیتوں نے بھارتی افواج کے سامنے ایک ایسی سیسہ پلائی دیوار کھڑی کر دی ہے جسے توڑنا اب ان کے بس کی بات نہیں رہی۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کارگل کے معرکے نے نہ صرف پاک فوج کے حوصلے مزید بلند کئے ہیں بلکہ یہ خطے کی ایک متحرک جنگجو قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے کیونکہ جب بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر دباؤ بڑھانے کی کوشش کی تھی تو پاکستان آرمی نے بھی بڑے پیمانے پر نقل و حرکت کی تھی۔

ہفت روزہ رسالے "جینز ڈیفنس" میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی سالمیت کو صرف بھارت سے خطرات لاحق ہیں اور پاکستانی فوج کی تمام تیاری اور تمام چھاؤنیاں مشرقی سرحدوں کے قریب ہیں جبکہ بھارتی بری فوج کی تعداد

980000ر ہے جبکہ پاکستان آرمی 520000ر نفوس پر مشتمل ہے۔

پاکستان کا سب سے قریبی اور دفاعی حلیف چین ہے جس کے تعاون سے پاکستان نے کئی دفاعی پروجیکٹس کی تکمیل کی ہے مزید کئی پروجیکٹس پر کام جاری ہے۔ پاکستان کا چین کے ساتھ ایسا کوئی باقاعدہ دفاعی سمجھوتہ نہیں ہے کہ وہ بھارتی جارحیت کی صورت میں پاکستان کا ساتھ دے گا لیکن چین کے بھارت کے ساتھ کشمیر میں سرحدی تنازعات موجود ہیں اور اس بات کی توقع ہے کہ اگر پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ ہوئی تو چین اپنی بھارت کے ساتھ ملنے والی 4000ر کلومیٹر طویل سرحد پر دباؤ میں اضافہ کر دے گا اور اسے برقرار بھی رکھے گا۔ پاکستان کے افغانستان اور ایران کے ساتھ دوستانہ و برادرانہ تعلقات ہیں اور ان سرحدوں کی نگہبانی کے فرائض فرنٹیئر کورز انجام دیتی ہیں۔

"جینز ڈیفنس" کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۰ء کی دہائی کے اواخر میں یہ حکمت عملی طے کی گئی کہ اعلانِ جنگ ہونے سے قبل دشمن پر حملہ کر دیا جائے تاکہ جنگ میں بھارت کی ابتدائی کامیابیوں کو رد کیا جا سکے' یہ پالیسی اب بھی برقرار ہے لیکن اس حکمت عملی کو اپنانے میں قباحت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ساری دنیا سے پاکستان کی مذمت کی جائے گی' اس کا تجربہ معرکہ' کارگل کے دوران ہو چکا ہے جب کنٹرول لائن پر ہونے والی یہ محدود جھڑپ پاکستان اور بھارت کو ایک خطرناک بڑی جنگ کی جانب لے گئی تھی۔ گو کہ فی الوقت حالات پر سکون ہیں لیکن برصغیر میں اس بات کا خطرہ بدستور موجود ہے کہ روایتی جنگ ایٹمی جنگ میں تبدیل ہو سکتی ہے' چاہے اس کی وجہ کسی کی غلطی ہو یا قومی وقار کی سربلندی کا نتیجہ۔۔۔۔ "جینز ڈیفنس" کے مطابق پاکستان اور بھارت کے پاس جدید اینٹیلیجنس سسٹم موجود نہیں ہے جس کے ذریعے وہ ایک

دوسرے کی جنگ کی تیاریوں یا بڑی جنگ کی صورت دوسرے فریق کے رد عمل کا اندازہ لگا سکے' امکان ہے کہ اس معاملے میں دونوں ممالک نے ایک دوسرے کے بارے میں غلط اندازے لگا رکھے ہیں علاوہ ازیں دونوں ممالک نے باقاعدہ طور پر اپنے نیوکلیائی ہتھیاروں کے استعمال کا لائحہ عمل وضع نہیں کیا اور نہ ہی نیوکلیائی ہتھیاروں کے ماحول میں " اسٹریٹیجک " یا "ٹیکنیکل" کمانڈر اور کنٹرول کیلئے مناسب فیصلہ سازی کی صلاحیت اور کمیونیکیشن سسٹمز موجود ہیں' دورانِ جنگ ایٹمی اہداف سے متعلق تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی افواج کو بروقت بتانا ممکن نہیں ہوتا لہٰذا اس بات کے امکانات بڑھ گئے ہیں کہ میزائل اپنی ہی افواج کو نشانہ بنالیں گے حتیٰ کہ دونوں ممالک میں بنیادی سول ڈیفنس کا نظام موجود نہیں ہے (کیونکہ اس کی تعمیر انتہائی گراں ہے) اگر دونوں ممالک میں ایٹمی جنگ چھڑ گئی تو اس کے نتیجے میں دونوں ممالک میں بہت بڑے پیمانے پر ہلاکت و دہشت پھیل جائے گی اور کروڑوں دہشت زدہ لوگ ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف نقل مکانی کریں گے۔

پاکستان نے ایک اسٹڈی سیل بنایا ہے جس نے فروری میں نیشنل کمانڈ اتھارٹی بنانے کی تجویز دی تھی جو "پالیسی بنانے کی ذمہ دار ہوگی اور اسٹریٹیجک آرگنائزیشنز اور اسٹریٹیجک نیوکلیئر فورسز کو رکھنے اور تعینات کرنے کی مجاز ہوگی۔" اس اتھارٹی میں ایک "ایمپلائمنٹ کنٹرول کمیٹی شامل ہوگی جس کی سربراہی حکومت کا سربراہ کرے گا اس کے علاوہ ڈویلپمنٹ کنٹرول کمیٹی اور اسٹریٹیجک پلانز ڈویژن اس کے سیکریٹریٹ کے طور پر کام کریں گے" لیکن تاحال اس معاملے میں کسی عملی اقدام کے کوئی شواہد نہیں ملے۔

بہر حال ایٹمی دھماکے کر لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پاکستان اور بھارت

ایٹمی جنگ لڑنے یا ایٹمی حملہ کرنے کے قابل بھی ہو گئے ہیں اور دونوں ممالک نے اپنی ٹیکنیکل حدود و قیود کو قبول کر لیا ہے اور دونوں ممالک کے مابین ایٹمی جنگ چھڑنے کے امکانات زیادہ نہیں ہیں جبکہ روایتی جنگ چھڑنے کے امکانات زیادہ ہیں۔

"جینز ڈیفنس" کی رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ پاکستان کی اسٹریٹیجک گہرائی زیادہ نہیں ہے لہٰذا اس مسئلے کا حل یہ تلاش کیا گیا ہے کہ مشرقی سرحدوں پر افواج کا اجتماع بھارت کی سرزمین میں پیش قدمی کیلئے کیا جائے اور شاید پاکستان آرمی دو مقامات سے پیش قدمی کر کے بھارتی سرزمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر قبضہ کرے گی۔ توقع ہے کہ ایک ڈویژنل فرنٹ کے 80/ سے 100/ کلومیٹر تک پیش قدمی کی جائے گی جبکہ جنگ کے ابتدائی مرحلے میں کمانڈرز کو فلینک اٹیکس کا سامنا کرنا پڑے گا مغربی اندازوں کے مطابق پاکستان آرمی میں نقل و حرکت کرنے کی یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ سرحدوں کے نزدیک واقع گولہ بارود کے ذخائر سے آگے اتنی دور تک جا سکتی ہے۔ پاک فوج کی کوشش یہ ہوگی کہ یہ قبضہ برقرار رہے چاہے بھارت کتنی ہی قوت کیوں نہ استعمال کر لے تاکہ بین الاقوامی مداخلت کی صورت میں دو تین ہفتے بعد جنگ بندی کے بعد مذاکرات میں بہتر سودے بازی ہو سکے۔

"جینز ڈیفنس" کے مطابق ۱۹۹۰ء سے پاکستان آرمی کی ساخت' آرگنائزیشن' تربیت' تعیناتی اور حکمت عملی "جوابی کارروائی" کے حساب سے بنائی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں آرمی کی حربی و ضربی صلاحیت میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے گو کہ اعداد و شمار کا توازن بھارت کے حق میں ہے تاہم حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پاکستان آرمی خصوصاً "بکتر بند اور ٹینک فورس' صفِ اوّل کا ایئر ڈیفنس' فوج کا مورال' قیادت اور وائرلیس' چھوٹے ہتھیار اور دیگر بنیادی آلاتِ حرب پاکستان آرمی کے پاس

بہت اچھے ہیں۔ بھارتی فوج کے پاس ان تمام چیزوں میں نقص ہے بلکہ دونوں افواج
میں اصل یہی فرق ہے یہی حال ایئر فورس کا ہے۔ بھارتی ایئر فورس کے لڑاکا طیاروں کی
تعداد 700/ ہے لیکن اس میں سے آدھے لڑائی کیلئے تیار نہیں ہیں جبکہ اچھے پائلٹس کی
کمی بھارتی فضائیہ کا سنگین مسئلہ ہے۔

پاکستان آرمی کے 9/ کورز (21/ ڈویژنز اور اس کے برابر اور خود مختار 8/
بریگیڈز) ہیں جنہیں جی ایچ کیو بغیر کسی درمیانی جی ایچ کیو کی مدد کے براہِ راست کنٹرول
کرتا ہے اور فوج اپنے 1,30 اور 4/ کورز کی کمان کیلئے شمالی ہیڈ کوارٹر کی اور 2,31/ اور
5/ کورز کی کمان کیلئے جنوبی ہیڈ کوارٹر کی ضرورت محسوس کرتی ہے فوج کے 1 اور 2
کورز اسٹرائیک فارمیشنز ہیں جبکہ 31,4,30/ اور 5/ کورز دفاعی کورز ہیں اور ان کی
انفنٹری اور توپخانے گاڑیوں کی مدد سے حرکت کرتے ہیں علاوہ ازیں آرمرڈ' میکنائزڈ
اور انفنٹری بریگیڈز صحیح مقامات پر متعین اور کیل کانٹے سے لیس ہیں جو اسٹرائیک
فارمیشنز کی کامیابیوں کو مستحکم اور دشمن کی توجہ دوسری طرف مبذول کروانے اور جوابی
حملہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ مغربی کورز' صوبہ سرحد میں 11 اور
بلوچستان میں 12/ کورز تعینات ہیں' 10/ کورز کشمیر میں آپریشنز گہرائی تک جا کر
نقل و حرکت اور پنجاب میں دشمن پر جوابی حملے کرنے کی ذمہ دار ہے۔

پاکستان کی ریزرو فوج کی تعداد تقریباً 5/ لاکھ ہے جن میں 45/ سال کی
عمر تک کے افراد شامل ہیں جنہیں وقتاً فوقتاً تین ہفتے تک کے تربیتی کورسز کرائے
جاتے ہیں نیشنل گارڈز کی تعداد ایک لاکھ 80/ ہزار ہے جو اہم مقامات کی بھرپور
حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے' نیشنل گارڈز کی مجاہد فورس کی تعداد 60/ ہزار
ہے جو فضائی حملوں سے دفاع کی صلاحیت بھی رکھتی ہے جبکہ جانباز فورس کے ایک

لاکھ ارکان اپنے گھروں کے نزدیک خدمات انجام دیتے ہیں اور نیشنل کیڈٹ کورز
کالجوں اور یونیورسٹیز میں تربیت حاصل کرتے ہیں جو بوقتِ ضرورت نیشنل گارڈز کیلئے
کمک فراہم کرسکتے ہیں۔

دفاعی ماہرین کے مطابق کسی بھی فوج کی کارکردگی کا معیار اس کی تربیت اور
تربیت کے معیار کو برقرار رکھنے پر ہوتا ہے۔ پاکستان آرمی کے افسران کی ابتدائی تربیت
پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول ایبٹ آباد میں ہوتی ہے جبکہ رجمنٹل اور کورپس ٹریننگ اور
دوسرے اعلیٰ تربیتی کورسز اسکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹکس اور کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج
کوئٹہ میں کرائے جاتے ہیں۔ فوجی افسران کو اعلیٰ ٹیکنیکل ٹریننگ نیشنل یونیورسٹی آف
سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی میں دی جاتی ہے جس کے تحت کالج آف میڈیسن' سگنلز' ملٹری
انجینئرنگ اور الیکٹریکل اینڈ میکینکل انجینئرنگ ہیں۔ یہ تمام ادارے سویلین' بحری اور
فضائی افواج کے تعلیمی اداروں سے منسلک ہیں اس کے علاوہ مشی گن اسٹیٹ امریکہ اور
کرینفیلڈ برطانیہ کی یونیورسٹیز سے بھی منسلک ہیں۔ فوجی یونٹس میں انفرادی اور
اجتماعی تربیت سالانہ بنیادوں پر کی جاتی ہے جو عموماً اعلیٰ درجے کی مشقوں کے موقع پر
کی جاتی ہے۔

جریدہ لکھتا ہے کہ پاک فوج میں کمپیوٹر پر جنگی مشقیں کرنے کا رجحان بڑھ گیا
ہے اور اس کے ساتھ ہی اسٹاف ورک میں اور خصوصاً لاجسٹکس کے شعبے میں بہت
بہتری آئی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں فوج کا دریا پار کرنا ہی کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا تھا لیکن اس
کے پاس گولہ بارود محدود ہونے کی بناء پر ان کی یہ کامیابی کچھ دھندلا گئی اس کے بعد
۱۹۸۹ء میں "ضربِ مومن" کے نام سے ہونے والی مشقوں نے کمانڈرز پر یہ بات
واضح کردی کہ لاجسٹکس کی اہمیت ہے اور محاذ جنگ پر لڑنے والی فوج کو مسلسل رسد کی

فراہمی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس کیلئے ایک قابلِ بھروسہ منصوبہ بنایا گیا۔

جریدے کے مطابق ضربِ مومن کے نتائج کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ فوج کا ڈھانچہ از سرِ نو ترتیب دیا جائے جس کے تحت ایئر ڈیفنس کمانڈ اور آرٹلری ڈویژن تشکیل دیئے گئے' اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ کمانڈ' کنٹرول اور کمیونیکیشن (C3) میں خصوصاً" ہیڈ کوارٹر سے یونٹ کی سطح تک ٹیکنیکل اطلاعات کی رسائی میں سنگین نوعیت کی خامیاں ہیں گو کہ اس شعبے کو ترقی دی گئی ہے لیکن فنڈز کی کمی کے باعث وہ کام نہیں ہو سکا جو ہونا چاہئے تھا بہرحال فوج میں سیٹلائٹ کمیونیکیشن اور محفوظ ذرائع مواصلات کا استعمال بہت زیادہ بڑھ گیا ہے لیکن یہ فی الحال صرف اسٹرائیک فارمیشنز اور دیگر خود مختار فورسز کی حد تک محدود ہے۔

"جینز ڈیفنس" نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ۱۹۹۰ء میں امریکہ کی جانب سے پاکستان پر پابندیاں عائد کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کے چین اور شمالی کوریا سے دفاعی مراسم مزید مستحکم ہو گئے اور چین' پاکستان کی اسلحہ سازی کی صف میں معاون و مددگار بن گیا۔ پاکستان نے ساری دنیا سے فوجی ساز و سامان اور پرزوں کی خریداری شروع کر دی اور مقامی سطح پر گولہ بارود اور پرزہ سازی بھی شروع کر دی' ایٹمی دھماکوں کے بعد مغربی ممالک میں فوجی افسران کی تربیت پر پابندی سے رابطے منقطع ہوئے اور تینوں مسلح افواج میں امریکہ مخالف جذبات ابھرے لیکن خصوصاً" آرمی کے جونیئر افسران میں امریکہ مخالف جذبات میں شدت پیدا ہوئی جو پھیل کر عمومی مغرب مخالف جذبات میں تبدیل ہو گئے۔

۱۹۹۰ء میں پاکستان آرمی ایئر ڈیفنس کمانڈ بنائی گئی جس میں تین اینٹی

ایئر کرافٹ آرٹلری (اے اے اے) گروپس (8/ بریگیڈز) شامل ہیں لیکن بدقسمتی سے فنڈز کی کمی کے باعث آرمی اور ایئر فورس زیادہ مشترکہ مشقیں نہیں کر سکے ہیں۔ اس میں زیادہ تر (TOED) ٹوڈ طیارہ شکن توپیں جیپوں یا گاڑیوں پر لگے ہوئے زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل شامل ہیں جن میں اسٹنگر آر بی ایس 70- (180/ لانچرز) اور چینی ساختہ این ایچ 5 مقامی طور پر تیار کردہ عنزہ میزائل یونٹس کو دیئے گئے ہیں۔

پاکستان کے دو مرکزی پیرا ملٹری گروپس اور پانچ اہم سویلین آرگنائزیشنز ہیں جو پولیس کے اسٹائل میں کام کرتی ہیں۔ "جینز ڈیفنس" کی رپورٹ کے مطابق پاکستان آرمی کی 65000/ افراد پر مشتمل فرنٹیئر کورز دو حصوں ایف سی بلوچستان اور ایف سی صوبہ سرحد میں منقسم ہے جس کے ہر حصے کی کمان میجر جنرل کرتے ہیں۔ ایف سی بلوچستان کی زیادہ تر توجہ اسمگلنگ کی روک تھام پر ہے جبکہ ایف سی صوبہ سرحد قبائلی علاقوں اور سرحد پر امن و امان کی بحالی اور اسے قائم رکھنے کا کام کرتی ہے۔ ایف سی کے بلوچستان میں 11/ کورز اور صوبہ سرحد میں 12/ کورز ہیں جن کے نام مکران سکاؤٹس سبی سکاؤٹس' پشین سکاؤٹس' ژوب ملیشیا میوند' رائفلز' بھنبھور رائفلز' غازابند اسکاؤٹس' چاغی ملیشیا اور صوبہ سرحد میں خیبر رائفلز اور کرم ملیشیا' ٹوچی سکاؤٹس' ان یونٹس کے جوانوں کا مورال بلند ہے اور یہ اپنے علاقوں سے مکمل طور پر واقف اور اچھے تربیت یافتہ ہیں تاہم یہ ہلکے ہتھیاروں سے مسلح ہیں' ملک کے اندر سیکورٹی کی ذمہ داریاں بحسن و خوبی سنبھالنے کے اہل ہیں۔

"جینز ڈیفنس" ویکلی کی رپورٹ کے مطابق پاکستان رینجر (جن کی تعداد 25/ سے 30/ ہزار ہے) کی کمان ٹو اسٹار ڈائریکٹر جنرل کرتے ہیں اور اس کی تین

کمانڈز ہیں چناب رینجرز، ستلج رینجرز، انڈس رینجرز، کراچی میں متعین یوں تو سندھ رینجرز وزارتِ داخلہ کو جواب دہ ہے در حقیقت یہ 5/ کورز کی ماتحت فورس ہے جو مقامی امن وامان قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے اس کے علاوہ دو گروپس پاک بھارت سرحد پر تعینات ہیں جن کی ذمہ داری سرحدوں کا دفاع اور سرحدوں کے نزدیک بسنے والوں کا تحفظ اور سرحدوں کے ساتھ بھارتی فوجی نقل و حرکت کی نچلی سطح کی انٹیلیجنس رپورٹ اکٹھی کرنا اسمگلنگ اور ڈکیتیوں کی روک تھام میں پولیس کی مدد کرنا اور واہگہ بارڈر کی گارڈ ڈیوٹی شامل ہے۔ رینجرز اور فرنٹیئر کورز اپنے شعبوں میں مشاق ہیں اور اگر جنگ ہوئی تو چھاپہ مار جنگ میں یہ دونوں فورسز بہت مؤثر ثابت ہوں گی۔ علاوہ ازیں 2000 کوسٹ گارڈز اسمگلنگ کی روک تھام کرتے ہیں جبکہ لیویز اور خاصہ دار' بلوچستان اور صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں میں پولیس کا کام کرتے ہیں۔

ناردرن لائٹ انفنٹری رجمنٹ کی 13 بٹالین (تقریباً 12000 آدمی) شمالی علاقہ جات کے بلند وبالا پہاڑوں میں سرحدوں کی نگہبانی کرتی ہیں' ان کا ہیڈ کوارٹر بونجی میں ہے جس کی کمان فورس کمانڈر ناردرن ایریاز کرتے ہیں۔ این ایل آئی میں پہاڑوں کے بیٹے ہی خدمات انجام دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بلند وبالا پہاڑوں میں ان کی کارکردگی بہترین ثابت ہوئی ہے۔

نیوکلیئر یونٹس

۱۹۸۹ء میں کھاریاں چھاؤنی میں ایٹمی میزائل رجمنٹ کی تشکیل کے ساتھ ہی ایک نئے عہد کا آغاز ہوا تاہم مجموعی طور پر آرمی نیوکلیئر ڈاکٹرائن سے ناواقف ہے۔ فروری میں حتف اے 1 میزائل کے حالیہ تجربے اور وار ہیڈ چھوٹا بنانے کی خبروں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ 100/ کلومیٹر مار کرنے والا یہ میزائل اب ایٹمی وار ہیڈ لے

جانے کے قابل ہو گیا ہے۔ "جینز ڈیفنس" کے مطابق اس میزائل کیلئے نیا لانچر بنایا گیا ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب یہ میزائل یونٹس کو دینے کے قابل ہو گیا ہے اور شاید چار بیٹریز کو دو دو لانچرز دیئے جائیں گے اس کے علاوہ دیگر میزائل یونٹس بھی بنائے گئے ہیں جو ۱۹۹۴ء سے تربیت کر رہے ہیں' ان یونٹس کے پاس چینی ایم۔11 میزائل ہیں جو ایٹمی ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں' غوری میزائل بھی ایٹمی وار ہیڈ لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ پاکستان نے ابھی غوری میزائل کیلئے ایٹمی وار ہیڈ بنایا ہے' پاکستان کی زمین سے زمین تک مار کرنے والے شارپ رینج میزائل بھارت کے میزائلز سے کہیں زیادہ اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل اور جدید ہیں۔

آئیڈیاز 2004۔ پاکستان کی اعلیٰ پیمانے پر تیسری دفاعی نمائش

کراچی کے ایکسپو سنٹر میں دفاعی نمائش IDEAS-2004 ہوئی نمائش کا افتتاح 16 ستمبر 2004 کو صدر مملکت جنرل پرویز مشرف نے کیا تھا۔ آئیڈیاز 2004ء تیسری دفاعی نمائش تھی پہلی دفاعی نمائش 2002ء میں منعقد ہوئی تھی۔ آئیڈیاز 2004ء کی نمائش میں 36 ممالک کے 55 وفود نے شرکت کی۔ نمائش میں پاکستان میں تیار ہونے والے ٹینک، جنگی طیارے اور آبدوزوں سمیت 1200 دفاعی اشیاء رکھی گئی تھیں۔ نمائش میں 4 ہزار سے زائد غیر ملکی مندوبین نے شرکت کی۔ امریکہ، چین، جرمنی، فرانس، افغانستان، آسٹریلیا، بلجیم، یونان، اٹلی، ملائیشیا، رومانیہ، سویڈن، تھائی لینڈ، ہالینڈ، ترکی، متحدہ عرب امارات اور برطانیہ کی اسلحہ ساز فیکٹریوں نے اپنا اسلحہ نمائش میں رکھا۔ ان کمپنیوں کی جانب سے جو دفاعی مصنوعات رکھی گئیں ان میں چھوٹے ہتھیار، راکٹ، میزائل، الیکٹرونکس اور آپٹیکل آلات، راکٹ لانچر، ٹینک، لڑاکا اور تربیتی طیارے شامل تھے نمائش میں شریک غیر ملکی مہمانوں میں ان ممالک کی مسلح افواج کے نمائندے اور دفاعی وزارتوں کے اعلیٰ عہدیدار شامل تھے۔ ایکسپو سنٹر کے ہال نمبر 4 میں پاکستان میں تیار ہونے والی دفاعی مصنوعات نمائش کیلئے پیش کی گئیں۔ پاکستانی ادارے سے ایئر ویپن کمپلیکس کا تیار کردہ بغیر پائلٹ کے طیارہ اور دیگر

مصنوعات غیر ملکی مندوبین کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ اس ادارے نے اینٹی آرمر اور اینٹی پرسونل ہتھیاروں کی وسیع رینج ملک میں تیار کی ہے۔ ملک کی تینوں مسلح افواج کو فراہم کرنے کے علاوہ ان آلات کی برآمد بھی جاری ہے۔ دفاعی نمائش کا اہتمام ڈیفنس ایکسپورٹ پروڈکشن آرگنائزیشن DEPO نے کیا تھا جس کے سربراہ میجر جنرل سید علی حامد ہیں جو گذشتہ تین سال سے دفاعی ساز و سامان کی نمائش کا کامیابی سے انعقاد کر رہے ہیں۔

چھوٹے ہتھیاروں سے دور مار آرٹلری تک نقل و حمل کیلئے مختلف اقسام کی فوجی گاڑیاں، ٹینک اور آرمرڈ پرسونل کیریئرز (بکتر بند گاڑیاں) ہر قسم کے جنگی طیارے، تیز رفتار بوٹس، آبدوزیں کمپیوٹرائزڈ تارپیڈو تک پاکستان کو درآمد کرنا پڑتی تھیں۔ مسلح افواج کیلئے جوتے، یونیفارم، خیمے اور کمیوفلاج ٹینٹس پاکستان ہی میں تیار ہوتے ہیں۔ تاہم بھاری جنگی ساز و سامان کی درآمد کیلئے پاکستان کو خطیر زرمبادلہ خرچ کرنا پڑتا۔ تقسیم برصغیر کے وقت پاکستان میں ایک بھی آرڈیننس فیکٹری موجود نہیں تھی جبکہ دفاعی صنعت میں نجی شعبہ سرے سے شامل ہی نہیں تھا۔ 1951ء میں اس وقت کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان نے پاکستان کی پہلی آرڈیننس فیکٹری کی واہ کینٹ میں بنیاد رکھی جہاں ابتداء میں ہلکے ہتھیار اور ایمونیشن تیار کئے جاتے تھے۔ 1970-80ء کے عشرے کے دوران پاکستان آرڈیننس فیکٹریز میں ہلکے، بھاری ایمونیشن اور طیاروں کے بم تیار ہونے لگے۔ اس پیش رفت کے باوجود قومی خزانے پر دباؤ میں کوئی کمی نہ آسکی جس کی وجہ سے دفاعی منصوبہ سازوں نے زرمبادلہ کے ذخائر پر دباؤ کم کرنے کیلئے منصوبہ بندی کا آغاز کیا اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم دفاعی آلات کی ضروریات میں خود کفیل ہو چکے ہیں بلکہ دوست ممالک کو چھوٹے بڑے ہتھیار برآمد بھی کر رہے ہیں۔ دفاعی ضروریات میں خود کفالت کے بعد ہتھیاروں کی برآمد کی ضرورت پیش آئی تو موجودہ حکومت نے ڈیفنس ایکسپورٹ پروڈکشن

آرگنائزیشن DEPO کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو جوائنٹ سروسز ہیڈکوارٹر کے ماتحت کام کرتا ہے جو پاکستان کے فوجی ساز وسامان کی نمائش کا مؤثر ذریعہ ہے اور پاکستان کی دفاعی مارکیٹ میں دلچسپی رکھنے والے غیرملکی مینوفیکچررز کو اپنی مصنوعات کی نمائش کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔اس طرح DEPO پاکستان کی دفاعی پلاننگ کی ضرورت میں بڑے خلا کو پر کرنے کا ذریعہ ہے۔

پاکستان آرڈیننس فیکٹریز مسلح افواج کیلئے آرمز اینڈ ایمونیشن کی تمام ضروریات پوری کرتی ہیں۔پی او ایف میں تیار ہونے والے فوجی ساز وسامان کے معیار کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے۔اس ادارے میں کل 14 فیکٹریاں ہیں جبکہ اس کی دو برانچیں حویلیاں اور سنجوال (اٹک) میں دن رات اسلحہ سازی میں مصروف ہیں۔دفاعی ساز وسامان کی دوسری بڑی فیکٹری ٹیکسلا میں قائم ہے۔اس فیکٹری کا نام ہیوی ڈیفنس انڈسٹریز ہے جہاں الخالد اور الضرار ٹینک کے علاوہ فوجی گاڑیاں تیار کی جاتی ہیں۔ایروناٹیکل کمپلیکس کامرہ پاکستان کی تیسری بڑی دفاعی فیکٹری ہے جہاں پہلے سے موجود جنگی طیاروں کی اوور ہالنگ کے علاوہ مشاق طیارے بھی بنائے جاتے ہیں۔ان تینوں دفاعی اداروں کی مصنوعات آئیڈیاز 2004ء کی نمائش میں رکھی گئی تھیں۔

پاکستان کو سعودی عرب سے 20 مشاق طیاروں کی خریداری کا پہلے ہی پرڈر مل چکا تھا جبکہ جنوبی افریقہ نے بھی 8 سپر مشاق طیارے خریدنے میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔قبل ازیں ملائیشیا کو اینٹی ٹینک گائیڈڈ میزائل فروخت کئے گئے۔DEPO کے ڈائریکٹر جنرل میجر جنرل سید علی حامد کے مطابق دفاعی برآمدات 4 کروڑ ڈالر سے بڑھ کر 10 کروڑ ڈالر ہوگئی ہیں۔یہ نمائش جو خطے میں ہونے والی سب سے بڑی دفاعی نمائش تھی اس میں ملکی سطح پر تیار ہونے والے میزائل نظام' مشاق طیاروں اور الخالد ٹینک میں غیرملکی مندوبین اور فوجی

ماہرین کی جانب سے غیرمعمولی دلچسپی ظاہر کی گئی۔

آئیڈیاز 2004ء کے آخری روز مندوبین کو بلوچستان کے علاقے سونمیانی لے جایا گیا جہاں دوالخالد ٹینک' گائیڈڈ میزائل اور دیگر میزائل سسٹم کا عملی مظاہرہ دیکھا۔

نمائش کے پہلے روز صدر جنرل پرویز مشرف اپنی اہلیہ صہبا پرویز مشرف کے ہمراہ نمائش میں شریک ہوئے اور انہوں نے غیرملکی وفود اور فوجی افسران کے ہمراہ الخالد اور الضرار ٹینکوں کا عملی مظاہرہ دیکھا۔غیرملکی وفود کو اسپیشل سروسز گروپ کی جانب سے دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کا عملی مظاہرہ دکھایا گیا جس میں غیرملکی ماہرین نے خصوصی دلچسپی لی۔نمائش کے پہلے روز پاک فضائیہ کے سربراہ ایئر چیف مارشل کلیم سعادت نے پریس بریفنگ کے دوران بتایا کہ چین کے تعاون سے سپر مشاق کے بعد 2JF-17 THUNDER طیاروں کی پاکستان میں تیاری پاک فضائیہ کی اہم کامیابی ہے۔2006ء تک پاکستان 16 طیارے تیار کرلے گا۔اس حوالے سے سعودی عرب کے ساتھ 34 ملین ڈالر کے سپر مشاق طیارے خریدنے کا معاہدہ ہو چکا ہے جبکہ مصر' جنوبی افریقہ اور سری لنکا نے بھی سپر مشاق طیارے خریدنے میں گہری دلچسپی لی جارہی ہے۔انہوں نے بتایا کہ مغربی ممالک پاکستان کو جدید دفاعی ٹیکنالوجی دینے سے گریز کررہے ہیں۔امریکہ اپنے مفادات کے تحت پاکستان کو صرف مالی امداد دے رہا ہے۔فوجی امداد امریکہ کی جانب سے پاکستان کو نہیں دی جارہی تاہم عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی جانب سے بھرپور حصہ لینے پر امریکہ کی طرف سے ایف 16 طیارے ملنے کا امکان ہے۔انہوں نے بتایا کہ پاکستان مزید تین اقسام کے طیاروں کی خریداری میں دلچسپی رکھتا ہے۔اس میں امریکہ کے ایف 16' چین کے ایف 10 اور سویڈن کے گرفن طیارے شامل ہیں۔اس وقت پاکستان کو 70 طیاروں کی ضرورت ہے۔اس وقت پاکستان کو ایف 16 اور ایف 18

طیارے دے دے گا جبکہ دو C-130 طیارے اسی سال پاکستان کو مل جائیں گے۔

بین الاقوامی دفاعی نمائش میں رکھی گئی مصنوعات پاکستانی ماہرین کی بہترین صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آٹھ سپر مشاق طیارے خود چین پاکستان سے خریدنے کیلئے تیار ہے جبکہ یہ طیارے عمان اور شام کو بھی فراہم کئے جائیں گے۔ قابل فخر بات تو یہ ہے کہ پاکستان کو 400 سپر مشاق طیاروں کے اب تک آرڈر ملک چکے ہیں جبکہ چین کے تعاون سے بننے والے جے ایف 13 طیارے پاک فضائیہ کے پاس پہلے سے موجود میراج طیاروں کی جگہ لیں گے۔ پاکستان کو قراقرم طیاروں کی فراہمی کے بھی آرڈر مل چکے ہیں۔

نمائش کے دوسرے دن چیف آف نیول سٹاف ایڈمرل شاہد کریم اللہ نے ایکسپو سینٹر کا دورہ کیا۔ اس موقع پر انہوں نے بتایا کہ نمائش آئیڈیاز 2004ء میں پاکستانی اسلحہ کے اسٹالز میں متحدہ عرب امارات، نائیجریا اور یوکرائن نے غیر معمولی دلچسپی لی ہے ان ممالک سے پاکستان کو اسلحہ سپلائی کے بڑے آرڈر ملنے کی توقع ہے۔ نمائش میں پاکستان میں تیار ہونے والے زمین سے زمین اور فضا سے فضا میں مار کرنے والے میزائل توجہ کا مرکز بنے رہے جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ پاکستان دفاعی شعبے میں خود کفالت کی جانب رواں دواں ہے۔ بین الاقوامی نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے صدر مملکت جنرل پرویز مشرف نے درست کہا کہ ماضی میں پاکستان پر دفاعی شعبے میں لگائی جانے والی عالمی پابندیوں نے پاکستان میں ترقی کی نئی راہیں کھول دی ہیں بالخصوص دفاعی شعبے میں پاکستان نے انقلاب آفریں ترقی کی ہے۔ صدر مملکت کا یہ کہنا بھی بجا ہے کہ اس قسم کی نمائشوں سے پاکستان کو دفاعی پیداوار میں ترقی کے مزید مواقع ملیں گے۔ اسلحہ کے نئے آرڈر ملنے سے پاکستان میں اقتصادی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگا۔

بشکریہ سید شاہد حسن

دفاعی پیداوار میں پاکستان کی اہم کامیابیاں

پاکستان کے اسلحہ ساز ادارے ایسا جدید سامان حرب تیار کر رہے ہیں، جن پر کسی وقت صرف اہل مغرب یا سپر طاقتوں کی اجارہ داری قائم تھی۔ جوہری بم اور طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائلوں پر تحقیقی مقالے اکثر اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان کو ہدف تنقید بھی بنایا جاتا ہے لیکن کسی ملک کو ترقی کرنے سے روکا نہیں جاسکتا، مغربی جرمنی اور جاپان پابندیوں کی زد میں رہے، لیکن انہوں نے ترقی کا سفر جاری رکھا۔ پاکستان اب ایسے جدید ہلکے ہتھیار بنانے میں اہم کامیابیاں حاصل کر رہا ہے جو میدانِ جنگ کا نقشہ پلٹنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان ہتھیاروں میں سام میزائل، اینٹی ٹینک میزائل اور بغیر پائلٹ اڑائے جانے والے جاسوس جہاز بھی شامل ہیں۔

سام میزائل سسٹم

زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں کو عرف عام میں سام (Sam) میزائل کہا جاتا ہے۔ حالیہ برسوں میں مختلف قسم کے سام میزائل تیار کئے گئے۔ ان میں برطانیہ کا جیولن، فرانس کا مسترل، روس کا ایس اے چودہ، امریکہ کا سٹنگر اور پاکستان کا عنزہ میزائل شامل ہیں۔

امریکی ساختہ طیارہ شکن سٹنگر میزائل اس لئے زیادہ مشہور ہوا کہ افغانستان میں مجاہدین نے انہی میزائلوں کی بدولت سوویت یونین کی فضائی قوت کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ اللہ کے فضل سے اب پاکستان انتہائی کم قیمت پر ''عنزہ ایم کے ون'' اور ''عنزہ ایم کے ٹو'' کے نام سے سام میزائل تیار کر رہا ہے۔

کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز میں تیار کردہ ''عنزہ'' میزائل اپنی کارکردگی کے لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک کے میزائلوں کے ہم پلہ ہے اور یہ ایک (پورٹیبل) ہتھیار ہے' جسے آسانی سے کندھے پر رکھ کر فائر کیا جاسکتا ہے۔ عنزہ میزائل کی دوسری اہم خوبی اس کا آئی ایف ایف سسٹم ہے' جس کی بدولت یہ دوست اور دشمن جہاز میں تمیز کر کے صرف دشمن جہاز کی طرف ہی لپکتا ہے۔ کم بلندی پر اڑنے والے سست رو طیارے اس میزائل کا یقینی شکار ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے' جو دشمن طیارے کو انتہائی بلندی پر اڑنے پر مجبور رکھتا ہے' چنانچہ دشمن کا جہاز خاص کارنامہ دکھائے بغیر واپس بھاگنے یا اپنے تمام تر اسلحہ کو بغیر نشانہ لئے گرادینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پاکستان ساختہ طیارہ شکن میزائل عنزہ ایم کے ون پانچ سو میٹرفی سکینڈ کی رفتار سے اڑتا ہوا چار ہزار دو سو میٹر کے فاصلے تک دشمن طیارے کو گرانے کی اہلیت رکھتا ہے جبکہ عنزہ ایم کے ٹو زیادہ تیز رفتار میزائل ہے اور چھ سو میٹرفی سکینڈ کی رفتار سے پانچ ہزار میٹر کی بلندی تک اڑنے والے طیاروں کو گرا سکتا ہے۔ معرکہ کارگل کے دوران عنزہ میزائلوں کی کامیاب ''مشق'' اس وقت دیکھنے میں آئی جب بھارت کے دو طیارے عنزہ میزائلوں کا شکار ہوئے یہ میزائل کاندھے پر رکھ کر چلایا جاتا ہے۔ نشانہ لے کر فائر کرو اور بھول جاؤ کہ اصول پر کام کرتا ہے۔ یہ میزائل انفراریڈ شعاعوں یا دشمن طیارے کے انجن سے خارج ہونے والی حرارتی شعاعوں کا پیچھا کرتے ہوئے دشمن تک پہنچتا ہے۔ یہ ایک

ایسا ہتھیار ہے جس نے ''پیادہ سپاہی'' کو ایک بار پھر میدانِ جنگ کا شہنشاہ بنادیا ہے۔ اس کی بدولت پیادہ سپاہ' فضائی چھتری میسر نہ ہونے کی صورت میں بھی بڑے اعتماد سے دفاعی ذمہ داریاں نبھانے کے قابل رہتی ہے۔

ٹینک شکن میزائل

جنگی طیاروں کے بعد میدانِ جنگ کا دوسرا تباہ کن ہتھیار ٹینک ہے۔ ٹینک کے مقابلے میں عموماً ٹینک ہی لائے جاتے ہیں اور اگر بروقت ٹینک دستیاب نہ ہوں تو حملہ آور ٹینک انفنٹری کے ہر طرح کے مورچوں کو روندتے ہوئے تیزی سے آگے نکل جاتے ہیں اور دفاعی حصار بندیاں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پاکستان بکتر شکن اے ٹی جی ڈبلیو کے نام سے انتہائی جدید اور تباہ کن ٹینک شکن میزائل بنا رہا ہے۔ اس ہتھیار کی بدولت پاکستان کے تمام پیادہ دستے دشمن کے بکتر بند دستوں سے دوبدو جنگ کرنے قابل ہو چکے ہیں اور یہ ہتھیار بھی کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز کا تیار کردہ ہے۔ کے آر ایل کے ترجمان کے مطابق یہ ایک نیم خودکار ہتھیار ہے جو چار بنیادی حصوں پر مشتمل ہے:

1- کنٹرول باکس جو میزائل کو کنٹرول کرنے اور ہدف کی طرف راہنمائی فراہم کرنے کا کام کرتا ہے۔ یہ ایک حد تک ریموٹ کنٹرول ہی کہلاتا ہے۔

2- آئی آر گونی میٹر جس کا کام میزائل اور ہدف کے درمیانی فاصلے اور پرواز کا تعین کرنا ہے۔

3- ٹرائی پوڈ یا تین پائے کا فولادی اسٹینڈ جس پر میزائل لانچر اور گونی میٹر نصب کئے جاتے ہیں۔

4- لانچر ٹیوب نما لانچر میں میزائل پہلے سے نصب ہوتا ہے۔ میزائل کا وزن گیارہ کلو دو سو گرام ہے۔ میزائل کا وار ہیڈ یا بارود خانہ نیشنل ڈویلپمنٹ

کمپلیکس این ڈی سی کا تیار کردہ ہے جسے ہر نوعیت کے ٹینک کو تباہ کرنے کی غرض سے تیار کیا گیا ہے۔ دستیاب معلومات کے مطابق بکتر شکن کا وار ہیڈ روایتی فولادی دیوار کی آٹھ سو ملی میٹر موٹی تہہ کو پھاڑنے کی اہلیت رکھتا ہے' جبکہ ایسے مین بیٹل ٹینک جن پر خودکار حفاظتی نظام "ای آر اے" نصب ہوتا ہے یہ میزائل اس حفاظتی حصار کو پھاڑ کر ٹینک کی فولادی دیوار میں 460 میٹر تک گھسنے اور تباہی پھیلانے کی اہلیت رکھتا ہے۔

میزائل کی ہر موسم اور وقت میں کارکردگی بڑھانے کی غرض سے اس میں لیزر رینج فائنڈر اور رات کو دیکھنے کے آلات بھی اضافی طور پر نصب ہیں' جبکہ ہمہ وقت تربیت اور بہترین نتائج حاصل کرنے کی غرض سے بکتر شکن کے ساتھ ڈمی لانچر اور فیلڈ کمپیوٹر کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ ایک ڈمی لانچر سے ہدف کا نشانہ لے کر حاصل ہونے والا تمام تر ڈیٹا فیلڈ کمپیوٹر میں فیڈ کر دیا جاتا ہے۔ کمپیوٹر ہدف اور لانچر کے درمیان فاصلے اور میزائل کی رفتار کو مدنظر رکھ کر اصل میزائل کیلئے عمدہ فائرنگ کے زاویے کا تعین کرتا ہے نشانچی یا میزائل آپریٹر متعلقہ سمت اور زاویے پر میزائل کا رخ کر کے ریموٹ کنٹرول سے میزائل فائر کرتا ہے۔ میزائل اور ریموٹ کنٹرول کے ساتھ ایک مواصلاتی تار معلق ہوتی ہے جو دوران پرواز ریموٹ کنٹرول کے سگنلز کو میزائل تک پہنچاتی ہے اور ہدف کی نشاندہی کرتی ہے۔

جس سے میزائل دو سو سے دو سو چالیس میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے پرواز کرتا ہوا ہدف تک پہنچتا ہے۔ میزائل کی کامیابی کا تناسب 90 فیصد ہے' مگر بہتر تربیت اور ہدف کے بہتر انداز میں انتخاب کامیابی کے تناسب کو مزید بڑھا سکتا ہے۔ "بکتر شکن اے ٹی جی ڈبلیو" کا اصل کام ٹینک گاڑیاں اور کنکریٹ کے مورچے (Bunker) تباہ کرنا

ہے اور یہ ہر نوعیت کے ساکن و متحرک زمینی ہدف کیلئے ڈیزائن کیا گیا ہے مگر اسے نیچی پرواز کرتے ہوئے ہیلی کاپٹروں کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا ہے یہ ہتھیار پچاس ڈگری سنٹی گریڈ کی شدید گرمی سے لے کر منفی چالیس ڈگری سنٹی گریڈ کی شدید سردی میں بھی مؤثر ہے۔

جاسوس طیارے

میدانِ جنگ سے متعلقہ ایک اور اہم آئٹم ڈرون یا فضائی جاسوس ہے۔ ڈرون چھوٹے اور بغیر پائلٹ ریموٹ کنٹرول سے اڑائے جانے والے جاسوس طیارے کو کہتے ہیں۔ دنیا کے چند ممالک ہی بہترین ڈرون (Drone) تیار کر رہے ہیں۔ بھارت اسرائیل کی مدد سے ڈرون تیار کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے اور تاحال وہ اسرائیل کے تیار کردہ ڈرون خرید کر اپنی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ مگر پاکستان اللہ کے فضل سے بہترین ڈرون بنانے اور برآمد کرنے والے ممالک کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔

پاکستان دو طرح کے فضائی جاسوسی کے نظام تیار کر رہا ہے۔ اوّل بریو (Bravo) اور دوسرا شاسپر (Shaspar) بریو چار بغیر پائلٹ اڑائے جانے والے طیاروں اور ایک کنٹرول روم پر مشتمل ہوتا ہے کنٹرول روم یا اسٹیشن ایک موبائل ٹریلر میں قائم کیا جاتا ہے۔ ایک طیارہ ایک سو دس کلوگرام وزن کا حامل ہوتا ہے جو پندرہ سے بیس کلومیٹر تک فضائی جاسوسی کا سامان ٹی وی اور ویڈیو کیمرے وغیرہ اٹھا کر 120 سے 160 کلومیٹر کی رفتار سے 80 کلومیٹر کے فاصلے تک کی تصاویر کنٹرول روم تک پہنچاتا ہے۔ جہاں پر تصاویر کا ہر پہلو سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ اگر کسی علاقے کی تصاویر دوبارہ لینا مقصود ہو تو ڈرون کو دوبارہ اسی مقام تک بھیجا جا سکتا ہے۔

فضائی جاسوسی کا نظام "شاسپر" زیادہ ترقی یافتہ ہے اس سسٹم میں شامل ریموٹ کنٹرول طیارہ پچاس کلوگرام تک وزن اٹھا کر 250 کلو میٹر کی دوری تک پرواز کر سکتا ہے اور مرکزی اسٹیشن کو تصاویر بھیج سکتا ہے۔ اس طیارے میں لیزر رینج فائنڈ "ایل آر ایف" بھی نصب ہوتا ہے جس کی بنا پر یہ اسی ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچ کر دشمن کی نظروں سے اوجھل رہتے ہوئے اور بادلوں کے ہونے کے باوجود واضح تصاویر سنٹرل اسٹیشن کو ارسال کرتا ہے۔

کنٹرول روم میں بیٹھا ہوا باز اپنی مرضی سے طیارے کو بلندی پر لا کر دشمن کے اسلحے اور نقل و حمل سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد متعلقہ حکام تک پہنچاتا ہے۔ شاسپر نظام بھی چار طیاروں اور ایک کنٹرول روم پر مشتمل ہے۔ فضائی جاسوسی کے یہ دونوں نظام پاکستان کا ایئرو ویپن کمپلیکس (Air Weapon Com- plax) اے ڈبلیو سی تیار کر رہا ہے اس ادارے کے ترجمان کا کہنا ہے کہ ان کے تیار کردہ فضائی جاسوسی کے نظام دنیا کے سستے ترین اور انتہائی معیاری نظام ہیں۔

ہفت روزہ عسکری میگزین "جینز ڈیفنس ویکلی" کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کا اسلحہ معیاری ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی سستا بھی ہے جس وجہ سے امریکہ اور برطانیہ سمیت بہت سے یورپی ممالک پاکستانی اسلحہ کے خریدار بن چکے ہیں' جبکہ عرب ممالک بالخصوص کویت' عمان اور شام گذشتہ ایک عشرے سے پاکستان سے اسلحہ خرید رہے ہیں۔ ایران بھی پاکستان سے ہلکے طیارے' چھوٹی جنگی کشتیاں اور ایمونیشن خریدتا رہتا ہے' قوی امکان موجود ہے کہ پاکستان اس سال جنوبی ایشیا میں اسلحے کا سب سے بڑا برآمد کنندہ بن کر ابھرے گا۔

اس سال 18 سے 22 مارچ کے دوران دبئی میں منعقد کی جانے والی دفاعی

اسلحے کی نمائش 2001 آئڈیکس 2001ء میں پاکستان کی بارہ اسلحہ ساز کمپنیوں نے شرکت کی۔ جن میں کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز' پاکستان آرڈیننس فیکٹری' نیشنل ڈویلپمنٹ کمپلیکس (این ڈی سی) اور پاکستان ایئر کرافٹ مینوفیکچرنگ فیکٹری اس لحاظ سے اہم ہیں کہ مستقبل کی ڈیفنس ایکسپورٹ اور پاکستان کے دفاعی استحکام میں ان اداروں کا رول انتہائی اہم ہے اور ہوگا۔ پاکستانی قوم کو اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہئے کہ وہ بھی اتنے ہی ذہین اور فطین ہیں جتنا کہ ترقی یافتہ اقوام کے لوگ۔۔۔۔ بات صرف محبت' ہمت اور حوصلے کی ہے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے پاکستان پر ہر طرح کی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ بھارت نے روس کے ساتھ مل کر ہمیں تباہ و برباد کرنے کا ہر انداز اپنایا' مگر پھر بھی ہم استحکام کی منزلیں طے کرتے جا رہے ہیں۔ ماضی کی نسبت ہم زیادہ اعتماد سے سر اٹھا کر چل سکتے ہیں۔ دنیا تسلیم کر رہی ہے کہ اب ہم نوالہ تر نہیں رہے مگر ہمیں اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ابھی تک ہم وہ کردار ادا کرنے کے قابل نہیں ہوئے جس مقصد کیلئے پاکستان قائم کیا گیا تھا۔ اس کیلئے مسلسل اور انتھک محنت کی ضرورت ہے۔

قومی تعمیر وترقی میں پاک فوج کا کردار

پاک فوج کا اوّلین فرض ملکی سرحدوں کا دفاع ہے لیکن ملکی تعمیر وترقی کے کاموں میں بھی اس کا حصہ کسی سے کم نہیں۔ کیونکہ اس کے پاس بہترین افرادی قوت' تکنیکی مہارت اور تنظیمی صلاحیت موجود ہے۔ ملک میں الیکشن ہوں یا مردم شماری' سنگلاخ پہاڑوں کو چیرنا مقصود ہو یا شاہراہوں کی تعمیر' پاک فوج کے خاکی وردی میں ملبوس جری جوان وطن کی ناموس کی خاطر ہمیشہ چوکس اور سرگرم نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ان منصوبوں کا ذکر کیا جارہا ہے جن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں پاک فوج کے جوانوں اور افسروں نے حصہ لیا اور جانی ومالی قربانیاں پیش کیں۔

شاہراہ قراقرم

پاک فوج کا ناقابل فراموش کارنامہ 832 کلو میٹر طویل شاہراہ ریشم کی تعمیر ہے جو 1969ء سے 1978ء تک دس سال کے عرصہ میں مکمل کی گئی۔ آرمی انجینئر کور کے 70 سے زائد جوانوں نے اس عظیم شاہراہ کی تعمیر کے دوران جام شہادت نوش کیا۔ شاہراہ قراقرم چین کے ساتھ پاکستان کا واحد زمینی رابطہ ہے جس کا دائرہ کار وسطی

ایشیا کی مسلمان ریاستوں تک پھیلا ہوا ہے۔ پاکستان اور چین کے درمیان تمام تجارت اسی راستے سے ہوتی ہے۔ بلکہ اسی شاہراہ کی بدولت وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستیں کراچی کے ساحل تک پہنچ سکتی ہیں۔ اور اسے ذریعہ تجارت بنا سکتی ہیں یہ عظیم شاہراہ نہ صرف فن تعمیر کا ایک حسین نمونہ ہے بلکہ اس شاہراہ سے پاکستان کا روشن مستقبل بھی وابستہ ہے۔

ایف ڈبلیو او

فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے ملک کے تمام علاقوں میں پلوں' سڑکوں اور عمارات کے جال بچھا دیئے ہیں۔ آرمی انجینئرنگ کور کے جوانوں نے 1998ء میں کوٹلی (آزاد کشمیر) کے علاقہ میں طویل حفاظتی بند تعمیر کیا۔

آزاد کشمیر میں نوسہری پل کی تعمیر بھی پاک فوج کا اہم کارنامہ ہے۔ اس کٹھن اور مشکل کام کے دوران سولہ جوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس کے علاوہ نیشنل ہائی وے میرپور ماتھیلو' سکردو ایئرپورٹ' فیصل آباد جی ٹی روڈ' ملتان انڈر بائی پاس اور کراچی سے گوادر تک سڑک کی تعمیر پاک فوج کے قابل ذکر کارنامے ہیں۔

لواری سرنگ کی تعمیر

چترال اور پشاور کے درمیان زمینی رابطہ اکثر خراب موسمی حالات میں منقطع ہی رہتا تھا۔ جس سے مقامی لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پاک فوج کے جوانوں نے 76-1975ء کے دوران یہاں ملک کی طویل ترین سرنگ تعمیر کی۔ اس طرح ہر قسم کے موسمی حالات میں چترال اور پشاور کا زمینی رابطہ بحال رہتا ہے۔ لواری سرنگ کی تعمیر سے نہ صرف مقامی لوگوں کو معاشی اور مواصلاتی فائدہ ہوا ہے بلکہ سرنگ کی تعمیر سے معدنیات کی تلاش میں بھی بڑی مدد ملی ہے جس سے علاقے میں

خوشحالی کے ساتھ ساتھ ملکی معیشت مستحکم ہوگئی۔

صحرائے تھر

چولستان اور تھل کے علاوہ پاک فوج نے صحرائے تھر میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان تپتے صحراؤں میں آج سڑکیں' باغات اور جنگلات جہاں خوبصورت اور دلکش مناظر پیش کر رہے ہیں وہاں یہ پاک آرمی کے جوانوں کی انتھک محنت اور لگن کا بین ثبوت بھی ہیں۔

1- صحرائے تھر کے علاقہ چھاچھرو میں آرمی انجینئر اور رینجرز نے 70 لاکھ روپے کی لاگت سے آرمی پبلک ہسپتال اور سکول تعمیر کیا۔ جس سے مقامی لوگ بھی استفادہ کرتے ہیں۔

2- سہون شریف میں پبلک سکول کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس بھی تعمیر کیا گیا۔

3- ضلع بدین میں انٹرمیڈیٹ کالج کے علاوہ آٹھ آرمی پبلک سکول قائم کئے گئے جن میں دو ہزار طلباء اور طالبات زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ ان میں عسکریوں کے صرف 896 بچے ہیں۔ اس لئے اب یہ ادارے فوج کے مقابلے میں سول آبادی کیلئے ایک نعمت غیر معترفہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

4- سکھر کے قریب پنوں عاقل کینٹ میں جہاں غریب کسانوں کو ملازمت کے مواقع ملے وہاں دوسری طرف صحت اور تعلیم کے میدان میں بیش بہا فوائد بھی حاصل ہوئے قصہ مختصر۔ ان سہولیات سے مقامی آبادی خوب مستفید ہو رہی ہے۔

5- ڈاکوؤں نے سندھ کے جنگلات اور کچے کے علاقہ میں کمین گاہیں تعمیر کر کے مقامی لوگوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ چونکہ یہ ڈاکو سندھ کے سیاستدانوں

اور وڈیروں کی پشت پناہی اور گرفت کے خوف سے آزاد اپنی مذموم کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ ملکی اور غیر ملکی افراد کے اغوا کی وارداتیں عروج پر اور تھیں جب فوجی جوانوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر ڈاکوؤں کی کمین گاہوں کا خاتمہ کیا تو پورے سندھ میں امن وامان کی صورتحال بہتر ہوگئی۔ آج بھی مقامی لوگ فوج کی ان کاوشوں کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

6- ضلع گھوٹکی کے علاقہ ڈہرکی کے مقام پر پاک سعودی فرٹیلائزر کا کارخانہ قائم کیا گیا جس میں کھاد کی سستی اور وافر فراہمی کے ساتھ غربت اور بے روزگاری کا سدباب بھی ہو رہا ہے۔

7- چھور کے علاقے میں آب رسانی کی فراہمی پاک فوج کی اہل وطن سے محبت کا واضح ثبوت ہے۔ بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار پاک فوج کے جوانوں نے شہریوں کو طرح طرح کی سہولیات بہم پہنچائیں' موسم گرما کی حدت اور موسم سرما کی ٹھنڈک تو وافر تھی مگر ریت کے یہ سمندر زمینی پیداوار' ساگ' ترکاری ککڑی' پیاز اور دال پیدا کرنے سے قاصر تھے۔ پاک فوج کے جوانوں نے اپنی محنتِ شاقہ اور جہدِ مسلسل سے مشکلات کے باوجود یہ صحرائی منظر گل وگلزار میں بدل دیا ہے۔ اب یہاں صاف ستھری سڑکیں' خوبصورت پارک' دلربا جھیلیں' پھل' پھول اور گھنی بیلوں کے سائے جا بجا دکھائی دیتے ہیں ان صحرائی علاقوں میں چھاؤنیوں کے قیام سے نہ صرف زندگی کی بنیادی سہولتیں مقامی لوگوں کو باآسانی حاصل ہوئیں بلکہ ان منصوبوں کی تکمیل پاک فوج کے اتحاد' حب الوطنی' جذبہ خدمت اور تعمیر

وطن کے کاموں میں گہری دلچسپی کی عملی مثال ہے۔

شجر کاری

ماحولیاتی آلودگی کا سدباب کرنے‘ لکڑی اور فرنیچر کی دیگر ضروریات کی فراہمی کیلئے جنگلات کا نہ صرف تحفظ ضروری ہے بلکہ شجر کاری مہم کے ذریعے صحت مند فطری ماحول کا فروغ بھی لازمی ہے۔ شجر کاری سے سیلابوں کی روک تھام‘ زمین کی زرخیزی کی بحالی اور سیم تھور وغیرہ کے تدارک کیلئے کام جاری ہے۔ شجر کاری کے حوالے سے بھی پاک فوج کی خدمات قابل صد ستائش ہیں۔

سمگلنگ کی روک تھام

سمگلنگ کسی بھی ملک کی معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے بد قسمتی سے ہمارے ملک کی سالانہ جتنی مالیت کی برآمدات ہیں اس سے دس گنا زیادہ اشیا سمگلنگ کی صورت میں ملک میں لائی اور لیجائی جاتی ہیں۔ پاک فوج سمگلنگ کی روک تھام کیلئے بتدریج اقدامات کر رہی ہے۔ جس سے خاطر خواہ نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

مردم شماری

ہمارے ملک میں دیگر منصوبہ جات کی طرح مردم شماری کا کام بھی عرصہ دراز سے ادھورا پڑا ہوا تھا۔ علاقائی تعصب رکھنے والی سیاسی جماعتیں اور لیڈر کسی نہ کسی بہانے سے مردم شماری کے کام کو خوف کی علامت بنا چکے تھے۔ حالانکہ کسی بھی ملک کی معیشت اس وقت تک حقیقی بنیادوں پر استوار نہیں ہو سکتی جب تک انتظامی اداروں کو علم ہی نہ ہو کہ انہوں نے کتنے لوگوں کیلئے طبی سہولتیں فراہم کرنی ہیں۔ کتنے افراد کے کھانے کا اہتمام کرنا ہے اور کتنے لوگوں کو رہنے کیلئے مکانات فراہم کرنے ہیں۔

لیکن جونہی یہ مشکل کام پاک فوج کے جوانوں کو تفویض کیا گیا انہوں نے

راستے کی تمام رکاوٹیں اپنے جذبے‘ ایمانداری اور جانفشانی سے دور کیں پہلے 1981ء میں بعد ازاں 1998ء میں مردم شماری کے کام کو بہ احسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جس پر ساری قوم پاک فوج کیلئے سپاس گزار تھی اور اب بھی ہے۔

ایٹمی صلاحیت

1998ء میں ایٹمی دھماکوں کو یقینی بنانے میں بھی مسلح افواج نے اہم کردار ادا کیا۔ ایٹمی پلانٹ کو حفاظت موجودہ سطح پر لانے میں بھی پاک فوج کا کردار قابل ستائش اور قابل رشک ہے۔

غربت مکاؤ پروگرام

نصف صدی کے پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو ملکی وسائل کا زیادہ تر حصہ ان علاقوں پر بے دریغ خرچ کر دیا گیا جن علاقوں میں خوشحال لوگ رہتے تھے یا ان علاقوں میں سیاسی اثرو رسوخ کے مالک لوگوں کا بسیرا تھا۔ ملک کے دور دراز اور غریب پسماندہ علاقوں کی جانب ملکی وسائل کا رخ ہی نہیں ہوا۔ اگر کہیں کچھ ہوا بھی ہے تو مختص وسائل کا زیادہ حصہ کرپشن کی نظر ہو گیا۔ نتیجتاً غریب اور پسماندہ علاقے چاہے چھوٹے بڑے شہروں میں موجود ہوں یا ملک کے دور دراز علاقوں میں‘ مسائل اور بد حالی کی چکی میں ہی پستے رہے۔ ان کو مقامی سطح پر معیاری سڑکیں میسر ہوئیں‘ نہ پینے کے پانی کی سہولتیں۔ سیوریج‘ صحت و صفائی اور علاج معالجے کی سہولتوں کا تو نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اوّل تو ایسے علاقوں میں سرکاری سکول موجود ہی نہیں تھے۔ اگر کہیں موجود تھے تو ان کی حالت دیکھ کر انہیں سکول قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ غربت مکاؤ سکیم کے تحت ایک سال کے عرصے میں بے شک غریب اور پسماندہ علاقوں کے تمام مسائل تو حل نہیں ہوئے لیکن پاک فوج کی مانیٹرنگ ٹیموں کی نگرانی میں کھیت سے

منڈی تک سڑکوں کی تعمیر' صاف پانی کی سپلائی کی ناکارہ اور نامکمل پرانی سکیموں کی بحالی' پسماندہ علاقوں میں نکاسی آب کے منصوبوں کی تکمیل' پرائمری اور ایلیمنٹری سکولوں میں چار دیواری اور دیگر بنیادی ضرورتوں کی فراہمی' کم ترقی یافتہ شہری علاقوں اور کچی آبادیوں میں نکاسی آب اور فراہمی آب' سیوریج کے نظام کی بہتری' بچیوں کیلئے ووکیشنل ٹریننگ سنٹروں میں مشینوں اور دیگر آلات کی فراہمی جیسے اہم نوعیت کے منصوبوں پر تیزی سے کام چل رہا ہے اور بیشتر علاقوں میں یہ سکیمیں اپنی مدد آپ کے تحت تکمیل تک پہنچ چکی ہیں۔ اور باقی پر تیزی سے کام جاری ہے ان منصوبہ جات کی تکمیل کا ایک مقصد کم ترقی یافتہ علاقوں کو سہولتوں کی فراہمی کے لحاظ سے ترقی یافتہ علاقوں کے برابر لانا ہے جبکہ دوسرا مقصد مقامی سکیموں میں مقامی لیبر اور ہنر مند افراد کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا ہے ایک سال کے عرصے میں اندازاً پندرہ ارب روپے غربت مکاؤ سکیم کے تحت مذکورہ بالا منصوبوں پر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ اور اب بھی کم ترقی یافتہ علاقوں اور دور دراز علاقوں میں فوج کی مانیٹرنگ ٹیموں کی نگرانی میں تعمیراتی سرگرمیاں جاری ہیں۔

قدرتی آفات

ملک میں جب بھی زلزلے' طوفان' سیلاب اور دیگر ناگہانی آفات رونما ہوئیں تو پاک فوج کے جوانوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر متاثرین کی ہر ممکن مدد کی۔

1- جولائی 1974ء میں تربیلا ڈیم کے آبی ذخائر میں شگاف پڑے۔ پانی کی بلند سطح سے قریبی دیہات سیلاب کی زد میں آگئے۔ اس موقع پر پاک فوج کے جوانوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور تقریباً 50 ہزار لوگوں کو سیلاب کی زد سے بچایا۔

2- گزشتہ تین دھائیوں میں پاکستان میں زبردست سیلاب آیا۔ پاک فوج کے جوانوں نے ہیلی کاپٹر کی مدد سے غذائی امداد کے ساتھ ساتھ طبی سہولتیں فراہم کر کے لاکھوں انسانوں کو موت کی آغوش میں جانے سے روک لیا۔

3- 1988ء اور 1992ء کے سیلاب کے دوران عساکر پاکستان نے پنجاب سے سندھ تک ہیلی کاپٹروں' موٹر بوٹس اور کشتیوں کی مدد سے متاثرین کی مدد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

4- 1991ء میں کوہاٹ کے گاؤں شکر اٹیل میں زلزلہ آیا جس سے تقریباً پورا گاؤں ہی زمین بوس ہو گیا تھا۔ پاک فوج کے جوانوں نے برق رفتاری سے متاثرین کی مدد کر کے بہت سی قیمتی جانیں بچالیں۔

5- اکتوبر 1999ء میں بدین اور ٹھٹھہ کے ساحلی علاقوں میں صدی کا بدترین سمندری طوفان آیا جس میں تقریباً چار ہزار سے زائد افراد موت کے منہ میں چلے گئے اور ہزاروں افراد بے گھر ہو گئے۔ اس تباہ حال اور خطرناک گھڑی میں پاک فوج نے گھر گھر جا کر لوگوں کو طبی امداد' ضروریات زندگی' خوراک کمبل اور پینے کا پانی وغیرہ پہنچایا۔ اس مشکل گھڑی میں پاک فوج نے تمام کاموں کی تندہی اور دلچسپی سے نگرانی کی۔ تباہ حال لوگوں کو دوبارہ آباد کیا اور طبی امداد بہم پہنچائی۔

صنعتی ترقی

صنعتی شعبہ میں آرڈیننس فیکٹری اور فوجی فاؤنڈیشن جس میں چینی'

ٹیکسٹائل، چاول، تمباکو اور آٹے کی ملیں تیار ہوتی ہیں، صنعتی ترقی میں فوج کی معاونت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

تعلیمی خدمات

دیگر محکموں کی مانند تعلیم بھی کرپشن اور بد عنوانیوں کا شکار ہے۔

1- مارچ 1998ء میں پاک فوج نے سکولوں کا سروے کیا اور مالی بے ضابطگیوں کے علاوہ پنجاب میں 820، سندھ میں 1700، بلوچستان میں 1400، سرحد میں 1130 جعلی سکولوں کا کھوج لگایا تاکہ فنڈز کاریاں روک کر انہیں بہتر جگہ استعمال کر کے نظام تعلیم کو معیاری بنا کر نامور سپوت پیدا کئے جا سکیں۔ کیونکہ ملکی ترقی اور خوشحالی کیلئے لکھی پڑھی اور ہنر مند افرادی قوت میدان میں لانا انتہائی ضروری ہے۔

2- تعمیر وطن میں آرمی ایجوکیشن کور کا کردار نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ 1947ء سے 1999ء تک پی ٹی سی، سی ٹی، بی ایڈ اور ایم ایڈ کے ہزاروں طلباء کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جا چکا ہے۔

بھل صفائی

زرعی ملک ہونے کے باوجود پاکستان غذائی اجناس کی قلت کا ہمیشہ شکار رہا۔ اگر 53 سالہ تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منظر عام پر آتی ہے کہ زرعی ترقی اقتصادی بہتری اور صنعتوں کو جتنا فروغ 1960ء کی دہائی میں ملا آج تک کسی دور میں بھی ایسا ممکن نہیں ہوا۔ 1965ء میں زرعی نظام کی اصلاح کر کے پاک فوج نے 75 ہزار ایکڑ بنجر اراضی کو آباد کیا اور ملک میں سبز انقلاب رونما ہوا۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ

1967ء میں ترقی پذیر ممالک میں پاکستان گندم برآمد کرنے والا واحد ملک تھا۔ 2000ء کی بھل صفائی مہم میں بھی تعمیر وطن کے جذبے کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ پر محیط بھل صفائی مہم میں پاک فوج کے 70 ہزار جوانوں نے ایک لاکھ سویلین رضاکاروں، طالب علموں، محکمہ آبپاشی کے اہلکاروں اور کسانوں کے ہمراہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ مجموعی طور پر ہزاروں کلومیٹر طویل کاریز، نہروں اور کھالوں کو صاف کیا گیا۔ جس سے شعبہ زراعت کی کارکردگی بہتر ہوئی اور اخراجات نصف رہے۔

امن کے سفیر

پاک فوج اقوام متحدہ کی امن فوج میں بھی اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں اور بہادری کا لوہا منوا چکی ہے۔

1- 1960-62ء کانگو کی تحریک آزادی کے دوران پاک فوج اقوامِ متحدہ کی امن فوج کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے چکی ہے۔

2- 1990ء میں خلیجی جنگ میں، 1992ء میں کمبوڈیا، 1993ء میں صومالیہ، 1995ء میں بوسنیا، 1996ء میں ہیٹی 1999ء میں مشرقی تیمور میں پاک فوج اقوام متحدہ کے امن مشن کی نمائندگی کر چکی ہے۔

پاک فوج کی جرأت و شجاعت، احساسِ ذمہ داری اور پیشہ وارانہ صلاحیتوں کی تعریف خلیج میں "آپریشن ڈیزرٹ شارم" کے امریکی کمانڈر جنرل نارمن بھی کر چکے ہیں۔

3- ان دنوں پاک فوج کے چاق چوبند دستے مشرقی تیمور میں تعمیر نو، ٹیلی

مواصلات کی بحالی' شاہراہوں اور پلوں کی تعمیر' بارودی سرنگوں کی صفائی اور عمارات کی تعمیر وغیرہ کا کام انتہائی جوش وخروش اور لگن سے سرانجام دے رہے ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں کہ خطرہ ملک کی بیرونی سرحدوں پر ہو یا اندرونی محاذ پر' زمانۂ جنگ ہو یا زمانۂ امن ہر لمحے اور ہر محاذ پر پاک فوج کے جوان اور افسر کامیاب وکامران ہی لوٹتے ہیں بلاشبہ یہ کامیابیاں خدائے بزرگ وبرتر کی کرم نوازی کی مرہون منت ہیں۔

واپڈا کی بحالی میں فوج کا کردار

واپڈا میں فوج نے اپنی آمد کی مختصر مدت میں کئی اہم مرحلے سر کیے گئے' واپڈا کے دائرہ کار کے مختلف شعبوں میں بہتری رونما ہوئی اور بالآخر واپڈا مالیاتی استحکام کے ساتھ ساتھ اپنا ترقیاتی کردار بحال کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

واپڈا کی معاونت کیلئے فوج کی طلبی کے وقت اس ادارے کو مالیاتی بحران میں مبتلا ہوئے 4 سال ہو چکے تھے اور یہ مالیاتی بحران ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ سنگین تر ہوتا چلا جارہا تھا۔ پاکستان کی اقتصادیات سے براہِ راست منسلک یہ عظیم الشان ادارہ نجی شعبے میں قائم بجلی پیدا کرنے والے اداروں کی ادائیگیوں کے بارگراں کو اٹھاتے اٹھاتے جون 1998ء میں 53 ارب روپے کے خسارے کا سامنا کرتے ہوئے مکمل داخلی تباہی کے دہانے پر آ کھڑا ہوا تھا۔ 53 ارب روپے کی یہ ادائیگی کے برقی ترسیلی نظام میں نجی شعبے میں قائم بجلی گھروں سے حاصل ہونے والی 24 فیصد برقی توانائی کے عوض کی گئی تھی' یہ رقم واپڈا کی کل سالانہ آمدنی کے 55 فیصد کے برابر تھی اور 1998-99ء کے اختتام پر' ادائیگی کی یہ رقم 74 ارب روپے تک پہنچنے والی تھی۔ ادارے کے تمام شعبوں میں بدعنوانی اور رشوت ستانی' ادارے کے معاملات میں بیرونی مداخلت اور دباؤ' اس ادارے کی مجموعی کارکردگی پر برے اثرات مرتب کرنے والے

بنیادی عوامل تھے اور ان عوامل نے اس ادارے کے برقی توانائی کے شعبے اور صارفین کی خدمت کے تصور کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ مجموعی برقی پیداوار کے تقابل میں برقی تقسیم کے شعبے میں تکنیکی نقصانات اور بجلی چوری کا عنصر 42 فیصد کی آخری حد کو چھو رہا تھا۔

یہ صورتحال انتہائی تشویشناک تھی اور واپڈا کے معاملات میں بہتری لانے کیلئے اس وقت کی سول حکومت نے فوج کی معاونت طلب کر لی' لہٰذا 26 جنوری 1999ء سے فوجی معاونت کے 2 مرحلوں پر مشتمل پروگرام کا آغاز ہو گیا جبکہ چیئرمین واپڈا لیفٹیننٹ جنرل ذوالفقار علی خان اور ان کی ٹیم کے دوسرے سینئر افسروں نے اس سے پہلے ہی نومبر 1998ء میں اپنے اپنے عہدے سنبھال لئے تھے۔

فوجی معاونت کے پہلے مرحلے کے تحت 6 ماہ تک تمام رینکس کے 32 ہزار 350 افسروں اور جوانوں کو واپڈا کو بچانے کے فرائض سونپے گئے۔ اس مرحلے کے دوران واپڈا میں بے انتظامی' بے عملی اور بے ضابطگی میں واضح کمی آئی۔ فوجی معاونت کے دوسرے مرحلے کے تحت تمام رینکس پر مشتمل اس افرادی قوت کا 10 فیصد حصہ ان کامیابیوں کے تحفظ اور ان کی بقاء میں استحکام پیدا کرنے کیلئے واپڈا میں فرائض سرانجام دیتے رہنے کیلئے روک لیا گیا دوسرے مرحلے کے تحت 3,564 فوجیوں نے واپڈا میں بیش قیمت خدمات سرانجام دیں۔ واپڈا کے تمام شعبوں میں مزید بہتری آئی' پہلے حاصل کی گئی کامیابیوں کو استحکام میسر آیا اور واپڈا کے پاور ونگ کی تشکیل نو اور بارہ کارپوریٹ کمپنیوں' تین جنریشن کمپنیوں' جینکوز' ایک نیشنل ٹرانسمیشن اینڈ ڈسپیچ کمپنی' این ٹی ڈی سی اور آٹھ ڈسٹری بیوشن کمپنیاں' ڈسکوز کے قیام جیسے اہم کام تکمیل کو پہنچے۔ ڈیڑھ برس کے دورانیے پر مشتمل دوسرے مرحلے کی تکمیل پر پاکستان کے صدر اور چیف ایگزیکٹو نے دسمبر 2002ء تک مزید دو سال کیلئے واپڈا میں فوجی معاونت جاری رکھنے کی اجازت

دے دی۔ اس مرحلے کے تحت تمام رینکس کے 760 فوجی واپڈا کی معاونت کیلئے خدمات کی انجام دہی کیلئے ادارے میں روک لئے گئے۔ فوجی معاونت کے اس مرحلے کے تحت انہیں گذشتہ دو سال کے دوران حاصل ہونے والی کامیابیوں اور بہتریوں کے تحفظ اور ان کے استحکام کیلئے کام کرتے ہوئے نئی روایات کے قیام کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کی راہ ہموار کرنے کے فرائض سونپے گئے ہیں۔

گذشتہ تین سال کے دوران حاصل کی جانے والی کامیابیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

برقی پیداواری استعداد میں اضافہ:

سال 2001ء میں 183 میگاواٹ چشمہ ہائیڈرو الیکٹرک پاور کمپلیکس کے آغازِ کار کے ساتھ واپڈا کی اپنی برقی پیداواری استعداد بڑھ کر 9 ہزار 930 میگاواٹ ہو گئی' اس میں 5 ہزار 9 میگاواٹ سستی پن بجلی اور 4 ہزار 921 میگاواٹ مہنگی تھرمل بجلی شامل ہے۔ نجی شعبے میں قائم برقی پیداواری اداروں کی مجموعی استعداد 5 ہزار 796 میگاواٹ ہے اور یوں واپڈا کے ترسیلی نظام پر کل 15 ہزار 726 میگاواٹ برقی توانائی مہیا ہے۔ اس میں پن بجلی کا تناسب 32 فیصد' واپڈا کی تھرمل بجلی کا حصہ 31 فیصد اور نجی شعبے میں قائم برقی پیداواری اداروں سے حاصل ہونے والی تھرمل بجلی کا جزوی تناسب 37 فیصد ہے۔

برقی پیداوار:

مالی سال 1997-98ء میں تقریباً 53 ارب 30 کروڑ یونٹ بجلی پیدا ہوئی' مالی سال 1998-99ء کے دوران اس میں 0ء8 فیصد اضافہ ہوا اور مالی سال 2000-1ء کے دوران اس میں مزید 4ء55 فیصد اضافہ سامنے آیا۔ واپڈا کے پن بجلی

گھروں، تھرمل بجلی گھروں اور نجی شعبے کے تھرمل بجلی گھروں سے حاصل ہونے والی بجلی کی سالانہ پیداوار 1998-99ء کے دوران 53 ارب 68 کروڑ 30 لاکھ یونٹ رہی، 1999-2000ء کے دوران 55 ارب 87 کروڑ 30 لاکھ یونٹ اور 2000-1ء کے دوران 58 ارب 41 کروڑ 80 لاکھ یونٹ رہی۔

بجلی کی فروخت:

مالیاتی سال 1998-99ء کے دوسرے نصف میں فوجی معاونت کے آغاز کے ساتھ واپڈا کے نظام پر بجلی کی فروخت مالیاتی سال 1997-98ء کی فروخت 39 ارب 40 کروڑ یونٹ کے مقابلے میں گر کر 38 ارب 90 کروڑ یونٹ رہ گئی۔ یہ کمی 52 کروڑ 20 لاکھ یونٹ یا 1ء3 فیصد تھی۔ یہ بظاہر ایک منفی لیکن درحقیقت ایک مثبت کامیابی تھی، کیونکہ اس میں سے بیشتر بجلی چوری ہو رہی تھی، جس کا یک دم خاتمہ ہو گیا تھا۔ اگلے سال 1999-2000ء کے دوران بجلی کی فروخت میں 2ء5 فیصد اضافہ ہوا جبکہ مالیاتی سال 2000-1ء کے دوران بجلی کی فروخت میں گذشتہ سال کی نسبت مزید 6 فیصد اضافہ ہوا۔

آمدنی:

مالیاتی سال 1997-98ء کے دوران بجلی کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم 93 ارب 30 کروڑ روپے تھی۔ بجلی چوری کے خاتمے، لائن لاسز میں کمی، واجبات کی وصولی اور نئے کنکشنوں کے اضافے کی بناء پر 1998-99ء کی دوسری ششماہی کے دوران فوجی معاونت کے نتیجے میں بجلی کی فروخت سے ہونے والی آمدنی میں 30 ارب روپے کا اضافہ رونما ہوا۔ وصولیوں کے باب میں مزید 9 ارب 80 کروڑ روپے اضافہ اس وقت رونما ہوا جب 1998-99ء میں وصولیاں ایک کھرب 22 ارب 50 کروڑ

روپے سے بڑھ کر 1999-2000ء میں ایک کھرب 32 کروڑ روپے تک پہنچ گئیں۔ مالیاتی سال 2000-1ء کے لئے وصولی کا ہدف ایک کھرب 65 ارب روپے مقرر کیا گیا تھا لیکن حقیقی وصولی ایک کھرب 74 کروڑ 40 لاکھ روپے سے زیادہ ہوئی اور یوں ہدف کے تقابل میں 11 ارب روپے زائد وصول ہوئے۔ اس طرح بجلی کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم گذشتہ تین برس کے دوران 81 ارب روپے یا 187 فیصد کا اضافہ ہوا اور یقیناً یہ کوئی چھوٹی کامیابی نہیں۔

لائن لاسز میں کمی:

واپڈا میں موجودہ انتظامیہ کی آمد کے وقت تکنیکی نقصانات کا تخمینہ 42 فیصد لگایا گیا تھا۔ یہ تکنیکی نقصانات مالیاتی سال 1998-99ء کے دوران کم ہو کر 32 فیصد، 1999-2000ء میں 27 فیصد اور 2000-01ء میں مزید کم ہو کر 6ء25 فیصد ہو گئے۔ بلاشبہ اس کامیابی میں نیشنل ٹرانسمیشن اینڈ ڈسپیچ کمپنی اور بجلی کی تقسیم پر مامور کمپنیوں کی مستقل اور ٹھوس کوششوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

نئے کنکشن:

برقی آلات اور سازوسامان کی فراہمی کے ذریعے سازوسامان کی کمی پر قابو پاتے ہوئے ملک بھر میں گھریلو، تجارتی، صنعتی اور زرعی شعبوں میں 19 لاکھ 5 ہزار 159 نئے برقی کنکشن مہیا کئے گئے۔ یہ تعداد واپڈا کے نظام پر موجود برقی کنکشنوں کی گذشتہ مجموعی تعداد کا 18 فیصد بنتی ہے اور ان کنکشنوں کی فراہمی کی اوسط رفتار ایک کنکشن فی منٹ قرار پاتی ہے۔

برقی ترسیل اور گرڈ سٹیشنوں کی نئی سہولتیں:

زیر تجزیہ عرصے کے دوران بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو مناسب طور پر پورا

کرنے کیلئے اور ملک کے مختلف علاقوں کے صارفین کو بجلی کی بلاتعطل اور مستحکم فراہمی یقینی بنانے کیلئے 167 گرڈ سٹیشن مختلف تعمیری مراحل سے گزارے گئے۔ ان میں کچھ تو نئے مقامات پر قائم کئے گئے اور کچھ مقامات پر پہلے سے موجود گرڈ سٹیشنوں کی توسیع و تکثیر کی گئی۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں بجلی کے نظام کی توسیع اور بہتری کیلئے 22 ہزار 200 کلومیٹر طویل ترسیلی اور تقسیمی لائنیں کھینچی گئیں۔

دیہی علاقوں کو بجلی کی فراہمی:

موجودہ انتظامیہ کو دور افتادہ علاقوں کی معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی راہ ہموار کر کے انہیں ملکی ترقی کے دھارے میں شامل کرنے کی غرض سے بلوچستان میں پنجگور اور تابینہ جیسے اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں کالام' کاغان اور ناران جیسے علاقوں کو بجلی کی باقاعدہ فراہمی کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

اس کے علاوہ 3 ہزار 886 نئے دیہات بھی بجلی کی فراہمی کے ملک گیر نظام سے منسلک کر دیئے گئے تاکہ ان علاقوں میں بھی معاشرتی بہتری اور زرعی ترقی رونما ہو سکے۔ یہ بات کہنا ضروری ہے کہ دیہات کو بجلی کی فراہمی کا دارومدار وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی منظوری اور ان کی فراہم کردہ رقوم پر ہوتا ہے۔

ٹرانسفارمروں کی بحالی:

زیر تجزیہ عرصے میں واپڈا کی ٹرانسفارمر ریکلیمیشن ورکشاپوں میں مختلف استعداد کے 13 ہزار 497 ٹرانسفارمر بحال کئے گئے۔ اگر ناکارہ ہو جانے والے ان ٹرانسفارمروں کو مقامی طور پر بحال نہ کیا جاتا اور ان کی جگہ نصب کرنے کیلئے نئے ٹرانسفارمر خریدے گئے ہوتے تو اس مد میں ملکی کرنسی اور غیر ملکی زرمبادلہ کی صورت میں بہت بڑی رقم خرچ کرنا پڑتی۔

شکایات کا ازالہ:

نئی انتظامیہ کی آمد کے ساتھ صارفین کی شکایات کا ازالہ واپڈا کی پہلی ترجیح قرار پا گیا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے واپڈا ہیڈکوارٹرز میں چیئرمین کا کمپلینٹ سیل' ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کے چیف ایگزیکٹوز کے دفاتر میں شکایات مرکز قائم کئے گئے۔ ان تمام سینٹرز میں فون پر' فیکس یا ای میل کے ذریعے اور ذاتی طور پر پہنچ کر شکایات درج کرانے کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ سپرنٹنڈنگ انجینئروں' ایگزیکٹو انجینئروں اور سب ڈویژنل افسروں کو سرکل' ڈویژن اور سب ڈویژن کی سطحوں پر کھلی کچہریاں منعقد کر کے عوام کے مسائل بہتر طور پر جاننے اور ان کے اجتماعی مسائل فوری طور پر حل کرنے کی تدبیر کی گئی۔ کمپیوٹرائزڈ ریجنل کسٹمر سروس سینٹر بھی سرکل کی سطح پر اس باب میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ کسٹمر سروسز میں بہتری کے نتیجے میں گذشتہ تین برس کے دوران 25 لاکھ 24 ہزار 463 شکایات کا ازالہ کیا گیا۔

انضباطی معاملات:

اس دوران واپڈا میں منظم احتساب کا ایک مضبوط اور مستحکم نظام متعارف کرایا گیا ہے۔ اس نظام کی بنیاد بدعنوانوں' غلط کاروں' تساہل پسندوں اور نظم وضبط تباہ کرنے والی کالی بھیڑوں کیلئے سزا اور اچھے' دیانتدار اور محنتی کارکنوں کی حوصلہ افزائی اور انعام پر رکھی گئی ہے۔ اس عمل کے دوران 29 ہزار 524 انضباطی معاملات نبٹائے گئے۔ ان میں پہلے سے موجود زیر التواء معاملات بھی شامل تھے۔ ان میں سے 19 ہزار 591 کارکنوں' جن میں جنرل منیجر کے عہدے تک کے 2 ہزار 491 افسر بھی شامل ہیں' مختلف سزاؤں کے ہدف بنے۔ ان سزاؤں میں ملازمت سے برخواستگی' لازمی ریٹائرمنٹ تک کی سزائیں شامل ہیں۔

کسٹمر سروسز میں بہتری:

برقی صارفین کو بہتر خدمات کی فراہمی یقینی بنانے کیلئے متعدد اقدامات کئے گئے ہیں ان میں درج ذیل اقدامات شامل ہیں:

☆ نئے کنکشنوں کی فراہمی کے طریق کار کو سادہ بنا دیا گیا۔ نئے طریقہ کار کے مطابق نیا کنکشن ایک صفحے پر مشتمل اردو فارم پر کر کے یا سادہ کاغذ پر ہاتھ سے درخواست لکھ کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

☆ نئے کنکشن کیلئے جاری ہونے والے ڈیمانڈ نوٹ کی ادائیگی کے بعد صرف تین ہفتے کے اندر اندر پہلے سے موجود ڈیمانڈ نوٹوں کی ترتیب کے مطابق کنکشن کی فراہمی۔

☆ نئے کنکشنوں کی فراہمی اور پرانے کنکشنوں کے ناکارہ میٹروں کی تبدیلی کیلئے برقی میٹروں کی موجودگی یقینی بنائی گئی۔

☆ نئے کنکشن کی تنصیب پر ایک ماہ کے اندر پہلے برقی بل کا بروقت اجراء یقینی بنایا گیا۔

☆ تمام سب ڈویژنوں میں ''ون ونڈو'' آپریشن کی سہولت فراہم کی گئی۔

☆ صارفین کے مسائل بہتر طور پر حل کرنے کیلئے ایک نیا سرکل' 2 نئی ڈویژنیں' 61 نئی سب ڈویژنیں اور ایک نیا سب آفس قائم کیا گیا۔

☆ برقی بل' شہر یا ضلع کی کسی بھی منظور شدہ بینک شاخ میں جمع کروانے کی سہولت فراہم کی گئی۔

☆ برقی بل ڈاکخانوں اور جہاں کہیں دن رات کام کرنے والے ڈاکخانے موجود ہیں وہاں کسی بھی وقت جمع کروانے کی سہولت مہیا کی گئی۔ اس وقت بجلی کی تقسیم پر مامور کمپنیوں کے دائرہ کار میں 8,000 ڈاکخانے اور بینک شاخیں واپڈا کے برقی بل وصول کر رہی ہیں۔

☆ خواتین اور معذور افراد کیلئے بلوں کی ادائیگی کے علیحدہ کاؤنٹر قائم کئے گئے۔

☆ لاہور میں بل وصول کرنے والی ہر بینک برانچ میں رکھے گئے ڈبوں میں چیک ڈال کر برقی بل ادا کرنے کی سہولت فراہم کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اے بی این ایمرو اور سٹی بینک کے ساتھ تجارتی مراکز میں رکھے گئے ڈبوں کے ذریعے برقی بل بذریعہ چیک وصول کرنے کی سہولت بھی فراہم کی گئی۔

☆ برقی بلوں کی خودکار ادائیگی کے نظام کی تشکیل کیلئے یکم جولائی 2001ء سے تجرباتی منصوبے کا آغاز کیا گیا۔

☆ بجلی کی تقسیم پر مامور تمام کمپنیوں کے صدر دفاتر میں کمپیوٹرائزڈ ریجنل کسٹمر سروس سینٹروں کا قیام۔

☆ صنعتی شعبے کیلئے ریلیف پیکج کی فراہمی کے ساتھ ساتھ صنعتی اداروں کیلئے ٹی او ڈی ٹیرف متعارف کرایا گیا جس سے صنعتی صارفین کیلئے برقی بلوں میں 21 فیصد تک بچت ممکن ہوگئی۔

☆ زرعی شعبے کیلئے ریلیف پیکج کی فراہمی' اس پیکج کے تحت 3,000 ٹیوب ویل واپڈا کے برقی ترسیلی نظام سے منسلک ہوئے اور بہتر زرعی آبپاشی میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ سال 2000ء میں گندم اور کپاس کی شاندار فصلوں میں اس پیکج نے اہم کردار ادا کیا۔

بیمار صنعتوں' فولاد کی صنعت' ٹیکسٹائل انڈسٹری اور اس کے بعد تمام صنعتوں کیلئے بقایا جات کی 25 فیصد رقم کے عوض کنکشنوں کی بحالی اور بقایا رقم

12 آسان قسطوں پر ادا کرنے کی سہولت مہیا کی گئی' مزید برآں ان صارفین سے انقطاع کے دورانیے میں لاگو ہونے والے کم از کم اور فکسڈ چارجز بھی وصول نہیں کئے گئے' گذشتہ سال کی برقی کھپت کے تقابل میں 25 فیصد زائد برقی کھپت پر پاور ٹیرف میں 10 فیصد رعایت دی گئی' منقطع شدہ برقی کنکشنوں کو تاریخ انقطاع سے 5 برس کے اندر بحال کرنے پر ہٹائے جانے والے برقی ساز وسامان کی قیمت میں آنے والی کمی کے حساب سے ان کی موجودہ قیمت کو قرض کے طور پر ادا کرنے کی سہولت مہیا کی گئی' برقی بل کی پیشگی ادائیگی پر 10 فیصد سالانہ کی رعایت کا اعلان اور بجلی کا کنکشن بحال نہ کرنے والوں کیلئے برقی بل قسطوں میں ادا کرنے کی سہولت فراہم کی گئی۔

قابلیت کی بنیاد پر شفاف بھرتی:

برقی صارفین کو بہتر خدمات کی فراہمی یقینی بنانے کیلئے اور تکنیکی مہارت میں بہتری پیدا کرنے کی غرض سے تکنیکی مہارت میں بہتری پیدا کرنے کی غرض سے تکنیکی افراد اور میرٹ کے ایک شفاف نظام کے ذریعے بھرتی کئے گئے' اخبارات کے ذریعے آسامیوں کی تشہیر کی گئی' امیدواروں کے تحریری امتحانات لئے گئے اور ان امتحانات میں کامیاب قرار پانے والے امیدواروں کو ملازم رکھ لیا گیا۔ بجلی کی تقسیم پر مامور کمپنیوں میں اس طرح بھرتی ہونے والے افراد میں مجموعی طور پر 250 جونیئر انجینئر' 450 لائن سپرنٹنڈنٹ' 750 لائن مین' 500 کمرشل اسسٹنٹ اور 10,000 میٹر ریڈر شامل ہیں۔

حفاظت:

کام کے دوران تحفظ کی یقینی فراہمی واپڈا کی پہلی ترجیح ہے۔ لائنوں پر کام

کرنے والے کارکنوں کیلئے ایک معیار طریق کار وضع کیا گیا ہے۔ تمام واپڈا کمپنیوں میں سیفٹی ڈائریکٹوریٹ متحرک کر کے سرکلوں کی سطح پر سیفٹی کوآرڈینیٹر تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ لائنوں پر کام کرنے والے کارکنوں کیلئے وردی' حفاظتی جوتے اور ضروری اوزار کافی تعداد میں مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ انہیں مناسب تربیت بھی فراہم کی جا چکی ہے۔ اس حفاظتی کوڈ کے تحت لائن مینوں کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ حفاظتی ساز وسامان اور تدابیر پوری نہ کئے جانے پر کام کرنے سے انکار کر سکتے ہیں۔ یوں کام کے دوران مہلک حادثات میں واضح کمی آئی ہے اور اس دوران رونما ہونے والے بیشتر مہلک حادثات کارکنوں کی بے جا خود اعتمادی اور پیسے کی بھینٹ چڑھ جانے والے ملازمین کے بچوں کیلئے ملازمت یقینی بنائی گئی ہے۔ بجلی کی تقسیم پر مامور واپڈا کمپنیوں میں ہر 6 ماہ بعد بہترین حفاظتی تدابیر اختیار کرنے پر ایک ایک سب ڈویژن کو سیفٹی ایوارڈز دیئے گئے تاکہ مہلک حادثات میں کمی آسکے اور کارکنوں میں کام کے دوران حفاظتی تدابیر پر عمل پیرا ہونے کا رجحان بڑھایا جا سکے۔

کیریئر مینجمنٹ:

کارکردگی کا ایک اور شعبہ متحرک کیا گیا ہے اور سنیارٹی کی بنیاد پر ترقی کیلئے موجود نظام کی جگہ کارکردگی کی بنیاد پر ترقی کا ایک شفاف نظام متعارف کرایا گیا۔ ترقی کیلئے امتحانات میں کامیابی ضروری قرار دی گئی اور بامقصد تربیت کا ایک نظام وضع کیا گیا۔ افسروں اور کارکنوں کیلئے بہتر کارکردگی کی بنیاد پر میرٹ سرٹیفکیٹس اور نقد انعامات کی سہ ماہی سلسلہ شروع کیا گیا۔ اب تک کارکنوں کے درمیان ان کی اعلیٰ کارکردگی کے اعتراف کے طور پر تقریباً 10 لاکھ روپے تقسیم کئے گئے۔

کارکنوں کی فلاح و بہبود کے اقدامات:

کارکنوں کی بہتر دیکھ بھال کی غرض سے متعدد اقدامات کئے گئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے زیرالتواء سالانہ خفیہ رپورٹیں نمٹائی گئیں۔ اس وقت کوئی سالانہ خفیہ رپورٹ زیرالتواء نہیں۔ مذکورہ زیرالتواء چلی آنے والی سالانہ خفیہ رپورٹوں کی بناء پر رکی ہوئی ترقیاں عمل میں لائی گئیں۔ ان میں 92-1991ء تک سے زیرالتواء چلی آنے والی سالانہ خفیہ رپورٹیں بھی شامل تھیں۔ اب نان گزٹیڈ' کم آمدنی والے کارکنوں کے پیش کردہ ٹی اے اور ڈی اے وغیرہ کے دعوے افسروں کے ایسے دعوؤں سے پہلے ادا کئے جا رہے ہیں جبکہ پہلے یہ ترتیب الٹ تھی۔ کارکنوں کیلئے بہتر ٹرانسپورٹ کی فراہمی اور اس کی دیکھ بھال کیلئے 50 لاکھ روپے کی اضافی خصوصی امداد دی گئی۔ پنشن کی ادائیگی کے معاملے کو سرفہرست رکھا گیا اور کارکنوں کیلئے ریٹائرمنٹ سے 15 دن کے اندر واجبات کی ادائیگی اور پنشن کے اجراء کو یقینی بنایا گیا۔ واپڈا کے ریٹائرڈ کارکنوں کیلئے شناختی کارڈ جاری کئے گئے تاکہ واپڈا سے ان کی وابستگی عزت اور احترام کے ساتھ برقرار رہے۔

کارکنوں کیلئے ان کی اعلیٰ کارکردگی کے اعتراف میں توصیفی اسناد اور نقد انعامات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ سال 2001ء میں ادارے کی آمدنی میں اضافے میں کارکنوں کی بہتر کارکردگی کی حصہ داری کا احساس ابھارنے کیلئے افسروں اور کارکنوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا' دسمبر 2001ء سے حکومت کی طرف سے تنخواہوں کے ترمیم شدہ سکیلوں کو اپنایا گیا۔ کارکنوں کے بچوں کیلئے سکولوں' کالجوں اور تربیتی مراکز میں موجود سہولتوں کو موجودہ انتظامیہ نے بہتر طور پر مستحکم کیا۔

واپڈا فاؤنڈیشن:

واپڈا فاؤنڈیشن محض ایک ادارہ بن کے رہ گئی تھی۔ اب اسے واپڈا ملازمین کی

بہتری اور بھلائی کیلئے منافع بخش ادارے کے طور پر بحال کر دیا گیا ہے۔ اس مقصد کیلئے ایک مشیر ادارہ برقاب تشکیل دیا گیا جس کے ذریعے فاؤنڈیشن کے زیراہتمام برقی میٹروں اور ٹرانسفارمروں کی تیاری کے یونٹ لگانے کے امکانات کو یقینی بنایا گیا۔

نجی شعبے میں قائم بجلی پیدا کرنیوالے اداروں سے ٹیرف کے معاملات پر کامیاب مذاکرات:

نئی انتظامیہ نے کوٹ ادو پاور کمپنی' کیپکو اور حب پاور کمپنی' حبکو سمیت نجی شعبے میں قائم بجلی پیدا کرنے والے 15 اداروں سے بجلی کی خرید کے طریق کار پر کامیاب مذاکرات کئے۔ باقی 13 نجی اداروں میں سدرن الیکٹرک پاور' حبیب اللہ کوسٹل' صبا پاور' جاپان پاور' پاور جنریشن' آلٹرن انرجی' لبرٹی پاور' ڈیوس انرجی' نادرن الیکٹرک' روش (پاکستان) پاور لمیٹڈ' فوجی کبیر والا' اچ پاور لمیٹڈ اور ایشاٹیک شامل ہیں۔ ایشاٹیک نے باہمی رضامندی کے ساتھ کام سمیٹ لیا۔ پاور ٹیرف میں رضا کارانہ کمی کے نتیجے میں ان نجی منصوبوں کی 30 برس پر پھیلی ہوئی کارآمد معیادِ کار کے دوران مجموعی طور پر 6 ارب 3 کروڑ 80 لاکھ امریکی ڈالر کی بچت ہوئی۔ اس مقام پر لوگ سوال اٹھاتے ہیں کہ اس رضا کارانہ کمی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی بچت کی بناء پر واپڈا کا ٹیرف کم کیوں نہیں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ نجی شعبے میں قائم بجلی پیدا کرنے والے ادارے حبکو سے حاصل ہونے والی بجلی کی موجودہ قیمت بھی واپڈا کے ذریعے فروخت ہونے والی بجلی کی قیمت سے ایک روپیہ زیادہ ہے۔ یوں واپڈا نجی شعبے سے حاصل ہونے والی بجلی کے ہر یونٹ پر ایک روپے کا نقصان اٹھا رہا ہے' حالانکہ حبکو نے اپنے ٹیرف میں ایک امریکی سینٹ فی یونٹ کی کمی کر دی ہے۔ اس موعودہ بچت کا اصل فائدہ صارفین کو اس وقت منتقل ہونا شروع ہو گا جب نجی شعبے میں قائم بجلی گھروں سے بجلی 5ء5 امریکی سینٹ فی یونٹ پر

آ جائے گی۔ بجلی کی موجودہ قیمت میں کمی نہ ہونے کا سب سے بڑا سبب تھرمل بجلی کی پیداوار کیلئے استعمال ہونے والے فرنس آئل اور قدرتی گیس کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہے۔ یاد رہے کہ واپڈا کے برقی ترسیلی نظام پر دستیاب کل برقی توانائی کا 70 فیصد حصہ تھرمل بجلی کی پیداوار پر مشتمل ہے۔ 11 سالہ موسمیاتی دائرے میں 3 سال کی مسلسل خشک سالی اس تناسب کا بڑا سبب ہے' جس کی بناء پر واپڈا کو بھی بجلی کی مانگ پوری کرنے کیلئے اپنے تھرمل بجلی گھروں پر انحصار کرنا پڑا۔

بجلی کی قیمت کم کرنے کیلئے واپڈا نے حکومت کو تجویز کیا تھا کہ تھرمل پاور سٹیشنوں کو گیس کی فراہمی بڑھا دی جائے تاکہ بجلی کی پیداواری لاگت کم ہو اور اسے کھاد بنانے والے کارخانوں سے لی جانے والی قیمت پر گیس مہیا کی جائے۔ مزید برآں تھرمل پاور سٹیشنوں کو فرنس آئل بھی نسبتاً کم قیمت پر فراہم کیا جائے' فرنس آئل پر عائد ٹیکسوں اور ڈیوٹیوں میں چھوٹ دی جائے' تیل درآمد کرنے کیلئے درکار سہولتیں مہیا کی جائیں اور پبلک سیکٹر کے صارفین پر واجب الادا رقوم واپڈا کو ادا کی جائیں۔ واپڈا کا پاور ٹیرف مئی 1999ء میں فرنس آئل کی قیمت 5,500 روپے فی میٹرک ٹن اور گیس کی قیمت 89 روپے فی 10 لاکھ مکعب فٹ کی بنیاد پر وضع کیا گیا تھا اور اب 2002ء میں اسی فرنس آئل کی قیمت کی بنیادی قیمت سے 88ء8 فیصد گیس کی قیمت 104ء5 فیصد زیادہ ہو چکی ہے۔ لہٰذا بجلی کی قیمتوں میں کمی کیلئے ضروری ہے کہ واپڈا کے ''ویژن-2025'' کے تحت سستی پن بجلی کے وسائل کی بڑے پیمانے پر ترقی سے پہلے کسی طور پر تیل کی قیمتوں کو کم کیا جائے۔ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو کے سامنے پیش کئے اور ان کی طرف سے منظور کئے گئے ''ویژن-2025'' کے تحت تجاویز اور منصوبوں کو چیف ایگزیکٹو نے بھی سراہا۔

''ویژن-2025'' میں پانی کے بحران پر قابو پانے کیلئے نئے ڈیم' متعدد آبی ذخائر کی تعمیر

اور ان سے ممکن حد تک سستی پن بجلی کے حصول کی تجاویز اور منصوبے شامل ہیں۔

واپڈا پنجاب اور سندھ کے زرعی صارفین کو برقی توانائی 2ء86 روپے فی یونٹ اور شمال مغربی سرحدی صوبے' بلوچستان اور میانوالی' بہاولپور اور تھرپارکر کے کم ترقی یافتہ اضلاع کے زرعی صارفین کو 2ء39 روپے فی یونٹ کے حساب سے مہیا کر رہا ہے جبکہ واپڈا کی اوسط پیداواری لاگت 4ء27 روپے فی یونٹ ہے۔ ان حقائق سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تیل اور گیس کی موجودہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کے تناظر میں کسان برادری کیلئے واپڈا کا ٹیرف آج بھی کس حد تک صارف دوست ہے۔ تاہم بجلی کی قیمت کی پیداوار کے بنیادی ایندھن کی قیمتوں کے اضافے کی رفتار سے ہرگز نہیں بڑھی۔

سال 2001ء میں نیپرا نے بجلی کی قیمت پر تین بار نظر ثانی کی' دو بار ایندھن کی قیمت کے سیاق و سباق میں خودکار طریق کار کے مطابق اور ایک بار ٹیرف کو متوازن کرنے کی غرض سے۔ اس طرح بجلی کی یکم جنوری 2001ء کی قیمت 3ء41 روپے فی یونٹ سال 2001ء کے خاتمے تک صرف 15 پیسے کے اضافے کے ساتھ 3ء66 روپے ہوگئی۔ دوسرے لفظوں میں یہ اضافہ 3ء7 روپے کرنے کا اعلان حکومت پاکستان کی طرف سے عملدرآمد کیلئے جاری نہیں کیا گیا۔ واپڈا اس حکمنامے کے اجراء اس پر عملدرآمد کرنے کا پابند ہے۔

آبی شعبہ:

184 میگاواٹ کے چشمہ ہائیڈرو پاور پراجیکٹ نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس بجلی گھر کے تمام کے تمام 8 یونٹ سال 2001ء میں کام شروع کر چکے ہیں۔ اس منصوبے کے آغاز کار کی رسم افتتاح 27 فروری 2001ء کو صدر مملکت نے ادا کی۔

تربیلا ڈیم سے نیچے دریائے سندھ پر 1450 میگاواٹ کا غازی بروتھا ہائیڈل پاور

پراجیکٹ تعمیر کے مراحل تیزی سے طے کر رہا ہے۔ اس منصوبے پر دسمبر 2001ء میں 80 فیصد کام مکمل کیا جا چکا تھا۔

ویژن-2025:

صدرِ مملکت نے اگست 2001ء میں تیز تر تکمیل کیلئے منتخب کئے گئے منصوبوں گومل زام ڈیم' میرانی ڈیم اور تھل سیلابی نہر کے تعمیراتی منصوبوں کا افتتاح کیا۔ ان کی جائے تعمیر پر کام جاری ہے تاکہ ان منصوبوں کو شیڈول کے مطابق بروقت مکمل کیا جاسکے۔

تیز تر تکمیل کیلئے منتخب کئے گئے پانی اور سستی پن بجلی کی فراہمی کیلئے ست پارہ ڈیم کے کثیر المقاصد منصوبے پر بھی کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کے قابل عمل ہونے کی رپورٹ مکمل کر دی گئی ہے اور ترمیم شدہ پی سی ون حکومت پاکستان کو پیش کر دیا گیا ہے۔ اس منصوبے کی جائے تعمیر پر ابتدائی محکمہ جاتی کام شروع کر دیا گیا ہے۔

رینی سیلابی نہر کے منصوبے کے قابل عمل ہونے کی رپورٹ سے پہلے کے مطالعات مکمل کئے جا چکے ہیں۔ اس منصوبے کے اگلے مراحل پر کام جاری ہے۔

کچھی نہر کے منصوبے کے قابل عمل ہونے کے بارے میں تحقیقاتی مطالعات جاری ہیں۔ اس منصوبے کی رسم افتتاح بھی مارچ 2002ء میں منعقد ہو چکی ہے۔

پن بجلی کے منصوبے:

جناح' مالاکنڈ 111' الائی خواڑ' خان' دبیر خواڑ' گولن گول' متلتان اور اپر جہلم کینال کے پن بجلی کے منصوبوں کے قابلِ عمل ہونے کی رپورٹیں مکمل ہو چکی ہیں۔ الائی خواڑ' خان خواڑ اور دبیر خواڑ کے منصوبوں کے ڈیزائن اور ٹینڈر دستاویزات کی تیاری جاری ہے۔ ابوظہبی ڈویلپمنٹ فنڈ ان منصوبوں کی تعمیر کیلئے بالترتیب 6 کروڑ' 4 کروڑ

اور 5 کروڑ 50 لاکھ امریکی ڈالر مہیا کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں دونوں دوست ممالک کی حکومتوں کے درمیان سرمایہ کاری کیلئے باہمی رضامندی کی یادداشت پر دسمبر 2001ء میں اسلام آباد میں دستخط ہو چکے ہیں۔

نیلم' جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کے قابل عمل ہونے کے مطالعات اور تعمیراتی ڈیزائن پر کام مکمل کئے جا چکے ہیں۔ اس منصوبے کا پی سی ون مئی 2001ء میں حکومت پاکستان کو پیش کر دیا گیا ہے۔ کوہالہ ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کے قابل عمل ہونے کے مطالعات سے پہلے کے ابتدائی تحقیقاتی مطالعات مکمل کر لئے گئے ہیں۔

پھور رہائی لیول ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کے تصور کے قابل عمل ہونے کے بارے میں تحقیقاتی مطالعات مکمل ہو چکے ہیں جبکہ اس منصوبے کے تکنیکی اور اقتصادی طور پر قابل عمل ہونے کے بارے میں تحقیقاتی مطالعات پر کام جاری ہے۔

نہروں اور بیراجوں پر دو ہیڈ ہائیڈل پاور سٹیشنوں کی تعمیر کیلئے واپڈا کی ہائیڈرو الیکٹرک پاور آرگنائزیشن Hepco جی ٹی زیڈ جرمنی نے ملک بھر میں 604 مقامات کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں 13 بیراج' ہیڈ ورکس اور ڈیموں سے منسلک مقامات شامل ہیں۔ اس سے مجموعی طور پر 175 میگاواٹ سستی پن بجلی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ 591 مقامات نہری آبشاروں پر مشتمل ہیں اور ان سے مجموعی طور پر 550 میگاواٹ سستی پن بجلی حاصل کی جاسکے گی۔ ان مذکورہ بالا اسکیموں کیلئے پی سی ٹو 18 اکتوبر 2001ء کو حکومت پاکستان کی سنٹرل ڈویلپمنٹ پارٹی CDWP اجلاس میں زیرِ غور آ چکے ہیں۔ روہڑی کینال (42ء7 میگاواٹ)' پھلائی برانچ (67ء2 میگاواٹ) اور پاکپتن کینال (71ء3 میگاواٹ) کے منصوبے ان کے قابل عمل ہونے کی رپورٹیں تیار کرنے کیلئے تجرباتی منصوبوں کے طور پر منتخب کر لئے گئے ہیں۔ اس ترقیاتی سرگرمی کا

بنیادی مقصد ملک کے اندر برقی میکانکی ساز وسامان تیار کرنے کی صنعت کو بڑھاوا دینا ہے تاکہ منصوبوں کی تعمیر اور تنصیب کی لاگت میں واضح کمی آسکے اور زرمبادلہ میں بچت کے ساتھ ساتھ مقامی طور پر روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوسکیں۔

میرانی ڈیم (زرعی پانی کی فراہمی کا بلوچستان میں اہم منصوبہ)

بلوچستان کا صوبہ مختلف النوع ماحولیاتی حصوں میں بنا ہوا ہے ایک طرف برف سے ڈھکے پہاڑ ہیں تو دوسری طرف خشک اور تنگ گھاٹیاں جبکہ ریتلے میدان' ندی نالے اور بے گیاہ ساحلی علاقے اس کی قدرتی ترکیب کے اجزاء ہیں۔

متنوع آب و ہوا کے باعث صوبہ نہ صرف وافر مقدار میں غذائی اجناس' سبزیاں اور گرم خطۂ ارض کے پھل پیدا کرتا ہے بلکہ گلہ بنی بھی یہاں عام ہے۔ زراعت اس صوبے کی اہم معاشی سرگرمی ہے اور مجموعی صوبائی پیداوار میں اس کا پچاس فیصد حصہ بنتا ہے جس میں بڑی فصلوں کا 26' چھوٹی فصلوں کا 8 اور مویشیوں کا 15 فیصد حصہ شامل ہے۔ صوبے کی افرادی قوت کا تقریباً 67 فیصد زراعت کے شعبے میں مختلف سرگرمیوں سے وابستہ ہے۔ اگرچہ ملک کے مجموعی زیر کاشت رقبے میں بلوچستان کا حصہ صرف 3.8 فیصد بنتا ہے تاہم پھلوں کی مجموعی قومی پیداوار میں اس کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ ملکی پیداوار کا 82 فیصد سیب' 69 فیصد آڑو' 97.6 فیصد انگور' 82 فیصد انار' 64 فیصد کھجور' 93.5 فیصد بادام اور 49 فیصد آلو بخارا بلوچستان میں پیدا ہوتا ہے۔ ان اعداد وشمار سے مجموعی قومی زرعی پیداوار میں بلوچستان کے اس حوصلہ افزا اشتراک کی عکاسی ہوتی ہے کہ ملک میں کاشت ہونے والے پھلوں کا 45 فیصد حصہ یہاں سے حاصل ہوتا ہے۔

بلوچستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں کبھی بھی فی ایکڑ پیداوار زیادہ نہیں رہی۔ البتہ انگریزوں کی آمد سے قبل اس علاقے سے مختلف سلطنتوں کو زرعی محاصل کی بجائے

جنگجو افراد فراہم کیے جاتے رہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ بلوچستان میں کیر تھر' نہر نامی سب سے پہلا زرعی منصوبہ 1932ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جو بلوچستان کی زرعی ترقی کے مفاد میں اس وقت کے حکمران خان آف قلات میر محمد اعظم جان نے تعمیر کرایا تھا۔

بلوچستان کے زرعی شعبے کے اس تاریخی پس منظر اور وسیع بے آباد رقبے کو سامنے رکھتے ہوئے جنرل پرویز مشرف نے آغاز ہی سے صوبے اور خاص طور پر اس کے دورافتادہ علاقوں میں پانی کے ذخائر تعمیر کرنے کی ہدایت کی اور واپڈا حکومت کے نمائندہ تعمیراتی ادارے کی حیثیت میں اس صوبے میں دو برس قبل شروع کئے گئے شعبہ آب کے منصوبوں کی تعمیر میں ہمہ وقت مصروف عمل ہے۔ اس وقت یہاں میرانی ڈیم' سبک زئی ڈیم اور کچھی کینال کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی ترقیاتی سرگرمیاں جاری ہیں۔

ضلع ژوب میں واقع سبک زئی ڈیم کی دریائے ژوب سے نکلنے والے سرورُد پر تعمیر کیلئے کام انجام پا رہا ہے جس کا آغاز جنوری 2003ء میں ہوا۔ مٹی کی بھرائی سے تعمیر ہونے والے اس ڈیم کی اونچائی 33 میٹر' لمبائی 396 میٹر ہوگی اور اس کی جھیل میں 25 ہزار ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کیا جاسکے گا۔ اس پر لاگت کا تخمینہ 1010.35 ملین روپے ہے اور اس کی تکمیل دسمبر 2005ء میں متوقع ہے۔ سبک زئی ڈیم سے 6 ہزار 6 سو 80 ایکڑ اراضی سیراب ہوگی۔ ژوب کا شمار سیب' آلو بخارا' انگور اور دوسرے خشک میوہ جات پیدا کرنے والے علاقوں میں ہوتا ہے۔ ان باغات کو پانی کی فراہمی سے پیداوار میں اضافہ ہوگا اور علاقے میں ترقی وخوشحالی کا نیا سورج طلوع ہوگا۔

واپڈا بلوچستان میں 37 ارب روپے کی لاگت سے میرانی سبک زئی ڈیمز اور کچھی کینال سمیت دیگر آبی ذخائر کے منصوبوں کو بڑی تیزی کے ساتھ مکمل کر رہا ہے۔

بلوچستان میں واپڈا نے یکم جولائی 2002ء کو میرانی ڈیم کا منصوبہ شروع کیا مٹی کی بھرائی سے بننے والے اس ڈیم کی اونچائی 127 فٹ اور لمبائی 3 ہزار 350 فٹ ہے۔ میرانی ڈیم میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش 3 لاکھ 2 ہزار ایکڑ فٹ۔ اس ڈیم سے 33 ہزار 200 ایکڑ اراضی قابل کاشت ہوگی اور اس منصوبے پر 4 ارب 25 کروڑ روپے کی لاگت آئے گی جو جون 2003ء میں مکمل ہوگا جبکہ سبک زئی ڈیم جس پر جنوری 2003ء میں کام کا آغاز ہوا مٹی کی بھرائی سے تعمیر ہونے والے اس ڈیم کی اونچائی 33 میٹر لمبائی 396 میٹر ہے۔ ڈیم کی جھیل میں 25 ہزار ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ ہو سکے گا۔ سبک زئی ڈیم پر ایک ارب 10 کروڑ 35 لاکھ روپے کی لاگت آئے گی اور یہ دسمبر 2005ء میں مکمل ہوگا۔ ڈیم کی تعمیر کے بعد 6 ہزار 1680 ایکڑ اراضی سیراب ہوگی۔ واپڈا نے بلوچستان میں زرعی پانی کی فراہمی کا جو تیسرا اہم منصوبہ شروع کیا ہے وہ 500 کلومیٹر طویل کچھی کینال کا منصوبہ ہے جس میں پانی کے بہاؤ کی صلاحیت 600 کیوسک ہوگی۔ تونسہ بیراج سے نکالی جانے والی اس نہر کا 300 کلومیٹر حصہ پنجاب اور 200 کلومیٹر بلوچستان میں ہے اور یہ 2 ہزار کلومیٹر طویل تقسیمی نظام کے ذریعے بلوچستان کی 7 لاکھ 13 ہزار ایکڑ اراضی کو سیراب کرے گی اس منصوبے پر اکتوبر 2002ء میں 31 ارب 20 کروڑ 40 لاکھ روپے کی لاگت سے ہوگی جون 2007ء میں مکمل ہوگی۔

واپڈا کی تشکیل نو

حکومت پاکستان (CGI) نے 'پاکستان پاور سیکٹر (PPS) کی تشکیل نو کا منصوبہ 1992ء میں منظور کیا تھا۔ تشکیل نو کے اس عمل کے ایک حصے کے طور پر پانی اور بجلی کے شعبوں میں واپڈا کے افعال کی درج ذیل طریق کار کے مطابق تقسیم ہونا تھی:

☆ واپڈا کے برقی شعبے کی' کمپنی آرڈیننس مجریہ 1984ء کے تحت' پیداوار' ترسیل اور تقسیم پر مامور 12 پبلک لمیٹڈ کمپنیوں میں تشکیل نو۔

☆ تشکیل نو کے بعد برقی شعبے کے اثاثوں پر مشتمل خودکار اور خود اختیار اداروں کی حیثیت سے ان کمپنیوں کو تجارتی بنیادوں پر بہتر کارکردگی' لاگتی قیمت میں کمی اور منافع بخشی کے مقاصد سامنے رکھ کر چلایا جائے۔

☆ صارفین کو مناسب قیمت پر بجلی فراہم کرنے کی غرض سے مقابلے کی فضا استوار کی جائے۔

☆ کارپوریٹائزیشن اور کمرشلائزیشن کے عمل کے ذریعے ان کمپنیوں کے اثاثوں کی کاروباری قدر بڑھا کر ان اداروں میں تجارتی بقاء کے رجحان کو ترویج دی جائے۔

☆ ان کمپنیوں کو نجی شعبہ کے حوالے کرنے کیلئے اقدامات کئے جائیں۔

موجودہ انتظامیہ نے واپڈا کے برقی شعبے کی تشکیل نو اور کارپوریٹائزیشن کے عمل کو تیز کرتے ہوئے واپڈا کے برقی شعبے کو 3 جنریشن کمپنیوں (جینکوز)' ایک نیشنل ٹرانسمیشن اینڈ ڈسپیچ کمپنی (این ٹی ڈی سی) اور 8 ڈسٹری بیوشن کمپنیوں (ڈسکوز) میں کامیابی کے ساتھ نئے سرے سے تشکیل دے دیا۔

فوج کی قیادت میں انتظامیہ نے واپڈا کے برقی شعبے کی تشکیل نو کے اصلاحی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے عمل میں نمایاں پیش رفت کی جس کا اعتراف عالمی بینک اور دوسرے امدادی اداروں نے بھی کیا۔

☆ واپڈا کا پوریٹ کمپنیوں کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی نئے سرے سے تشکیل عمل میں لائی گئی۔ یہ بورڈ نجی شعبے سے 3' پاکستان الیکٹرک پاور کمپنی (پیپکو) سے

2اور واپڈا سے ایک نمائندے اور متعلقہ کمپنی کے چیف ایگزیکٹو افسر پر مشتمل ہیں۔

☆ ان کارپوریٹ کمپنیوں کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں نجی شعبے کے ممبروں میں سے بورڈ کے چیئرمین کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

☆ ان کارپوریٹ کمپنیوں میں پیشہ وارانہ اہلیت اور مہارت کے حامل، صلاحیت یافتہ افراد کو بھرتی کیا گیا۔

☆ افرادی قوت کی منتقلی کے پروگرام کے تحت واپڈا ملازمین کو ان کارپوریٹ کمپنیوں میں باقاعدہ طور پر منتقل کرنے کا کام تکمیل کو پہنچایا گیا۔ ملازمت کے نئے کنٹریکٹ کے اطلاق کے عمل کی تکمیل کیلئے ملازموں کی یونینوں کو اعتماد میں لیا گیا تاکہ ملازمین میں اس اطمینان اور اعتماد کو پختہ کیا جاسکے کہ کارپوریٹ کمپنیوں کی ملازمت میں آنے کے بعد بھی ان کے مفادات کا مکمل تحفظ ہوگا۔

☆ واپڈا اور اس کی تمام کارپوریٹ کمپنیوں یعنی بجلی کی پیداوار اور تقسیم پر مامور کمپنیوں، جینکوز اور ڈسکوز نے ریگولیٹری لاء پر عملدرآمد کیلئے نیشنل الیکٹرک ریگولیٹری اتھارٹی (نیپرا) سے بجلی کی پیداوار اور تقسیم کے لائسنس حاصل کرنے کیلئے جملہ ضروری کارروائی مکمل کی۔

☆ کارپوریٹ کمپنی کے ملکیتی اثاثوں کو واپڈا کی ملکیت سے حکومت پاکستان کی ملکیت میں منتقل کرنے کی خاطر ان کو صدر پاکستان کے نام منتقل کر دیا۔

☆ فیصل آباد الیکٹرک سپلائی کمپنی فیسکو کی نج کاری کا پروگرام پرائیویٹائزیشن کمیشن کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

☆ افرادی قوت کو ترقی دینے کے نظاموں (ایچ آر ڈی سسٹمز) اور رضا کارانہ

علیحدگی کی سکیموں کے سلسلے میں مطالعاتی کام مکمل کیا گیا۔

☆ ڈسکوز اور جینکوز کے مالیاتی استحکام کا جائزہ لینے کیلئے مالیاتی ماڈلز تشکیل کئے اور ترتیب دیئے گئے۔

☆ قانونی تقاضوں پر عملدرآمد کی خاطر ٹرانسمیشن آپریٹنگ پرسپلز، گرڈ کوڈ، ڈسٹری بیوشن کوڈ اور کنزیومر سروس مینوئل مرتب کئے گئے۔

☆ ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کی منصوبہ بندی کی صلاحیت بہتر بنانے، درمیانی اور طویل مدت کی سرمایہ کاری کے منصوبوں کی تیاری اور واپڈا اور کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے نظام کے مربوط آپریشن کیلئے مطالعاتی کام مکمل کیا گیا جس کا مقصد نئی کارپوریٹ کمپنیوں کو کم سے کم لاگتی سرمایہ کاری کے ساتھ وسائل کے زیادہ سے زیادہ بہتر استعمال اور اعلیٰ صلاحیتی حسن انتظام (مینجمنٹ) کو یقینی بنا کر مستقبل میں برقی نظام کو توسیع دینے کیلئے منصوبہ بندی کی بہتر اہلیت کی استعداد سے آراستہ کرنا ہے۔

☆ نیشنل پاور کنٹرول سنٹر کے لوڈ ڈسپیچ سسٹم کی بہتری اور تجدید کیلئے منصوبہ سازی کا کام مکمل کیا گیا تاکہ نئے سرے سے تشکیل کردہ برقی شعبے کی مستقبل کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے نیشنل ٹرانسمیشن اینڈ ڈسپیچ کمپنی این ٹی ڈی سی کے لوڈ ڈسپیچ سسٹم کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے کام کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

☆ میڈیا پی آر مہم کیلئے ٹی وی دستاویزی فلمیں تیار کی گئیں جس کا مقصد واپڈا کا امیج بہتر بنانا، تشکیل نو اور اصلاحات کے پروگرام کے بارے میں شعور و ادراک کو عام کرنا اور ماضی قریب میں حاصل کردہ بہتریوں اور کامیابیوں کو اجاگر کرنا تھا۔

آرمی کی مدد سے واپڈا کی ڈوبتی کشتی کو بچا لیا گیا اور بحرانی حالات سے باہر نکال لیا گیا ہے۔ واپڈا ایک بار پھر ترقی کی راہ پر گامزن ہو چکا ہے۔ واپڈا کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل ذوالفقار علی خان نے اپنی ریٹائرمنٹ سے قبل فوجی معاونت کے دوران واپڈا کی 3 سالہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے واپڈا کارکنوں کے ایک کھلے اجلاس کے دوران اور بعد ازاں واپڈا آڈیٹوریم میں 31 جنوری 2002ء کو صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ واپڈا کی ان تمام کامیابیوں کا سہرا' واپڈا کے دیانتدار اور محنتی افسروں اور کارکنوں کے سر جاتا ہے اور اب ان حاصل شدہ کامیابیوں کو کم سے کم فوجی معاونت کے ساتھ مستحکم بنیادیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ واپڈا ایک ترقیاتی ادارے کے طور پر اپنا حقیقی کردار پوری قوت کے ساتھ بحال کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے اور اب یہ ادارہ نجی شعبے میں قائم بجلی پیدا کرنے والے اداروں کو بجلی کی خرید کے تقابل میں بھاری ادائیگیاں کرنے' سرکاری اداروں کی طرف سے واجبات موصول نہ ہونے اور تیل اور گیس کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے مقابلے میں واپڈا ٹیرف میں کہیں کم اضافے کے باوجود اپنے عظیم الشان ترقیاتی پروگرام ''ویژن-2025'' کے تحت مجوزہ منصوبوں پر ابتدائی کام کیلئے اربوں روپے کے اخراجات خود برداشت کرنے کے لائق ہو چکا ہے۔

واپڈا کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل ذوالفقار علی خان نے بجا طور پر' واپڈا کے اندر اور باہر' واپڈا کارکنوں اور واپڈا صارفین کے درمیان ایک نئے کلچر کو پروان چڑھانے کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور کہا کہ بلاشبہ ہم سب' ایک قوم کی طرح مل جل کر' واپڈا کو ایک مضبوط اور صارفین کی حقیقی خدمت پر کمربستہ' فعال ادارہ بنا سکتے ہیں اور ہمیں بہتر طور پر یہ کام سرانجام دینا ہے۔

بشکریہ' کرنل سفیر تارڑ

بلوچستان میگا پراجیکٹس کی تکمیل میں فوج کا کردار

بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں ذرائع نقل و حمل کا ناقص بنیادی ڈھانچہ' بحیرہ عرب' گوادر' پسنی اور ارمارہ کے گرم ساحلوں سے حاصل ہونے والے بحری وسائل کے مکمل استعمال کے معاملے میں ہمیشہ سے ایک رکاوٹ رہا ہے۔ اس نظریئے کے تحت حکومت پاکستان نے ساحلی علاقے میں کئی میگا پروجیکٹس شروع کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ زرخیز بحری وسائل کو استعمال میں لا کر مقامی آبادی میں غربت و افلاس کا خاتمہ کیا جا سکے۔ چنانچہ گوادر میں فش ہاربر اور گہری بندرگاہ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ پسنی اور ارمارہ میں بھی فش ہاربر تعمیر کرنے اور دیگر صنعتی علاقوں میں مختلف قسم کے منصوبے شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا چونکہ ساحلی علاقوں اور ملک کے دیگر حصوں خصوصاً کراچی کے درمیان ذرائع مواصلات کی عدم موجودگی میں ان میگا پروجیکٹس کے فوائد مؤثر طور پر حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

اس لئے 2000ء میں صدر پرویز مشرف کی حکومت نے بین الاقوامی تناظر میں اس مسئلے کا ایک تاریخی حل نکالا اور مکران کی ساحلی شاہراہ تعمیر کر کے' کراچی' کوئٹہ ہائی وے (N-25) پر لیاری کو ارمارہ' پسنی اور گوادر سے ملانے اور گابر کے مقام پر پاک ایران سرحد کے نزدیک علیحدہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ نیشنل ہائی وے اتھارٹی کا یہ ہائی وے پروجیکٹ

تقریباً 532 کلومیٹر طویل ہے اور تین مختلف سیکشنز میں تعمیر کیا جارہا ہے۔ فوری اور معیاری فائدے کے حصول کیلئے لیاری۔ ارمارہ (کلومیٹر 243) اور گوادر۔ پسنی (کلومیٹر 132.5) سیکشنوں کی تعمیر کیلئے فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کی خدمات حاصل کی گئیں۔

اس علاقے میں نیچی لیکن سیدھی اور متوازن پہاڑوں پر مشتمل وسیع قطعہ زمین اور کام کے ماحول کا سخت ترین دباؤ ترقیاتی منصوبوں کی کامیابی میں حائل تھا۔ پینے کے پانی کی عدم دستیابی۔ مقامی تعمیراتی سامان کی کمیابی۔ گرم اور خشک موسم۔ مون سون میں شدید سیلاب۔ کام کیلئے افرادی قوت کی عدم دستیابی۔ مشینوں اور گاڑیوں کی ٹوٹ پھوٹ۔ لاجسٹک سپورٹ کی طوالت مثلاً کراچی سے اور صحت کے شدید ترین مسائل' خصوصاً صحرائی مکھیوں کی وجہ سے' بنیادی مشکلات تھی۔

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے یکم جولائی 2000ء کو لیاری' ارمارہ سیکشن 243 کلومیٹر کی گراؤنڈ بریکنگ کی۔ یہ ہائی وے اس طرح ڈیزائن کی گئی ہے کہ اس میں 3 میٹر چوڑے شولڈرز کے ساتھ 7.3 میٹر چوڑی کیرج وے ہے۔ سڑک کا ڈھانچہ 100 mm بجری کی دہری تہہ کے ساتھ 150 mm ایگری گیٹ بیس' 100 mm موٹی اسفالٹ بیس۔ 50 mm اسفالٹ ویرنگ کورس کے ساتھ بنا ہے۔ علاقے میں شدید سیلاب کے پیش نظر پانی کی نکاسی کے بے شمار ذرائع مہیا کئے گئے ہیں جو 30 پلوں' مختلف سائز کی 706 زمین دوز نالیوں اور 650 بلند راستوں پر مشتمل ہیں۔ ہائی وے کا طویل ترین پل دریائے ہنگول پر ہے جس میں 35-35 میٹر چوڑائی کے 8 راستے ہیں۔

فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے لیاری اور ارمارہ کے درمیان زیادہ سے زیادہ افرادی اور مشینی ذرائع اور وسائل کا استعمال کیا تاکہ کام کو مقررہ وقت میں پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔ لیاری سے اگور تک (دریائے ہنگول کے قریب) 120 کلومیٹر لمبا حصہ

مکران کے ساحلی علاقوں سے اچانک آنے والے سیلابوں کی زد میں تھا۔ ضروری تھا کہ اس تک پہنچنے والی سڑک کو ہائی وے کی بنیاد کی چوڑائی کو 30 میٹرز تک بڑھاتے ہوئے' کئی میٹر اونچا بنایا جائے۔ چونکہ کام کا آغاز بیک وقت دریائے ہنگول اور بزی اور جکی کی پہاڑیوں کے درمیان کیا گیا تھا اس لئے مشینوں اور افراد کی زیادہ تعداد درکار تھی۔ بھاری گاڑیوں کے سہل راستے بنانے کیلئے گارے کی اونچی چٹانوں والی' چاند کی سطح جیسی سطح زمین کو کاٹ ڈالا گیا۔ پسلیوں کی جیسی چٹانی ساخت کی بڑی پہاڑیوں میں چٹانیں کاٹنے اور توڑنے والے آلات کے استعمال اور ڈرلنگ اور دھماکہ خیز مواد کی مدد سے بہترین ساخت کے باکس کٹ بنا لئے گئے۔ اس کے علاوہ ایک 32 کلومیٹر طویل ذیلی راستہ بھی دریائے ہنگول اور رس ملان کے درمیان بنایا گیا۔ اپنے پوری طرح سے سوچے سمجھے ہوئے منصوبے اور ورک شیڈول کے ساتھ اور سخت محنت سے فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے یہ سیکشن جون 2003ء میں اس کی مقررہ تاریخ تکمیل سے قبل ہی مکمل کرلیا۔

مکران کے ساحلی ہائی وے کے 132 کلومیٹر طویل گوادر۔ پسنی سیکشن کی گراؤنڈ بریکنگ کا افتتاح جنرل پرویز مشرف کے ہاتھوں 17 اگست 2001ء کو ہوا۔ جبکہ اس منصوبے پر کام کا آغاز فروری 2002ء کو ہونا تھا۔ یہ علاقہ بھی لیاری۔ ارمارہ سیکشن سے ملتے جلتے ساحلی میدانوں۔ پتھریلی پہاڑیوں اور تکلیف دہ' ناموافق ماحولیاتی صورتحال پر مبنی ہے۔ ہائی وے کی جملہ خصوصیات بھی لیاری۔ ارمارہ سیکشن جیسی ہیں۔ سوائے اس کے کہ اس کے کیرج وے کے ساتھ 2 میٹر چوڑے شولڈرز ہیں اور اس کی نچلی سطح 270 mm موٹی ہے اس میں 15 پلوں اور 421 زمین دوز نالیوں کے ساتھ اچانک آنے والے سیلابوں کے پانی سے بچاؤ کیلئے نکاسی آب کے ذرائع کی بہت بڑی تعداد فراہم کی گئی ہے۔ اس سیکشن پر مشینوں اور پلانٹ کی بہت بڑی تعداد نصب کی گئی تاکہ چٹانیں کاٹ کر زمین کو

تبدیل کیا جائے اور ہائی وے کو سیدھا رکھنے کیلئے کئی نئے خاکے بنائے گئے۔ فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے اپنے روایتی جوش اور جذبے اور ہمت سے اس منصوبے کو مقررہ وقت یعنی فروری 2004ء کے اندر مکمل کرلیا۔

مکران کوسٹل ہائی وے ایک مشکل پروجیکٹ تھا۔ لیاری' اومارہ سیکشن کی تکمیل کے فوراً بعد ایک قدرتی آفت کے طور پر شدید بارشوں کا ایک دور جولائی 2003ء میں شروع ہوا جس نے علاقے میں تباہی پھیلادی۔ 3 اور 24 کلومیٹر کے درمیان ان بارشوں نے ہائی وے کو شدید نقصان پہنچایا جس کے سبب سڑک پر کی گئی کارپینٹنگ اکھڑ گئی تاہم سڑک بشمول 23 پلوں اور 710 زمین دوز نالیوں نے بارشوں کا یہ زور برداشت کرلیا۔ نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے منظور شدہ اضافی سٹرکچرز کی تعمیر مکمل کرنے کے علاوہ فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے سڑک کے تباہ شدہ حصوں کی مرمت کی۔

مکران کوسٹل ہائی وے کی تکمیل سے بلوچستان کے بحری وسائل کے بروئے کار لانے میں بہت مدد ملے گی۔ بلوچستان میں کئی میگا پروجیکٹس شروع کرنے میں آسانی ہوگی اور اس طرح بلوچستان میں معاشی سرگرمیوں کیلئے نئی راہیں کھلیں گی اور صدیوں سے پسماندگی کے شکار مقامی لوگوں کی قسمت بدل جائے گی۔

ان خوشنما خوابوں کو تعبیر سے آشنا کرنے اور علاقے دشوار گزار اور کٹھن ماحول میں کام کرنے کے سلسلے میں فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کا کردار پاکستان کی معاشی ترقی اور خوشحالی کی تاریخ میں ایک سنہرے باب کے طور پر ہمیشہ موجود رہے گا۔

پاک فوج مراعات یافتہ طبقہ نہیں

کچھ لوگ پاکستان آرمی کو بالخصوص ایک مراعات یافتہ طبقہ قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فوجیوں کو مفت پلاٹ الاٹ کئے جاتے ہیں' زمینیں دی جاتی ہیں اور ''معمولی مراعات'' کے نام پر ایسی ایسی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں جو پاکستان کے عام شہری کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ مثلاً سی ایس ایس کیڈر میں فوجی افسروں کا کوٹہ مقرر ہے' سی ایس ڈی میں ان کو بہت ہی کم نرخوں پر روزمرہ کی تمام اشیائے ضرورت مہیا کی جاتی ہیں' نوکر اور باورچی مفت میں ملتے ہیں' فوجی ہسپتالوں میں علاج معالجے کی بہترین سہولتیں' ماحول اور ادویات دی جاتی ہیں' ریٹائرمنٹ کے بعد ان کو محل نما رہائشی مکانات تقریباً مفت فراہم کئے جاتے ہیں' ان کا رہن سہن' رنگ ڈھنگ' چال ڈھال اور انداز و اطوار مغل شہزادوں سے کم نہیں' وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ فوجی افسروں اور جوانوں کو جو مراعات دی جاتی ہیں' وہ ان کے فرائض کی گرانباریوں کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ سپیریئر سروسز کیڈر میں فوجیوں کے کوٹہ کا جہاں تک تعلق ہے تو قومی سطح پر سپیریئر سروسز کو اس پریکٹس کی ضرورت بھی تھی۔ کمیشنڈ آفیسرز کا کیڈر اور سپیریئر سروسز کا کیڈر ویسے بھی کوالی فیکیشنز' انٹیلی جنس اور دوسرے معیاروں کے پس منظر میں تقریباً مساوی ہیں۔ برطانوی دور میں بھی

اعلیٰ سول سروسز کے بعض آفیسر زافواج ہی سے لئے جاتے تھے۔ یہ نہ تو کوئی انہونی بات ہے اور نہ اس سے کسی کا حق مرتا ہے۔

سی ایس ڈی شاپس کا وہ تصور جو 1950ء کی دہائی میں تھا' وہ 1970ء کے عشرے میں ختم ہو گیا۔ اب سی ایس ڈی پر فوجیوں کو ارزاں نرخوں پر جو اشیاء فراہم کی جاتی ہیں۔ وہ سول افراد کو بھی مل سکتی ہیں۔ یوٹیلٹی سٹورز بھی سی ایس ڈی شاپس کی تقلید میں کھولے گئے اور یہ دونوں ادارے تقریباً ناکام ہو گئے۔ آپ خود کسی روز کسی سی ایس ڈی شاپ پر تشریف لے جائیں' انشاء اللہ دوبارہ ادھر رخ کرنے کا حوصلہ نہیں ہو گا کیونکہ جو اشیاء بازار میں نہیں بک سکتیں اور نمبر 2 کہلاتی ہیں' انہیں سی ایس ڈی شاپس پر رکھ دیا جاتا ہے۔ کچھ ماضی کی اچھی شہرت کی وجہ سے اور کچھ گاہکوں کی بے خبری کے باعث بعض لوگ آج بھی وہاں خریداری کرتے ہیں لیکن یہ ''اختصاص'' فوج کے ساتھ خاص نہیں۔ کوئی بھی شہری وہاں جاکر خریداری کر سکتا ہے اور ''مراعات یافتہ طبقے'' میں شمار ہو سکتا ہے۔

بیٹ مین اور باورچیوں کا بڑا شہرہ ہے کہ ہر فوجی افسر کو یہ سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں' حالانکہ باورچی والی بات بالکل غلط ہے۔ کسی بھی سینئر یا جونیئر آفیسر کو باورچی کی خدمات مہیا نہیں کی جاتی اور جہاں تک بیٹ مین کا تعلق ہے تو یہ فوج کے کمیشنڈ افسروں اور جونیئر کمیشنڈ افسروں (JCOs) کو اپنے پیشہ وارانہ امور کی ادائیگی میں سہولت دینے کیلئے دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً افسروں کی وردی تیار کرنے کیلئے' دھوبی کے پاس آنے جانے کیلئے' میس سے بعض اشیائے خورد ونوش لانے کیلئے' جنگ کی صورت میں آفیسرز (اور جے سی اوز) کے ایسے ہی کام کرنے میں یہ لوگ معاونت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ان معنوں میں گھریلو ملازم نہیں ہوتے' جن معنوں میں بالعموم انہیں سمجھا جاتا ہے۔

ایئر فورس میں تو اس پریکٹس کو کبھی کا ختم کیا جا چکا ہے' وہاں ان کی جگہ افسروں کو الگ الاؤنس دے دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کا آدمی ملازم رکھ لیں۔ فوج میں بھی اب یہ روایت زوال پذیر ہے۔ اب میٹرک' ایف اے اور بی اے پاس جوان بیٹ مین بننا قبول نہیں کرتے۔

جہاں تک علاج معالجے کی سہولتوں کی فراہمی کا تعلق ہے فوج ایک لڑنے والی تنظیم ہے اور اس کیلئے جسمانی فٹنس (Fitness) شرط اوّل ہے فوج کا جو افسر یا جوان طبی اعتبار سے ذرا سا بھی علیل ہو گا وہ اس ادارے کیلئے ایک بوجھ بن جائے گا۔ لہٰذا اس کا طبی طور پر کم سے کم وقت میں موزوں اور تندرست ہونا' ایک ایسی آپریشنل ضرورت ہے جس کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں اور جب کسی شخص کو فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے تو اس پر یہ پابندی نہیں لگائی جا سکتی کہ وہ ساری عمر کنوارا ہی ہے۔ آخر اس نے شادی بھی کرنی ہے اور بال بچے بھی ہونے ہیں تو ان کی جسمانی صحت کیلئے وہ کدھر جائے گا۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ریٹائرڈ فوجیوں کو علاج کی مفت سہولتیں کیوں فراہم کی جاتی ہیں۔ فوجی کی جوانی کے سارے برس تو فوج لے لیتی ہے' وہ اگر زندہ بچ جاتا ہے یا زخمی ہو کر معذور نہیں ہو جاتا تو کیا بعد از ریٹائرمنٹ تندرست رہنے اور جینے کا حق بھی اس سے چھین لینا چاہئے؟۔۔۔ صرف پنشن پر گزارہ کرنا پڑے تو ڈاکٹروں کی صرف فیس ہی پوری نہیں کی جا سکتی' ادویات کی خرید کا تو ذکر ہی کیا؟ اور علاوہ ازیں فوج میں میڈیکل سروسز کا ایک مخصوص اور محدود بجٹ ہے۔ یہ لامحدود نہیں' اسے سوچ سمجھ کر مختص کیا جاتا ہے۔ البتہ فوج کے حسن انتظام کی وجہ سے اگر فوجی ہسپتال' سول ہسپتالوں سے زیادہ صاف ستھرے' زیادہ سرگرم' فعال اور زیادہ مؤثر

کارکردگی کے حامل ہیں تو اسے مراعات یافتہ طبقے کا حصہ شمار نہیں کیا جانا چاہئے۔

جو لوگ فوجیوں کی رہائشی سہولتوں پر معترض ہیں' وہ بڑے بڑے شہروں (چھاؤنیوں) میں چند بڑے بڑے گھروں کو دیکھ کر یہ تاثر لے لیتے ہیں کہ شاید سارے فوجیوں کو اس طرح بڑے بڑے بنگلے حکومت کی جانب سے دیئے جاتے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا اور اب تو ان بڑے بڑے بنگلوں کو گرا کر چھوٹے چھوٹے اکانومی ٹائپ گھر بنائے جا رہے ہیں۔ فوجیوں کی زندگی دیکھنی ہو تو ان علاقوں میں جائیں جہاں کھلے آسمان تلے خیموں میں فوجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سیاچن کے برف زاروں سے لے کر سندھ کے ریگستانوں تک پھیلے ہوئے پاکستان میں بے شمار قطعاتِ اراضی ایسے ہیں جہاں زندگی گزارنا اور شام کو صبح کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ جوانوں کا ذکر چھوڑیں' فیلڈ افسروں (میجر کے رینک تک) تک کو کسی کنٹونمنٹ میں پوسٹنگ ہونے کے بعد رہائش کیلئے مہینوں انتظار کرنا پڑتا ہے اور جب کسی خالی گھر کی نوید ملتی ہے تو اگلا ٹرانسفر آرڈر آجاتا ہے اور پھر وہی بادہ پیمائی اور دشت نوردی مقدر بن جاتی ہے۔ نجانے "محلات" کا طعنہ دینے والے ان جھونپڑیوں (Tents) کو کیوں نہیں دیکھتے جو ساری فوج کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ کسی فوجی کو کسی جگہ اچھا گھر مل جانا گویا صحرا میں نخلستان والی بات ہے۔ اب کوئی صحرا کی کٹھنائیوں کو بھلا کر نخلستان کی آسائشوں پر اپنے استدلال کے پلازے تعمیر کرتا رہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟

فوج وہ واحد ادارہ ہے جس میں شامل ہونے والا جوان یا آفیسر کسی بھی قسم کا دوسرا بزنس نہیں کر سکتا۔ جبکہ باقی محکموں کے افسروں اور ملازمین سروس کے ساتھ ساتھ اپنا سائیڈ بزنس بھی کر لیتے ہیں' جس سے ان کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا لیکن فوجی اگر کوئی اور کام کرنا چاہے بھی تو اس کی روزمرّہ کی

مصروفیات کا شیڈول اتنا سخت ہوتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ مثلاً علی الصبح منہ اندھیرے اٹھ کر پی ٹی کیلئے تیار ہونا اور پریڈ گراؤنڈ میں بروقت پہنچنا' بعد دوپہر تک معمول کے پیشہ وارانہ امور انجام دینا' بعد از ظہر کھیل کے میدانوں میں نکل جانا' اپنی رہائش گاہوں کی بندوبستی اور اور عسکری دیکھ بھال کرنا' نماز پنجگانہ کی ادائیگی اور رات کو گارڈ اور سیکورٹی کی مختلف ڈیوٹیاں سرانجام دینا' یہ ایسے فرائض ہیں جو تقریباً سبھی افسروں اور جوانوں کو انجام دینے پڑتے ہیں۔ پھر سال میں دوبار ایکسرسائزوں پر باہر نکلنا اور ایک سے دو ماہ تک جنگل بیابانوں اور صحراؤں میں رہنا' یہ وہ مشکلات اور پابندیاں ہیں جو فوجیوں کو غیر پیشہ وارانہ کاموں کے قابل نہیں چھوڑتیں۔ ان کی نوکری صحیح معنوں میں چوبیس گھنٹے کی نوکری ہے۔ بعض آرمی فارمیشنز کو طنزیہ طور پر 12 مہینے باہر ڈویژن بھی کہا جاتا ہے۔

فوج کا ادارہ دیگر سرکاری ملازمین کی بجائے ڈبل ٹائم لگاتا ہے اور اضافی وقت کا کوئی معاوضہ کلیم نہیں کرتا۔ کسی بھی فوجی کو آج تک کوئی اوور ٹائم الاؤنس نہیں ملا۔

وطن کی خاطر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے جوانوں کی ماہانہ تنخواہ کو دیکھا جائے تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ یہ لوگ کتنے کٹھن حالات سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے فوج کے جوان ہر ماہ یکم تاریخ کا شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ دوسرے کسی بھی محکمے کے وابستگان دامن اتنی بے صبری سے پہلی تاریخ کا انتظار نہیں کرتے جتنا فوجی کرتے ہیں۔ ہر ماہ کا پہلا ہفتہ ان کیلئے آزمائش کا ہفتہ ہوتا ہے کہ انتہائی معمولی تنخواہ میں کیا نہائیں اور کیا نچوڑیں۔ بجٹ ہزار راہ بنائیں تو ایک ہزار ایک بار بگڑتا ہے۔ تمام چھاؤنیوں کے ڈاک خانوں کے منی آرڈر کاؤنٹروں پر مہینے کے پہلے ہفتے میں ان فوجیوں کی قطاریں نظر آئیں گی جو بیوی بچوں کو دو اڑھائی ہزار روپے کا منی آرڈر

بھیجتے ہیں۔ ان دو ہزار روپوں میں ان کے بچے پورا ایک ماہ کس طرح گزارتے ہیں' اس کا علم یا تو ان بیوی بچوں کو ہوتا ہے یا پھر فوجی کے سسرال یا میکے والوں کو کہ جن کے پاس وہ لوگ رہ رہے ہوتے ہیں۔

فوجی افسروں کی اکثریت کا بھی یہی عالم ہے۔ ہر ماہ دو تین تاریخ کو بینک میں حاضر ہوں تو جواب ملتا ہے 'ابھی آپ کی پے سلپ نہیں آئی۔ شام کو افسر گھر آتا ہے تو بیوی کا پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ کیا پے سلپ آگئی ہے ؟ اور وہ کم بخت آتی بھی ہے تو تقدیر نہیں سنورتی۔ دوستوں اور رشتہ داروں کے ہاں آنا جانا ایک عرصے سے بند ہے کہ اس کیلئے جیب اجازت نہیں دیتی۔ دوسرے ہفتے ہی سے خاتون خانہ کے ساتھ تکرار کا آغاز ہو جاتا ہے جو مہینے کی آخری تاریخوں تک نہ صرف جاری و ساری رہتی ہے' بلکہ اس میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پہلے تو کسی کو اپنے ہاں بلا بھی لیا کرتے تھے اور اس طرح بوریت' فرسٹریشن' افسردگی کا کچھ نہ کچھ سامان ہو جاتا تھا۔ لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ افسروں نے یونٹوں میں "ٹی بریک" تک بند کر رکھی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بل آتا ہے اور وہ آفیسر جس نے ہر ماہ اپنے گھر بیوی بچوں یا والدین کو منی آرڈر کرنا ہوتا ہے' وہ قبل دوپہر کی اس "چائے" کا اضافی بوجھ برداشت نہیں کر سکتا اور یہ اکا دکا افسروں کا معاملہ نہیں' تمام جونیئر افسروں کی حالت یہی ہے۔ میں سینئر افسروں کی بات نہیں کرتا۔۔۔۔ اور فوج میں سینئر آفیسر کتنے ہوتے ہیں۔ ایک ڈویژن میں ایک میجر جنرل' تین چار بریگیڈیئر اور ایک دو فل کرنل ہوتے ہیں۔ باقی ہزاروں لوگ اس "قطار" میں شامل نہیں اور سنیئر افسروں کی مراعات خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں' پھر بھی ان کا بجٹ بالعموم ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ اگرچہ اس قاعدے کلیے سے ایک نہایت قلیل سی تعداد مستثنیٰ قرار دی جا سکتی ہے۔

لیکن بد قسمتی سے اخباروں میں اسی قلیل تعداد کو فوج کی اکثریت تصور کر لیا گیا ہے۔ قارئین کو معلوم ہونا چاہئے کہ فوج صرف جرنیلوں اور بریگیڈیئروں پر مشتمل نہیں' ان کی تعداد تو آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ تسلیم کہ ان میں کوئی ایسے بھی ہوں گے جو خوشحال پس منظر رکھتے ہوں گے۔ ایسے بھی ہوں گے جو شاید کسی کرپشن میں بھی ملوث ہوں لیکن افواج پاکستان کا اپنا اندرونی نظام احتساب اس نوع کا ہے کہ کرپشن کی وباء عام نہیں ہو سکتی۔ آج اگر ایئر مارشل وقار عظیم کو سات سال قید کی سزا ہوئی ہے تو کل دوسرے جرنیل' ایڈمرل اور ایئر مارشل بھی اس زُمرے میں آ سکتے ہیں۔ لیکن ان ہزاروں لاکھوں سپاہیوں' لانس نائیکوں' نائیکوں' حوالداروں' صوبیداروں' لفٹینوں' کپتانوں' میجروں اور کرنلوں کو جو فی الواقع کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں' ایک "مراعات یافتہ طبقہ" قرار دے دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔ تالاب کو گندا کرنے والی مچھلی کو نکال کر فوج خود ہی باہر کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ فوج کو قوم کا بھرپور اعتماد حاصل ہے۔

فوج ایسا واحد ادارہ ہے جو نوجوانی میں اپنے افسروں اور جوانوں کو نوکری سے نکال دیتا ہے۔ ایک سپاہی 35 برس کی عمر میں اور ایک میجر چالیس بیالیس سال کی عمر میں ریٹائر کر دیا جاتا ہے۔ ان کی اکثریت کے پاس کوئی ٹیکنیکل نالج نہیں ہوتا کہ وہ بعد از ریٹائرمنٹ کوئی اور نوکری کر سکیں۔ پنشن اتنی قلیل ہوتی ہے کہ گھر کے یوٹیلٹی بل بھی اس سے ادا نہیں کئے جا سکتے۔ افسر کو جو گھر ملتا ہے' وہ پوری ادائیگی کر کے ملتا ہے۔ یہ جو مختلف چھاؤنیوں میں عسکری اپارٹمنٹس کے جھنڈ آپ کو نظر آتے ہیں' ان کی ایک ایک اینٹ کی قیمت مارکیٹ ریٹ کے حساب سے وصول کر کے ہی انہیں افسروں کے حوالے کیا جاتا ہے اور دوسری مختلف رہائشی سکیموں میں پلاٹوں کی

الاٹمنٹ کا تعلق فوج سے نہیں' البتہ فوج اپنے حسن انتظام کے باعث بعض ایسی تنظیمیں وجود میں لاتی رہتی ہے جو ریٹائر ہونے والے افسروں اور جوانوں کی فلاح و بہبود میں ایک اہم اور مثبت رول ادا کرتی ہیں۔

قارئین کرام! یہ موضوع کافی بسیط ہے۔ دراصل مارشل لاء لگانا یا نہ لگانا فوج کی اعلیٰ ترین قیادت کا کام ہے۔ اگر فوج کی تعداد سات لاکھ ہے تو چھ لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے فوجی اپنے چیف کے احکام کی تعمیل کے پابند ہیں۔ حکم جیسا بھی ہو' انہوں نے پابندی کرنی ہے۔ اس حکم پر بحث کی جاسکتی ہے' اسے متنازعہ فیہ گردانا جاسکتا ہے' اس کے حسن و قبح' درست نادرست' غلط یا صحیح ہونے پر جو کچھ بھی کہا جائے' وہ درست اور روا ہوگا اور اس کی اجازت ہونی چاہئے۔ لیکن اس حکم کو بنیاد بنا کر یا اس کی آڑ میں ساری فوج کو رگیدنا اور اسے طبقہ اشرافیہ تصور کرنا ایک مراعات یافتہ طبقے کا لیبل اس پر چسپاں کرنا' ساری فوج کی دل آزاری کے مترادف ہے۔ پاکستان میں اگر لوگ مادر وطن کی حفاظت کے جذبے سے سرشار ہو کر جوق در جوق فوج کا رخ کرتے ہیں تو ان کے جذبوں کی توہین مت کیجئے۔۔۔۔ ان کو مراعات یافتہ طبقہ قرار دینا اسی زمرے میں آتا ہے۔۔۔۔ یہ گویا فوج کی اکثریت کی توہین ہے اور اس کا انجام جو کچھ ہو سکتا ہے' اس کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں!

بشکریہ

لیفٹیننٹ کرنل (ر) غلام جیلانی خان

فوج اور میڈیا

میری لائبریری میں جو درجن سے زیادہ انگریزی لغت رکھی ہیں' ان میں سے آکسفورڈ ڈکشنری میں میڈیا Media کے نیچے یہ عبارت درج ہے:

"The main means of mass communication amd it includes TV, Radio and Press, collectively."

ترجمہ: میڈیا' ماس کمیونی کیشن کا ایک وسیلہ ہے۔ اس میں ٹیلی ویژن' ریڈیو اور پریس (سب کے سب) شامل ہیں۔

فوج یا ملٹری کا معنی یہ تحریر ہے کہ "کسی بھی ملک کی مسلح افواج کو ملٹری کہا جاتا ہے۔"

بیسویں صدی میں میڈیا کو ریاست کا چوتھا ستون بھی کہا گیا۔ (باقی تین ستون عدلیہ' مقننہ اور انتظامیہ ہیں) اور آج تک اس مفہوم کو چیلنج نہیں کیا گیا کہ اگر کوئی چیلنج بھی کرے تو میڈیا کے نقار خانے میں اس طوطی کی آواز کون سنے گا؟

فوج اور میڈیا دونوں ہی بہت اہم ادارے ہیں۔ فوج کسی بھی ریاست کی سلامتی اور بقاء کیلئے جزو لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ دنیا میں بعض ممالک ایسے بھی ہیں' جہاں فوج کا وجود نہیں اور وہ صرف پولیس کے سہارے چلائے جا رہے ہیں' لیکن معروف معانی

میں ریاست اور فوج کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں' بلکہ ازمنہ قدیم سے لے کر آج تک ممالک اور اقوام کی شان وشوکت اور آن بان کے پیچھے سب سے بڑا عنصر ان کی افواج ہی تھیں۔ اس کے مقابلے میں میڈیا' عصر حاضر کی پیداوار ہے۔ میڈیا نہ صرف کسی ملک اور قوم کے بارے میں شہریوں کو آگاہی فراہم کرتا ہے' بلکہ بین الاقوامی برداری میں بھی ملکوں کا تعارف' میڈیا ہی کا مرہون احسان ہے۔ تاہم فوجیوں کا کہنا ہے کہ ماضی کی طرح اگر میڈیا کا وجود نہ بھی ہو' تو فوج کا وجود کالعدم نہیں ہوسکتا' جبکہ فوج کی عدم موجودگی' کسی ریاست کا عدم اور وجود یکساں کر دیتی ہے۔

دنیا کی دونوں عظیم جنگیں بیسویں صدی میں لڑی گئیں۔ ان جنگوں پر بے شمار فلمیں بنائی گئیں اور ہزار ہا کتابیں لکھی گئیں۔ مغرب میں انیسویں صدی نپولین کی صدی کہلاتی ہے تب پریس ایجاد ہو چکا تھا اور اخبارات بھی منظر عام پر آچکے تھے۔ نپولین بونا پارٹ کی جنگی فتوحات اگرچہ اس کی شہرت کا باعث بنیں' لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس نے جنگ سے ہٹ کر فرانس کو تعلیم وتعلم کے شعبے میں ایک انقلابی کلچر سے روشناس کروایا اور ایسی ایسی اصلاحات کیں کہ آج نہ صرف فرانس' بلکہ سارا یورپ تعلیم کے میدان میں نپولینائی عہد کا ثناء خواں ہے۔ جہاں تک میڈیا کا تعلق ہے تو نپولین نے 1812ء میں کہہ دیا تھا: ''صرف چار دشمن اخبارات' ایک ہزار سنگینوں سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ ان سے ڈرتے رہنا چاہئے۔''۔۔۔ اب فوجیوں سے پوچھنا چاہئے کہ اگر نپولین کا تجزیہ یہ تھا تو پھر:

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

دوسری جنگ عظیم کو جنگ عظیم بنانے میں میڈیا نے جو رول ادا کیا' وہ بجائے خود ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے۔ تاہم اس حقیقت کے باوجود کہ اس جنگ کے بعد میڈیا نے

ٹیکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز اور سریع السیر پیشرفتیں کیں' میڈیا کے تعلقات فوج سے ''کشیدہ'' ہی رہے! بلکہ اگر یہ کہا جائے تو زیادہ درست ہوگا کہ ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ فوج اور میڈیا کے روابط میں تنزلی آتی گئی۔ یہ جو آج ہم اپنی ٹیلی ویژن سکرینوں پر عراق' افغانستان' فلسطین' سوڈان اور دوسرے ممالک میں جنگی مناظر کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ کوریج اس معیار سے کہیں کم ہے' جس معیار اور رفتار سے ملٹری ٹیکنالوجی نے قلانچیں بھری ہیں۔

میں آپ کی توجہ ایک اور سمت بھی مبذول کروانا چاہتا ہوں' وہ یہ کہ ٹیلی ویژن میں آج جو کچھ (جنگ کے بارے میں) دکھایا جاتا ہے' وہ جنگی مناظر نہیں ہوتے۔ وہ صرف قبل از جنگ یا بعد از جنگ کارروائیوں کی کوریج ہوتی ہے' جنگ کی کوریج نہیں ہوتی!

جنگ کی رئیل ٹائم کوریج کوئی بھی صحافی نہیں کر سکتا۔ جنگ ویتنام سے لے کر جنگ عراق تک بلامبالغہ سینکڑوں صحافی جنگ کی کوریج کرتے ہوئے ''شہید'' ہو گئے لیکن جس ٹیکنالوجی ٹول (کیمرہ) سے انہوں نے جنگ کی کوریج کرنی چاہی تھی' وہ بھی ان کے ساتھ ہی ''شہید'' ہو گیا۔ آج عراق' فلسطین اور افغانستان کی سڑکوں پر ٹینک دندناتے نظر آئیں گے' سپاہی نشانہ باندھتے نظر آئیں گے' گولوں' گولیوں اور دھماکوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دے گی' طیارے اور ہیلی کاپٹر فضا سے بم گراتے نظر آئیں گے' طیارہ بردار بحری جہازوں پر طیارے ٹیک آف اور لینڈ کرتے نظر آئیں گے۔ بحری توپیں آگ اگلتی نظر آئیں گی۔۔۔ لیکن ان کے اہداف کی رئیل ٹائم کوریج کہیں نظر نہیں آئے گی۔ دھواں اٹھتے دکھانا' کاروں کو جلتے دکھانا' عمارتوں کو ملبے کا ڈھیر بنے ہوئے دکھانا' بمباری اور گولہ باری سے زمین پر بن جانے والے گڑھے (Crator) دکھانا' ایمبولینسوں کو بھاگتے دکھانا وغیرہ سب کی سب بعد از جنگ کوریج ہے۔ زندہ (Live) کوریج' جیسا کہ میں نے قبل

ازیں کہا' ممکن ہی نہیں۔ ہاں آسمان پر جو سیارے سرگرداں ہیں' اور ان میں پاورفل کیمرے نصب ہیں' ان سے رئیل جنگ کی تصاویر لی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ سیارے جن ملکوں کے تصرف میں ہیں' وہ ان مظلوم اقوام' مقہور عوام اور نہتے شہریوں کو خاک و خون میں غلطاں ہوتے دکھا کر دشمن کی رعایا کو تو جانے دیں' اپنے عوام کے ردعمل کو بھی برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ بنی نوع انسان کا جبلی اور خلقی ورثہ مشترک ہے۔ سعدی نے کیا خوب کہا ہے:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ از آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہارا نماند قرار

ترجمہ: ''بنی آدم گویا ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء ہیں کہ ان کی اصل ایک ہے۔ جب زمانہ کسی ایک عضو کو تکلیف دیتا ہے تو باقی اعضاء کا قرار چھن جاتا ہے۔''

کسی ٹیلی ویژن نیٹ ورک نے آج تک اپنا کوئی صحافی ان سیاروں میں بٹھا کر فضا میں نہیں بھیجا کہ جاؤ اور فضاء سے رئیل ٹائم جنگی آپریشنوں کی تصاویر ارسال کرو۔ سو جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جدید ٹیکنالوجی نے جنگ و جدل کو ہمارے ڈرائنگ روموں تک پہنچا دیا ہے تو آدھا جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے ڈرائنگ روم کے ٹیلی ویژن صرف قبل از جنگ اور بعد از جنگ مناظر کی تصویر کشی دکھاتے ہیں اور میڈیا کی محدودیت (Limitaion) یہی ہے!

عصر حاضر کی پبلک ''راؤنڈ دی کلاک'' جنگ کی کوریج مانگتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہم ناشتہ بھی کر رہے ہوں اور ٹی وی سکرین پر فلوجہ' بصرہ' بغداد' غزوہ' کابل' ہرات' قندھار'

وانا' سری نگر اور بانڈی پورہ میں سروں کو جسموں سے الگ ہوتے' کٹے ہوئے بازوؤں اور ٹانگوں کو ہوا میں لہراتے اور انسانوں کو لہو میں نہاتے ہوئے بھی دیکھیں۔ لیکن فی الحال میڈیا ایسا نہیں کر سکتا۔ روس میں بسلان کے سکول میں جن بچوں خواتین اور اساتذہ کو یرغمال بنایا گیا تھا' ان پر جب روسی کمانڈوز نے دھاوا بولا تو سینکڑوں صحافی اپنے کیمروں کے ساتھ اردگرد موجود تھے' لیکن جو تصاویر دکھائی گئیں' وہ اصل دھاوے یا حملے کی نہیں تھیں۔ ننگ دھڑنگ بچوں کو گود میں اٹھا کر بھاگتے دکھانا جنگی آپریشن سے ''متعلق'' منظر تو ہے' جنگی منظر نہیں۔۔۔۔ اور فوج والے جب یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر ان مناظر کی زندہ (Live) تصویر کشی نہیں کر سکتا کہ جو میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہیوں کا اوڑھنا بچھونا ہوتے ہیں تو پھر فوج اور میڈیا کو ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ کر تولنا زیادتی ہے۔ وہ کہتے ہیں میڈیا' میڈیا ہے اور فوج' فوج ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ فوج اور میڈیا ایک دوسرے کے رقیب ہیں۔ فوج اپنی تنظیم و تشکیل تک کو خفیہ رکھنا چاہتی ہے' جبکہ میڈیا یہ تمام تفصیلات جاننا چاہتا ہے۔ فوج کے کسی بھی آپریشن کی کامیابی کا دارومدار اس کی پوشیدگی میں ہی مضمر ہے۔ اپنی پلاننگ کو پوشیدہ رکھ کر دشمن کو حیرت زدگی کا شکار کرنا' ایک ایسی پیشہ وارانہ ضرورت ہے' جو ازل سے آج تک بدلی نہیں جا سکی اور نہ ہی بدلی جائے گی۔ جنگ کے معروف اصولوں میں سے ایک اصول ناگہانیت (Surprise) بھی ہے۔ میڈیا اس ناگہانیت کا پردہ چاک کرنے کا داعی ہے وہ تو سنسنی خیزی پر بھی یقین رکھتا ہے اور معلومات و اطلاعات کو پتنگ بنا کر آسمان پر چڑھانا چاہتا ہے کہ سارا ''جگ'' اس کا نظارہ کرے۔ فوج اس کے برعکس معمولی سے معمولی عسکری پلاننگ کو بھی پاتال میں چھپا کر صرف اس وقت نکالتی ہے جب دشمن اس کی توقع نہ کر رہا ہو۔ سن تزو سے لے کر لڈل ہارٹ تک تمام کے تمام عسکری تزویرکار'

مصنفین اور سولجر نہ صرف اس کلچر کے مقلد رہے' بلکہ اس کے فروغ میں بھی کوشاں رہے۔

جدید ٹیکنالوجی نے اگرچہ حیرت زدگی کی فیلڈ کو محدود کر دیا ہے اور اب طرفین کو ایک دوسرے کی جمعیت' ہتھیاروں کی تعداد و اقسام' ساز و سامان کی نوعیت اور بے شمار دوسری جنگی معلومات کا علم ہے' تاہم انسان کی جدت افکار کی کوئی حد نہیں۔

کمپیوٹر ٹیکنالوجی نے جہاں وار پلاننگ میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں اور جہاں کمانڈروں کے لیپ ٹاپ کو گنجینۂ معنی کا طلسم بنا دیا ہے' وہاں ان کی اپج' نادر خیالی اور ناگہانی چالوں کی فکر کو بھی محدود کر دیا ہے۔ اب آواکس (Awacs) کے ذریعے اپنی فضاؤں میں بلند ہو کر سینکڑوں میل دور کے حملہ آور دشمن کی بہت سی حرکات و سکنات کی رئیل ٹائم انٹیلی جنس منٹوں سیکنڈوں میں حاصل کی جا سکتی ہے' تاہم اس تمام کچھ کے باوجود انسان کے دماغ کا آج تک کوئی بدل دریافت نہیں ہو سکا۔ کمپیوٹر تو وہی کچھ اگلے گا جو اس میں فیڈ کیا جائے گا اور پھر یہ بھی ہے کہ ابھی تک کسی کمپیوٹر کا جنگ ٹرائل ہونا باقی ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد سے اب تک کوئی بھی ایسی جنگ نہیں لڑی گئی جس میں طرفین کا برابر کا ''جوڑ'' ہو۔ عسکری اعتبار سے امریکہ گویا ایک بدمست ہاتھی ہے' جس کے سامنے عراق اور افغانستان محض پاڑے اور چکارے تھے' جنہیں کچل دیا گیا کوریا اور ویت نام بھی اس ہاتھی کے سامنے بھیڑیئے سے زیادہ نہ تھے۔ ہاں مستقبل میں اگر کوئی برابر کی جنگ ہوئی تو پھر جدید ٹیکنالوجی اور خاص طور پر کمپیوٹر اور سپر کمپیوٹر کا امتحان ہو گا کہ یہ دشمن کے خلاف جنگی کاوشوں کو سپورٹ کرتی ہے یا اپنے جنگی راز دشمن کے آگے کھول کر رکھ دیتی ہے!

اس امر میں اگرچہ کوئی شبہ نہیں کہ آج میڈیا اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ وہ جنگ کی کاوشوں کی تعمیر میں بھی مدد دے سکتا ہے اور تخریب کا رول بھی ادا کر سکتا ہے کہ اس کے پاس ابلاغ کا جو فن اور ہنر ہے' وہ کمال کا ہے اور یہ بات بھی بدیہی ہے کہ آج فوج کو میڈیا کی

بہت ضرورت ہے' تاکہ جنگ کیلئے عوامی سپورٹ حاصل کی جا سکے۔ ایک آزاد پریس کی احتیاج اس لئے بھی ہے کہ توپ اور توپچی دونوں کا امیج پبلک میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے۔

مجھے مئی جون 1999ء میں انڈیا کے زی ٹی وی پر کارگل وار کی کوریج یاد آ رہی ہے' بوفور گنیں ٹائیگر ہل پر فائر گراتی دکھائی جاتی تھیں۔ مختلف چوٹیوں پر ترنگا لہراتا دکھایا جاتا تھا اور سٹوڈیوز میں جو بحث و مباحثہ ہوتا تھا وہ اگرچہ اتنا متاثر کن نہیں تھا' لیکن چونکہ یکطرفہ تھا' اس لئے عوام نے اس پر یقین کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف اپنے ٹیلی ویژن والوں کو میدان کارزار تک رسائی حاصل نہ تھی' اس لئے وہ کیا دکھاتے؟ ان ایام میں پاکستانی اخباروں اور ٹی وی پر کارگل وار کی کوریج بھارت کے مقابلے میں بھی قابل رحم تھی۔ میڈیا کا کمال یہ تھا کہ بھارت ہارتے ہوئے بھی جیت رہا تھا اور پاکستان جیتتے ہوئے بھی اپنے عوام کو اندیشوں اور وسوسوں سے نکال نہیں سکا تھا' چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ فوج اور میڈیا ہر چند کہ ایک دوسرے کے رقیب تصور کئے جاتے ہیں' لیکن اکیسویں صدی میں دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت پڑے گی' لہٰذا پاکستان کے فوجیوں اور اس کے صحافیوں کو ابھی سے اس کی تیاری کرنا ہو گی۔

بھارت میں کارگل وار پر سب سے پہلی لکھی جانے والی کتاب ''ڈیٹ لائن کارگل'' تھی جو ایک جواں سال ہندو صحافی جی سی ساونت نے لکھی۔ وہ کارگل میں اگلے مورچوں میں لڑنے والے ٹروپس کے ساتھ ساتھ رہا۔ نوجوان افسروں کو معلوم تھا کہ سینئر افسروں نے ساونت کو وار زون سے نکل جانے کے احکامات دے رکھے ہیں۔ اس کا داخلہ کسی بھی فارمیشن کی اگلی یا پچھلی صفوں میں ممنوع تھا اور آرمی ہیڈ کوارٹر نئی دہلی نے اسے ''ناپسندیدہ شخص'' قرار دے رکھا تھا' لیکن اس کے باوجود اگلی صفوں میں لڑنے والے

ٹروپس اور جونیئر افسروں نے نہ صرف ساونت کو پناہ دیئے رکھی' بلکہ اسے وہ تمام آپریشنل معلومات بھی بہم پہنچائیں جو وہ اپنے اخبار کو روزانہ ایک ڈائری کی صورت میں فائل کرتا رہا اور جب وہ اخبار چھپ کر مارکیٹ میں آتا تو خریدار اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔۔۔۔ میڈیا کے تقاضے پورے ہو رہے تھے!

لیکن اس مسئلے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ساونت ایک بریگیڈیئر کا بیٹا تھا۔ اس کے اکثر رشتہ دار فوج میں ملازم تھے۔ وہ فوجی ماحول میں پل کر جوان ہوا تھا بھارت کی مختلف چھاؤنیوں میں باپ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا اور تعلیمی منازل طے کرتا رہا۔ پھر جرنلزم میں ''فوج اور میڈیا'' کے موضوع کا انتخاب کیا اور اس میں تعلیمی ڈگریاں حاصل کیں۔ انڈین ایکسپریس' جو انڈیا کا ایک مشہور اخبار ہے' جوائن کیا۔ ملٹری ہسٹری کو تفصیل سے پڑھا۔ افسروں اور جوانوں کے ساتھ گھل مل کر زندگی گزارتا رہا۔ جب وہ کارگل میں اگلے مورچوں میں تھا تو اس کی والدہ اسے تسلی بھرے خط لکھتی رہی۔ جب وہ کارگل وار کے بعد کتاب لکھ چکا تو آرمی چیف کے علاوہ کور کمانڈروں کے انٹرویو کئے اور جو لوگ اس کارگل وار میں تساہل کے مرتکب ہوئے تھے' ان پر کڑی تنقید کی۔ آئندہ اس نوع کی لڑائیوں میں سابقہ اغلاط کو دہرانے سے گریز کرنے پر اس نے کتاب کے پورے 20 صفحات مختص کئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتاب کی زبان میں ان تمام عسکری اصطلاحات و تراکیب کو استعمال کیا جو ایسی تصانیف میں استعمال کی جاتی ہیں۔ اگر ساونت کا یہ بیک گراؤنڈ نہ ہوتا' اگر وہ یہ تمام کوششیں نہ کرتا اور اپنی جان و خطرے میں نہ ڈالتا تو وہ یہ کتاب کبھی نہ لکھ سکتا۔

ہمارے اخباروں میں غیر عسکری موضوعات کی جو رپورٹنگ ہوتی ہے اور ہمارے صحافیوں کا جو مبلغ علم غیر عسکری موضوعات پر ہے' کاش کم از کم اسی معیار و مقدار کا پیشہ وارانہ علم انہیں عسکری موضوعات کا بھی ہوتا!۔۔۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا' کوئی بھی پاکستانی

صحافی' جنگ کی آپریشنل کوریج کیلئے کوالیفائی نہیں کر سکے گا۔ فوجی آپریشنوں کو بیان کرنے کی ایک اپنی ڈکشن اور اسلوب ہوتا ہے' اپنا ذخیرۂ الفاظ اور اپنا روزمرہ اور محاورہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ملٹری ہسٹری ایک الگ فیلڈ ہے' جس کے جستہ جستہ ''ایوب'' کا مطالعہ بھی برسوں پر محیط محنت شاقہ کا تقاضا کرتا ہے' جب تک کوئی صحافی ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ وہ فوج کے بارے میں لکھنے لکھانے کا ہرگز اہل نہیں ہو سکتا۔

پاکستان کی بدقسمتی یہ رہی ہے کہ اسے اگست 1947ء سے لے کر اب تک کوئی مسلسل جمہوری عمل میسر نہیں آیا۔ وقفے وقفے سے جمہوریت کی تسبیح ٹوٹتی رہی ہے۔ چونکہ جمہوریت اور مارشل لاء ایک دوسرے کی ضد ہیں' اس لئے بھی میڈیا کو فوج کے بارے میں ایسی معلومات اور اطلاعات تک رسائی نہیں ہو سکی' جو معروف جمہوری معاشروں کا طرۂ امتیاز رہی ہیں' اور ہیں۔ کسی بھی جمہوری ملک میں عوام کو ہر قسم کی معلومات تک رسائی کا حق حاصل ہے' لیکن آمرانہ کلچر اپنی آبادیوں کو بے خبر رکھنے میں ہی اپنی عافیت گردانتا ہے۔

میں کئی بار یہ فقرہ لکھ چکا ہوں کہ فوج اپنی افتادِ طبع اور پیشہ وارانہ تقاضوں کے تناظر میں ایک آمرانہ کلچر ہے۔ اس کلچر میں آمریت کے وہ تمام عناصر پائے جاتے ہیں' جو جمہوریت کیلئے قابل مواخذہ ہوتے ہیں۔ میڈیا اس قسم کی پابندیوں کو قبول نہیں کرتا وہ تو آزاد فضاؤں کا پرندہ ہے۔ چنانچہ دونوں (فوج اور میڈیا) کے کلچر کا یہ تضاد ایک بدیہی حقیقت ہے۔ اگر فوج ملک کو دشمن کے بیرونی حملوں سے بچاتی ہے تو میڈیا ملک کو اندرونی سازشوں اور ظالمانہ گورننس سے محفوظ رکھنے کا داعی ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کیلئے احترام پیدا کریں۔

اس مسئلے کا ایک اور پہلو بھی توجہ طلب ہے' وہ یہ کہ جمہوری معاشروں میں مسلح افواج کی ذہنی اپروچ ارتقائی (Evolutionary) ہوتی ہے' جبکہ میڈیا کی اپروچ انقلابی

(Revolutionary) ہے اور وہ اس لئے ہے کہ ملک میں تبدیلیاں لانے کے عمل کو تیز تر کیا جائے اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ''فاصلے'' طے کئے جائیں۔

فوج اور میڈیا دونوں ہی آج کے معاشرے کی ضرورت ہیں اور چونکہ دونوں بعض معاملات و تفاصیل میں ایک دوسرے کی ضد ہیں' اس لئے بادی النظر میں وہ ایک دوسرے کے رقیب نظر آتے ہیں۔۔۔۔تاہم رقابت نہ ہوتو کاروبار عشق و عاشقی پھیکا رہتا ہے۔ جنگ و جدل بھی ایک طرح کی عشق و عاشقی ہے۔ اس میں بھی بعض اوقات کوچۂ رقیب میں سر کے بل جانا پڑتا ہے۔ اس موضوع کا تنوع دیکھنا ہوتو ملٹری کلاسیکل لٹریچر کا انبار ملٹری لائبریریوں میں موجود ہے۔ فوج اور میڈیا میں بھی یہ رقابت جاری رہنی چاہئے۔ عشق کو حسن کے غمزوں کی کشاکش سے چھٹکارا نہیں ملنا چاہئے اور نہ ہی اہل جفا کو آرام سے بیٹھنے کی فرصت دینی چاہئے۔ غالب کہ صرف ایک شاعر تھا وہ اگر یہ اعلان کر گیا ہے تو کرتا رہے' ہمیں کیا؟۔۔۔

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں' اہل جفا میرے بعد

بشکریہ لیفٹیننٹ کرنل (ر) غلام جیلانی خان

اقتدار پر فوجی قبضے کے چند تلخ حقائق

پاکستان ٹوٹ گیا۔ مشرقی پاکستان الگ ہوگیا۔ آزادی کے بعد زیادہ تر حکومت فوج کے ہاتھ میں رہی' فوج بار بار آئین توڑنے کی مرتکب ہوئی۔ جب دل چاہا مارشل لاء لگا کر حکومت پر قابض ہوتی رہی ہے۔ ہماری تمام معاشی' معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کی ذمہ دار فوج ہی ہے بلکہ جو کچھ بھی پاکستان میں ہوا ہے اس کی تمام تر ذمہ داری فوج پر ہی عائد ہوتی ہے' یہ ہیں وہ الزامات جو کچھ لوگ فوج کے خلاف عوام کے ذہنوں میں ڈال رہے ہیں۔ یہ لوگ سرزمین پاکستان سے لے کر آسمان تک جو بھی برائیاں ہیں وہ سب فوج کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور ظاہر ہے اس پروپیگنڈہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد کارفرما ہے' بطور ایک ذمہ دار شہری میں اس رائے کا احترام کرتا ہوں لیکن بدقسمتی سے حقائق وہ نہیں جو نظر آتے ہیں۔ یہ پیش کرنے والوں کی کاریگری ہے کہ وہ کس حقیقت کو کس انداز میں پیش کرتے ہیں۔ بہرحال انصاف کا تقاضا ہے کہ اس حوالے سے فوج کی بات بھی سن لی جائے۔

فوج کا المیہ یہ ہے کہ اسے بولنے یا رائے دینے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس کی مرضی سے کوئی سیاسی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ فوج تو اتنی مجبور اور پابند ہوتی ہے کہ وہ اپنے خلاف پروپیگنڈہ کا جواب دینے کی بھی مجاز نہیں۔ فوج کی اس خاموشی سے بعض اوقات لوگ ناجائز

فائدہ اٹھا جاتے ہیں۔ بہر حال اس غیر ضروری بحث میں پڑے بغیر حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ 1947ء سے پہلے جس طرح باقی مسلمانوں نے آزادی کیلئے جدوجہد کی اسی طرح فوج بھی مصروف عمل رہی اور اپنا کردار بخوبی نبھایا۔ آزادی کے بعد ایک لنگڑی لولی فوج پاکستان کے حصے میں آئی۔ آفیسرز اور ٹیکنیکل افراد نہ ہونے کے برابر تھے۔ آزادی کا فیصلہ ہوتے ہی حصے کا سامان حرب بھارت نے روک لیا اور سب سے بڑھ کر پاکستان پہنچتے ہی فوج کو بے سروسامانی کی حالت میں کشمیر کی جنگ لڑنی پڑی۔ اس وقت فوج کو تنظیم نو اور ہتھیاروں کی سخت ضرورت تھی جو کسی وجہ سے نہ ہو سکی۔ فوج کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل فرینک میسروی کو کہنا پڑا کہ ''آج مشرقی پنجاب کے سویلین سکھ پاکستانی فوج سے بہتر مسلح ہیں۔'' اسی دوران افواج پاکستان کی تنخواہیں کم کر دی گئیں اور یہ عمل تقریباً 3 سال جاری رہا۔ فوج ابھی اس عمل سے گزر رہی تھی کہ فوج کی نفری کم کرنے کا حکم ملا اور وسیع پیمانے پر چھانٹی ہوئی۔ لوگوں کو اندھا دھند گھر بھیج دیا گیا اندازاً ایک لاکھ خاندان اچانک بے روزگار ہو گئے۔ فوج کی تنظیم نو سے اس حد تک لاپرواہی برتی گئی کہ 1955ء میں پاکستان کے پاس محض دو ٹینک رجمنٹس قابل سروس رہ گئیں جن کی بقیہ کل سروس 50 گھنٹوں سے زیادہ نہ تھی' وزارت دفاع میں جو بھی فائل جاتی اوّل تو واپس نہ آتی اگر آتی تو عمل کا وقت گزر چکا ہوتا۔ اس سرد مہری کی وجہ سے فوج کی تنظیم نو اور مسلح کرنے کا عمل مکمل ہی نہ ہو سکا۔ ان حالات میں فوج کے مورال پر جو اثر پڑا اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے' ان حالات کا ذمہ دار کون تھا فوج سے اتنی بے اعتنائی برتی گئی' فوج میں جان بوجھ کر اتنی بددلی کیوں پھیلائی گئی؟ فوج ملک کا ایک اہم ترین قومی ادارہ تھی جس کا تعلق ملکی سلامتی سے تھا اسے اس طرح سے نظر انداز کرنا قومی سلامتی کے ساتھ کھیلنے کے مترادف تھا۔ فوج میں اس حد تک بددلی پھیلائی گئی کہ فوج کے ایک وسیع طبقے کو یہ یقین ہو

گیا کہ کچھ سیاستدان اور بیوروکریٹ ملکی سلامتی نہیں چاہتے اور خدانخواستہ پاکستان ختم کرنے کے درپے ہیں' بہت سے لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ وزارت دفاع جان بوجھ کر فوج کو بیکار بنا رہی ہے کہ یہ ہمیشہ نیچے لگی رہے' اس سے فوج کے افسروں اور جوانوں میں کچھ سیاستدانوں اور سول بیوروکریٹ کے خلاف نفرت کا جذبہ ابھرا اور یہ لوگ ملکی سلامتی کیلئے بغاوت پر اتر آئے وہ صحیح تھے یا غلط اس کا فیصلہ فوج نے انہیں سخت سزائیں دے کر اسی وقت کر دیا تھا' لیکن یہ حقیقت ہے کہ فوج کے ساتھ بہت ہی عداوت پسند اور کسی حد تک تحقیر آمیز رویہ رکھا گیا جو یقیناً غلط تھا اس کے باوجود فوج کبھی حرف شکایت لب پر نہ لائی' تمام تکلیفات اور زیادتیاں خاموشی سے برداشت کیں اور وطن کی سلامتی کیلئے جو کچھ ممکن تھا کرتی رہی بھلا اس سے زیادہ اچھے ڈسپلن اور وفاداری کی مثال کیا ہو سکتی ہے۔

فوج کی تنظیم نو اور اسے مسلح کرنے کا صحیح عمل بھی اس وقت شروع ہوا جب فوج نے طاقت پر قبضہ کیا۔ بہت سے پرانے آفیسرز کا اب بھی یہ خیال ہے اس وقت کی سیاسی ابتری کے ساتھ ساتھ فوج کے ساتھ سول بیوروکریسی کا معاندانہ رویہ بھی مارشل لاء کیلئے ایک طاقتور محرک تھا۔ اس وقت کے سیاسی ماحول کا اگر جائزہ لیا جائے تو کوئی بھی محب وطن آدمی افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا' ہمارے سیاستدانوں نے ملک کا وہ حال کر دیا جو ایک وڈیرہ اپنے مزارع کا بھی نہیں کرتا' مقام غور و فکر ہے کہ قائداعظم کی موت بھی ایک سازش کے تحت عمل میں لائی گئی۔ پاکستان کا پہلا وزیراعظم بھرے جلسے میں شہید کر دیا گیا جس کی شہادت کے محرکات کا قوم کو آج تک علم نہیں ہو سکا۔

جمہوری عمل کو ایک بازاری عورت بنا کر رکھ دیا گیا' باری باری تین بیوروکریٹ محض محلاتی سازشوں سے سربراہ حکومت بنے یہ محترم لوگ تھے چوہدری محمد علی' ملک غلام محمد اور میجر جنرل (سول بیوروکریٹ) سکندر مرزا' حد تو یہ ہے کہ ملک غلام محمد جیسا شخص جو

جسمانی طور پر مفلوج اور ذہنی طور پر نیم پاگل تھا کئی سال تک جمہوریت کے نام پر حکومت کرتا رہا۔ جمہوریت کی پہلی عدالتی انصاف کشی بھی اس کے دور حکومت میں کی گئی اس کے ساتھ ہی پاکستان' جمہوریت کی پٹری سے اس طرح سے اترا کہ آج تک دوبارہ نہیں چڑھ سکا۔ موصوف کا ذاتی لالچ پاکستان کے جمہوری مستقبل کو ہمیشہ کیلئے تاریک کر گیا۔ مزید یہ کہ ان عزت مآب سیاستدانوں نے جمہوریت کے اس بے وردی اور بے عزتی سے پرخچے اڑائے کہ پاکستان کی آزاد تاریخ کے پہلے دس سالوں میں سات وزیراعظم بدلے گئے اور ہمارا جمہوری نظام پوری دنیا میں مذاق بن کر رہ گیا۔ بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے ہمارے جمہوری نظام کا مذاق اڑاتے ہوئے برملا کہا کہ ''میں نے اتنی دھوتیاں نہیں بدلیں جتنے پاکستان نے وزیراعظم بدلے ہیں'' بھلا اس سے زیادہ ہمارے جمہوری نظام کی بے عزتی کیا ہو سکتی تھی۔ پاکستان اسمگلروں کی جنت بن گیا اور قاسم بھٹی جیسے مشہور اسمگلر نہ صرف اربوں روپوں کے مالک بن گئے بلکہ بادشاہ گر بھی بن گئے ان کی مرضی کے بغیر نہ کوئی وزیراعظم بن سکتا تھا اور نہ کوئی آفیسر کراچی یا اہم محکموں میں تعینات ہو سکتا تھا۔ عوام پاکستان کے مستقبل سے مایوس ہو گئے ہر طرف بددلی' پریشانی اور افراتفری کا عالم تھا لوگ اس حد تک مایوس تھے کہ انہیں یہ بھی یقین نہ ہوتا کہ آج سوتے وقت جو وزیراعظم ہے آیا کل صبح جاگنے پر وہی ہوگا یا نہیں۔

یہ تھی 1958ء کے جمہوری نظام کی ایک جھلک' کیا یہ حالات فوج کے پیدا کردہ تھے؟ کیا یہ سب کچھ فوج کا کیا دھرا تھا؟ ملک تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا گیا۔ ملک کے قحبہ خانے آباد ہو گئے یہ تمام عرصہ تو فوج لاتعلق رہی اور ہمارے معزز جمہوریت پسند سیاستدانوں نے جمہوریت اور حکومت کا یہ حشر کر دیا۔ یہ جمہوریت' محب وطن پاکستانیوں کیلئے ایک مستقل عذاب کی شکل اختیار کر گئی جو لوگ اس دور سے گزرے ہیں صرف وہی

اس ''میوزیکل چیئرز'' قسم کی جمہوریت کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔ ہمارے ان جمہوریت پسند سیاستدانوں نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ خلاف آئین ایک حاضر سروس جرنیل کو وزیر دفاع بنا دیا پھر کچھ ہی دنوں بعد اسی جمہوریت پسند صدر نے حاضر سروس جرنیل کی کارکردگی سے خوش ہو کر اسے ملک میں مارشل لاء لگانے کا حکم دے دیا' یہ دونوں عمل آئین کے قتل کے مترادف تھے ہم فوج کو تو مورد الزام ٹھہراتے ہیں لیکن ان جمہوریت پسند قائدین کے خلاف کیا کارروائی کی گئی جنہوں نے صریحاً آئین کو توڑا۔ دنیا میں کہاں جمہوری حکومت میں حاضر سروس جرنیل کو وزیر دفاع بنایا جاتا ہے اور پھر مارشل لاء لگانے کی دعوت دی جاتی ہے کس مقصد کے تحت یہ سب کچھ کیا گیا؟ کیا یہ آئین سے غداری نہ تھی؟ کیا آئین توڑنے کیلئے فوج نے کہا تھا' نہیں ہرگز نہیں ان حضرات نے یہ سب کچھ اپنی حکومت اور اپنی ذاتی حکمرانی کو بچانے کیلئے کیا۔ ظاہر ہے جب فوج نے حکومت سنبھال لی تو وہ ان کرپٹ اور نااہل سیاستدانوں کو کیوں واپس دے گی اگر ایک بھوکے شیر کے سامنے گوشت پھینکا جائے تو پھر اس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ گوشت کھائے گا نہیں' میرے خیال میں آئین کے ساتھ غداری پر کچھ سر کٹنے چاہئیں تھے' پھانسیاں لگنی چاہئے تھیں اور جیلوں میں لوگ بھیجے جانے چاہئے تھے تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوتی لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا' آئین سیاستدانوں نے توڑا لیکن بدنام فوج ہوئی' یہ ہے پاکستانی طریقہ انصاف' میں یہ بھی یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جب مارشل لاء آیا عوام نے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ مٹھائیاں بانٹی گئیں اور خوشی کے عام مظاہرے ہوئے ان معزز سیاستدانوں یا جمہوریت سے نجات پر عوام نے ہر طرف خوشیاں منائیں تو ان حالات میں فوج کو نجات دہندہ سمجھنا چاہئے یا مجرم۔ یہ فیصلہ غیر جانبداری اور ایمانداری کا تقاضا کرتا ہے۔

1965ء میں فوجی صدر حکمران تھا لیکن وزراء تمام کے تمام سیاسی تھے ملکی آئین

جیسا بھی تھا' کام کر رہا تھا اس دور میں ہمارے وزیر خارجہ بہت فعال ہر دلعزیز اور مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے' عوام اور صدر پاکستان کے پسندیدہ لیڈر تھے۔ کابینہ میں سب سے زیادہ مؤثر وزیر تھے اور صدر پاکستان کے اس قدر قریب تھے کہ وہ ان کی کوئی بات ٹال نہ سکتے تھے۔ لہٰذا وزیر خارجہ اور سیکرٹری خارجہ نے صدر پاکستان کو یقین دہانی کرائی کہ اگر کشمیر میں گوریلے بھیج کر گوریلا کارروائیاں شروع کی جائیں تو کشمیری مسلمان بھارت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور امریکہ کے حکم پر بھارت بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا اس طرح کشمیر حاصل کرنے کا اس سے بہتر موقع ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تجویز جی ایچ کیو میں زیر بحث لائی گئی' لیکن وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے صدر پاکستان کو اس طرح شیشے میں اتارے رکھا کہ جی ایچ کیو کی مخالفت کے باوجود اس تجویز کو عمل جامہ پہنانے کا حکم دے دیا گیا۔ لہٰذا بغیر مناسب تیاری' بغیر منظم پلاننگ اور سب سے بڑھ کر بغیر مناسب انٹیلیجنس نٹ ورک کے گوریلا مجاہدین مقبوضہ کشمیر میں دھکیل دیئے گئے' وہ وہاں کے جغرافیائی حالات سے واقف تھے نہ زبان سے اور نہ علاقے کے لوگوں سے۔ کوئی بھی گوریلا جنگ بغیر مقامی آبادی کے تعاون کے کامیاب نہیں ہو سکتی' یہ لوگ بھی اس تعاون سے یکسر محروم تھے اس وقت مقبوضہ کشمیر میں ایک مضبوط بارڈر سیکورٹی فورس' بھارتی پولیس مقامی ملائیشیا کے علاوہ دو ڈویژن بھارتی فوج بھی موجود تھی اور حیران کن بات یہ ہے کہ اس سارے منصوبے کا بھارتی حکمرانوں کو پہلے سے علم ہو چکا تھا سیکورٹی کا یہ عالم تھا کہ مسلمان گھروں میں اگر کسی کو چھینک بھی آتی تو بھارتی سیکورٹی کو علم ہو جاتا۔ بھارتی فوج پاکستانی گوریلوں کو خوش آمدید کہنے کیلئے مکمل طور پر تیار تھی' کسی مسلمان فیملی کیلئے ان گوریلوں کی مدد کرنا ممکن ہی نہ تھا اور نہ کسی نے کی' نتیجتاً ہمارے لوگ مارے گئے' پکڑے گئے اور چند لوگ مشکل سے جان بچا کر واپس آئے بارڈر کے نزدیک مسلمان خاندانوں کو محض پاکستان سے تعاون کے شک کی بنیاد

پر بھارتی فوج نے مار مار کر برا حال کر دیا جبکہ ہمارے ہاں سے بھیجے گئے مجاہدین ان کی مدد کرنے سے قاصر تھے' نتیجتاً ان مسلمانوں نے اپنی بربادی کا سبب پاکستان کو ٹھہرا دیا اور یہ ردعمل غلط بھی نہ تھا مجاہدین سے ان کا ایک ہی سوال تھا۔ ''اگر تم ہماری مدد نہیں کر سکتے تھے تو یہاں آئے کیوں؟ ہمیں کیوں تباہ کرایا؟'' نتیجتاً یہ لوگ پاکستان سے نفرت کرنے لگے اس سے زیادہ غلط فوجی کارروائی پاکستان کی تاریخ میں ممکن ہی نہ تھی پھر بدقسمتی یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ بھارت نے تین مقامات پر ہماری بین الاقوامی سرحد عبور کر کے حملہ کیا' ہمارا پورا ایک آرمرڈ ڈویژن تباہ ہوا' سینکڑوں لوگ شہید ہوئے' بہت سا قیمتی فوجی سامان ضائع ہوا' ہزاروں سویلین بے گھر ہوئے' فصلیں تباہ ہوئیں اور بربادی ان کا مقدر بنی' وزیر خارجہ نے جو یقین دہانی کرائی تھی سب کچھ اس کے الٹ ثابت ہوا' بالفاظ دیگر قوم پر ایک بے مقصد جنگ تھوپی گئی (حوالہ اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ کی کتاب My Version of 1965 اور India-Pakistan ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی سازش تھی جس کا مقصد پاکستانی فوج کو بڑے مؤثر طریقے سے مار ڈلوانا تھا اور اس کی بین الاقوامی طور پر تذلیل کرانا تھا' نجانے کسی ایک جنرل سے بدلہ لینا مقصود تھا یا پوری فوج سے' مزید حیران کن بات یہ ہے کہ جب ضیاء الحق مرحوم مسند حکمرانی پر قابض ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے دفتر خارجہ سے 1965ء کی جنگ کے متعلق تمام فائلیں منگوائیں تاکہ اس سازش کے اصل حقائق معلوم کیئے جا سکیں کہ آخر کس بناء پر فوج اور صدر پاکستان کو یہ تمام یقین دہانیاں کرائی گئی تھیں؟ کس مقصد کے تحت فوج اور قوم کو اس جنگ میں دھکیلا گیا تھا اور تو اور کچھ غیر ملکی لوگوں کو کئی دن پہلے سے یہ علم تھا کہ بھارت 6 ستمبر کی صبح کو لاہور پر حملہ کرے گا جب کہ دفتر خارجہ زور وشور سے یقین دلا رہا تھا کہ بھارت ایسی حرکت کبھی نہیں کرے گا' جب ضیاء الحق نے اس دور کی فائلیں دیکھیں تو جنگ کے متعلق تمام ریکارڈ غائب تھا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فوج نے تو اپنے تئیں جنگ کے متعلق کئی انکوائریاں کروائیں مجرموں کو سزائیں بھی ملیں اور بہادروں کو انعامات بھی ملے لیکن جن لوگوں نے پاکستان پر یہ جنگ زبردستی تھوپی تھی ان کا کیا ہوا؟ کیا یہ حب الوطنی کا تقاضا تھا یا پس پردہ کچھ اور خواہشات تھیں' اگر خدانخواستہ یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو پاکستان کا کیا حشر ہوتا۔ نیز یہ جنگ مشرقی اور مغربی پاکستان کی وحدانیت کو توڑنے کا پہلا مرحلہ ثابت ہوئی' اس جنگ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی علیحدگی محض چند سالوں کی بات رہ گئی تھی۔ بتایئے ان معزز جمہوریت پسند لیڈروں کے خلاف کیا کارروائی ہوئی' یہ سازش کیوں نہ بے نقاب ہو سکی' ملکی سالمیت کے خلاف اس سے بڑی سازش کیا ہو سکتی تھی پھر بھی مجرم فوج ہے اور سیاسی لیڈر معصوم اور بے گناہ۔

اب ذرا محترم وزیر خارجہ کی جمہوریت پسندی پر نظر ڈالیں وہ پاکستان کے پہلے ڈکٹیٹر کے زیر سایہ پروان چڑھے کم و بیش 9 سال ان کے معتمد خاص رہے۔ پاکستان کی قسمت کے مالک رہے۔ ڈکٹیٹر سے تابعداری کا یہ عالم تھا کہ فرط جذبات میں انہیں ڈیڈی کے لقب سے پکارتے تھے پھر ایک موقع پر ملک کے تمام ایس پی اور ڈپٹی کمشنر صاحبان کو رکن بنانے کی تجویز دی اور یہ سب کچھ اس وقت کے اخبارات میں موجود ہے۔ 9 سال کی رفاقت کے بعد انہیں اچانک خیال آیا کہ یہ حکومت تو غیر جمہوری ہے۔ لہٰذا انہیں علیحدہ ہو جانا چاہئے کیا یہ کردار کی خوبی تھی۔ ذاتی مفادات یا ملکی مفادات کا تقاضا؟ اس کا فیصلہ تو عوام ہی کر سکتے ہیں اگر یہ بدقسمتی نہیں تو کیا ہے کہ وہ پھر بھی پاک صاف اور معصوم ہیں' کیونکہ وہ وردی میں نہ تھے' پھر اس محترم لیڈر نے تاشقند کارڈ بہت مؤثر طریقہ سے کھیلا' ایک اچھے لیڈر کی پہلی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ قوم کے ساتھ ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ مخلص ہوتا ہے ہمارے یہ ہردلعزیز لیڈر جو فخر ایشیا بھی کہلاتے رہے' نے تاشقند کے راز سے کبھی پردہ نہ اٹھایا' کیونکہ

یہ سارا ڈرامہ محض پبلک کو بے وقوف بنانے کیلئے کھیلا گیا تھا اگر کسی کو انہوں نے یہ راز بتایا تھا تو وہ قوم کو بتا کر قوم پر احسان چڑھاتے' تو کیا اسے ہم قوم کے ساتھ خلوص کہیں گے؟

اب ذرا اس کردار پر مزید غور کریں' محترم ڈکٹیٹر شپ کے سخت خلاف تھے۔ مارشل لاء کے سخت خلاف تھے بلکہ کچھ عینی شاہدوں کے مطابق موصوف مارشل لاء کو گالیاں دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں فوجی ڈکٹیٹروں کو مقام عبرت بنا دوں گا' خوب بہت خوب' لیکن عملی طور پر موصوف فوجی ڈکٹیٹر کے زیر سایہ اتنا طویل عرصہ اہم ترین وزارت سے فیضیاب ہوتے رہے مزید ظلم یہ کہ دسمبر 1971ء میں جب انہوں نے عنان حکومت سنبھالی تو سب سے پہلا کام ہی یہ کیا کہ اپنے آپ کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدے پر فائز کیا جو شاید دنیا میں واحد مثال ہے وہ صدر پاکستان بھی رہے اور وزیر اعظم بھی لیکن پھر بھی CMLA بننا ضروری سمجھا لیکن چھوڑیں وہ تو ڈیموکریٹ تھے اور ڈیموکریٹ ہمیشہ معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ فوج نے ان سے کرایا تھا؟

اب آئیں ذرا ان لوگوں کی لوٹ مار اور عیاشی کی طرف۔ یہ لوگ کروڑوں بلکہ اربوں کے حساب سے قرض لیتے ہیں اور معاف کرا لیتے ہیں۔ پچھلے دس سال میں حکومت تقریباً تین ارب روپے کا قرضہ معاف کر چکی ہے۔ اگر مخالف حکومت کے دوران یہ لوگ پکڑے جائیں تو فوری بیان دے دیتے ہیں "حکومت ہمیں خریدنا چاہتی ہے' ہم اصولوں پر سودے بازی کبھی نہیں کریں گے۔" جو ذرا عادی ہوتے ہیں وہ ویسے ہی حکومت میں شامل ہو کر حساب بے باق کر لیتے ہیں اور اگر ان میں سے کسی کو تھوڑی بہت سزا مل بھی جائے تو وہ کورٹ جا کر بری ہو جاتے ہیں اور ہیرو اور مسٹر کلین بن کر باہر آتے ہیں' ان کی مشہوری' ایمانداری اور عوام دوستی پہلے سے بھی کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور قرضہ واپس کرنے کا تو کوئی رواج ہے اور نہ کوئی طاقت لے سکتی ہے۔ عوام ان سیاستدانوں کو اچھی طرح جانتے ہیں یہ

لوگ پکڑے بھی گئے نیب نے سزائیں بھی دیں لیکن سب پھولوں کے ہار پہن کر ایک روپیہ ادا کئے بغیر باعزت بری ہو گئے۔ پیسہ ہضم اور پھر کھیل نئے سرے سے شروع۔

ملکی خزانہ لوٹنے کے علاوہ ان کے اور بھی بڑے دلچسپ مشغلے ہیں مثلاً ایک صاحب کو کاروں کا شوق تھا اس نے بہت سی قیمتی کاریں سرکاری خزانے سے خرید کیں۔ لہٰذا وہ جس رنگ کا سوٹ پہنتے اسی رنگ کی کار میں سوار ہوتے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق موصوف نے ایک مشہور اداکارہ کو لندن میں مکمل فرنیشڈ فلیٹ خرید کر دیا ہوا تھا۔ ایک اور عوامی قائد نے نہ صرف بیٹے کی شادی سرکاری خرچ پر کی بلکہ کئی من مٹھائی بھی سرکاری خرچ پر بنوائی گئی۔ اس محب وطن اور غریب دوست لیڈر نے ساڑھے تین سو قیمتی گاڑیاں اپنے دور حکومت میں بمع ڈرائیور خرچہ پٹرول اور خرچہ مرمت اپنے دوستوں کو دے رکھی تھیں۔ جب ان کی حکومت ختم ہوئی تو حکومتی کوشش کے باوجود آدھی سے زیادہ گاڑیاں واپس نہ مل سکیں ایک اور صاحب نے اپنی کرپشن کا ریکارڈ ہی جلوا دیا۔ پھر بھی یہ سب لوگ معزز ہیں کیونکہ جمہوریت پسند ہیں اور فوج مجرم ہے۔ کیا یہ سب کچھ فوج نے کرایا تھا۔ اس قسم کی عیاشی تو شاید مغل بادشاہ بھی نہیں کرتے تھے۔ جمہوری دور میں سپریم کورٹ پر حملہ ہوا۔ پاکستان کے پہلے دس سالہ تاریخی دور میں وزیراعظموں کو بے عزت کر کے نکالا جاتا رہا۔ شخصی آزادیاں سلب رہیں مخالفین کا ناطقہ بند کیا گیا ماورائے عدالت قتل ہوئے۔ بیرون ملک بنک بھرے گئے۔ خزانہ خالی کر دیا گیا۔ لوگوں کی محنت سے کمایا ہوا زرمبادلہ منجمد کر دیا گیا۔ پارٹی ورکروں نے شریف آدمیوں کی عزتیں سربازار اچھالیں۔

جہاں تک ملکی ترقی کا سوال ہے چاہے لوگ اتفاق کریں یا نہ کریں پاکستان میں اب تک صرف تین ڈیم بنے جو تینوں فوج نے بنائے۔ ہمارے عظیم سیاستدان تو کسی نہر پر ڈھنگ کا پل بھی نہ بنا سکے۔ سوائے اپنے بنگلوں کے چہ جائیکہ ڈیم۔ ہمارا ایٹمی پروگرام

بھی فوجی حکومت میں ہی پایۂ تکمیل (1984) کو پہنچا گو سیاسی مصلحت کے تحت دھماکہ نہ کیا گیا۔ تمام بھاری صنعتیں بھی فوجی دور میں قائم ہوئیں اور سیاسی استحکام بھی فوجی ادوار میں آیا۔ دور دراز علاقوں کی سڑکیں بھی فوجی دور میں تعمیر ہوئیں۔ اسی طرح پسماندہ علاقوں میں بھی شاندار تعلیمی ادارے بھی فوج ہی نے قائم کئے۔ مثلاً کیڈٹ کالج اسکردو' کیڈٹ کالج رزمک وغیرہ۔ ملک میں امن و امان کا مسئلہ ہو تو فوج' زلزلے آئیں تو فوج' سیلاب اور بارشیں ہوں تو فوج' قحط ہو تو فوج' قبائلی لڑائیاں ہوں تو فوج۔ دہشت گردی ہو' نارکوٹک کا مسئلہ ہو تو فوج۔ ہر دکھ تکلیف ہر قربانی کیلئے فوج۔ عیاشی کیلئے سیاستدانوں یا بیوروکریٹ اور بدنام بھی فوج کیونکہ وہ بول نہیں سکتی' غلط پروپیگنڈے کا جواب نہیں دے سکتی تاہم اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ جرنیل بڑے نیک پاک ہیں اور سیاستدان سارے کے سارے بے ایمان' نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارے جرنیل بھی اتنے اچھے یا برے ہیں جتنے ہماری سیاستدان اور سیاستدان بھی اتنے ہی محب وطن ہیں جتنے ہمارے جرنیل۔ فرق صرف یہ ہے کہ جرنیل ایک منظم نظام سے آتے ہیں اور انہیں لالچی قسم کے سیاستدانوں کی بلیک میلنگ سے واسطہ نہیں پڑتا۔ اس لئے وہ بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں اور بے خوف و خطر انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ جمہوری نظام کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایک تو وزیراعظم ہمیشہ بلیک میلنگ کا شکار رہتا ہے اور دوسرا حزب مخالف کوئی کام کرنے ہی نہیں دیتی۔ جونہی کوئی منصوبہ بنتا ہے مخالفین اپنی دکان چمکانے کیلئے میدان میں آجاتے ہیں۔ ''یہ منصوبہ ہماری لاشوں پر مکمل ہوگا۔'' وہ اتنا شور مچاتے ہیں اور عوام کو اکساتے ہیں تاوقتیکہ منصوبہ ختم نہ کر دیا جائے۔ کالا باغ ڈیم کی ہی مثال لے لیں کسی بھی جمہوری دور میں نہ صرف کالا باغ ڈیم بلکہ کوئی بھی ڈیم نہیں بننے دیا گیا اور نہ بننے دیا جائے گا۔ یہ ہماری تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے کہ ہمارے سیاستدان قومی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔

ایک حکومت کوئی منصوبہ بناتی ہے' کام شروع ہوتا ہے کروڑوں' اربوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے دوسری حکومت آ کر اس سارے منصوبے پر بے ایمانی اور کمیشن کا ٹھپہ لگا کر یکسر روک دیتی ہے اور قوم کا اربوں روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔ مثلاً جونیجو دور میں غریبوں کیلئے 3 مرلہ مکانوں کی تعمیر شروع ہوئی غالباً 5 ارب روپے کا منصوبہ تھا۔ ابھی تعمیر نامکمل تھی کہ حکومت تبدیل ہوگئی تقریباً تین ارب روپیہ خرچ ہو چکا تھا نئی حکومت نے ناقابل عمل کہہ کر منصوبہ ختم کر دیا۔ لوگ اینٹیں تک اکھاڑ کر لے گئے اور غریب قوم کا تین ارب روپیہ بغیر کسی وجہ کے ضائع ہو گیا۔ جس کا کوئی جواب دار نہیں۔ کم از کم فوجی دور میں ایسا نہیں ہوتا اپنی بدعنوانیوں یا بے رحم پالیسی کی وجہ سے جمہوریت عوام کیلئے نعمت سے زیادہ عذاب بن جاتی ہے اور لوگ ایسی جمہوریت سے جان چھڑانے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ ان کی مایوسیاں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ مارشل لاء کو بھی خوشی سے گلے لگالیتے ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود فوج کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ نہ ہی فوج پیچیدہ سیاسی مسائل حل کر سکتی ہے فوج کا سیاست میں آنا قومی تاریخ کا سیاہ دن ہوتا ہے اور یہ امر قومی سانحہ سے کم نہیں۔ فوج کے سیاست میں آنے سے فوج کی اپنی ساکھ بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ فوج اپنے بنیادی فرائض سے ہٹ جاتی ہے۔ سول ادارے فوج کے وزن کے نیچے دب کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ ظاہری ترقی اور سیاسی استحکام کے باوجود فوجی حکمرانی ملک وقوم کیلئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے جمہوریت پسند سیاسی لیڈر ہی فوج کو سیاست میں لاتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے سیاستدانوں کا ایک ہی مطمع نظر بن گیا ہے کہ وہ ہمیشہ اقتدار میں رہیں اس کیلئے چاہے خدانخواستہ ملک ہی کیوں نہ بیچنا پڑے اور حزب اختلاف کسی اور کو اقتدار میں برداشت نہیں کر سکتی۔ جب وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تو حالات اتنے

خراب کر دیتی ہے کہ امن وامان غارت ہو کر رہ جاتا ہے۔ عام آدمی سیاستدانوں کی آپس کی چپقلش میں پس کر رہ جاتا ہے۔ اپوزیشن والے حکومت وقت کو گرانے کیلئے فوج کو طرح طرح کی ترغیبات دیتے ہیں۔ حالات اتنے خراب کر دیئے جاتے ہیں کہ ملکی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور فوج کے آئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ پھر خوشیاں منائی جاتی ہیں' مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں اگر فوج انہیں اقتدار میں شامل کر لے تو سب سے اچھا ہے جمہوریت ہی جمہوریت ہے اور اگر اقتدار سے باہر ہو تو ڈکٹیٹر شپ ہے۔ سیاستدان خوشی سے جرنیلوں کو لے آتے ہیں لیکن مایوس اس وقت ہوتے ہیں جب حسب توقع انہیں اقتدار میں شامل نہیں کیا جاتا۔

جرنیل اس وقت حکومت کرتے ہیں جب سیاستدان خود جمہوری روایات کی پاسداری نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کو خصوصاً حزب اختلاف کو برداشت نہیں کرتے اور ہر معاملہ جمہوری انداز کی بجائے طاقت سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جرنیلوں کو حکومت کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور موقع سے فائدہ نہ اٹھانا عاقبت نااندیشی ہی ہوسکتی ہے۔ اس المیے کا ایک اور بھی رخ ہے اور وہ یہ ہے کہ جرنیل جب بھی حکومت پر قبضہ کرتے ہیں تو شروع کا کچھ عرصہ چھوڑ کر کابینہ کے سب حکمران سیاستدان ہی ہوتے ہیں اور یہی لوگ جرنیلوں کے اقتدار کو مختلف طریقوں سے دوام بخشتے ہیں۔ مثلاً مرحوم ایوب خان کو مجاہد اعظم کا لقب دے کر فیلڈ مارشل کے درجے تک پہنچا دیا گیا۔ اسے کنونشن مسلم لیگ کا سربراہ بنایا گیا۔ اے ایس پیز اور ڈی سیز کو حکومتی لیگ کے ممبران بنانے کا مشورہ دیا گیا۔ بنگالیوں سے بزور طاقت نپٹنے کا مشورہ دیا۔ نیا آئین بنانے کا مشورہ دیا اور اسی طرح کی کئی چالیں چلی گئیں۔ ضیاء الحق کو اسلام کے نام پر حکومت کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کے چیف آف آرمی سٹاف اور صدر پاکستان یعنی دونوں عہدے پاس رکھنے پر واہ واہ کی گئی جس کے خلاف کسی

قسم کا مظاہرہ نہ ہوا۔ آج جو مولانا صاحبان شور مچا رہے ہیں یہ سب امیر المومنین کے ساتھ تھے۔ آج جو جمہوریت کیلئے جانیں دینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں یہ اس ڈکٹیٹر کے زیرسایہ وزارتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ آج کے حالات دیکھ لیں کون جنرل مشرف کو وردی میں رہنے کا مشورہ دے رہا ہے کون لوگ اسمبلیوں سے قراردادیں پاس کرا رہے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ فوج نے کیا تھا یا اب فوج کر رہی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میں اپنے معزز سیاستدانوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ ایک جرنیل کی حکومت کو اسلامی یا جمہوری کہتے ہیں اور دوسری کو ڈکٹیٹر' کیوں۔ دراصل ہمارے 90 فیصد سیاستدان فوج کی پیداوار ہیں' فوج کے توسط سے اقتدار میں آئے اور جب اقتدار سے باہر نکلے ہیں تو ان پر ڈکٹیٹر کا ٹھپہ لگا دیا۔ کہاں گیا آپ کا ذاتی کردار۔ اگر جرنیل واقعی ڈکٹیٹر ہیں تو سیاستدان محبّ وطن اور مخلص ہونے کا ثبوت دیں۔ اپنے رب اور اپنی قوم سے عہد کریں کہ کسی ڈکٹیٹر کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے۔ آج ہی سب استعفیٰ دے کر واپس آ جائیں۔ فوجی حکومت شام سے پہلے ختم ہو جائے گی اور نہ آئندہ کسی جرنیل کو مارشل لاء لگانے کی جرأت ہوگی۔ لیکن سیاستدان خلوص کا ثبوت تو دیں۔

ہماری تاریخ میں تین جرنیوں نے اقتدار پر قبضہ کیا اور یہ تاریخ کا سب سے بڑا مذاق ہے کہ یہ تینوں جرنیل جمہوری حکومت نے منتخب کئے۔ کچھ بہت ہی شریف النفس اور خالصتاً پیشہ ور لوگوں کو نظر انداز کر کے انہیں اوپر لایا گیا۔ اگر ملکی مفاد مدنظر تھا تو نظر انداز کئے گئے لوگ ہر لحاظ سے مناسب تھے اور فوج میں ایک مقام رکھتے تھے۔ بالفاظ دیگر قومی مفاد کو نظر انداز کر کے ذاتی مفاد کے تحت جونیئر لوگوں کو اوپر لایا گیا تو یہ لوگ بھی پیشہ وارانہ طور پر قابل اور محنتی تھے باصلاحیت تھے لیکن سینئر لوگوں کو کیوں نظر انداز کیا گیا۔ ذاتی مفاد کیلئے قومی مفاد قربانی کرنے والے تینوں قائدین اپنے ہی فیصلے کا شکار ہوئے تو پھر الزام کس چیز

کا۔ ان لوگوں نے اپنی حکمرانی مضبوط کرنے کیلئے قومی مفاد کا خون کیا اور جب اللہ تعالیٰ کا انصاف آیا تو تینوں نمونہ عبرت بن گئے کیا یہ الزام بھی فوج کے سر ہے' کیا فوج نے انہیں جونیئر جرنیلوں کو منتخب کرنے کیلئے کہا تھا؟

میں قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری فوج دنیا کی بہترین پیشہ وارانہ' منظم اور نظم و ضبط کی پابند فوج ہے۔ اسے کسی قسم کا سیاست میں مداخلت کا شوق نہیں۔ نہ ہی ایک آدھ جرنیل کو آپ پوری فوج کہہ سکتے ہیں۔ آج اگر ہمارے سیاستدان قسم کھا کر فیصلہ کرلیں کہ وہ جمہوری اقدار کی مکمل پاسداری کریں گے اور سیاست سے عدم برداشت اور عدم تشدد کا کلچر ہمیشہ کیلئے دفن کر دیں گے تو یقین رکھیں کہ فوج سب سے زیادہ جمہوری روایات کی پاسداری کرے گی اور جمہوریت کی امین ہوگی' بار بار کی فوجی مداخلت کی لعنت ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی۔ میری سیاستدانوں سے اپیل ہے کہ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ کوشش تو کریں وہ دن قوم کا یوم نجات ثابت ہوگا۔

بشکریہ لیفٹیننٹ کرنل (ر) سکندر خان بلوچ

عسکری ورثے کے تحفظ کے لئے
آرمی ہیرٹیج فاؤنڈیشن کا قیام

عسکری عجائب گھر راولپنڈی پاکستان کے دوسرے عجائب گھروں کے مقابلے میں اگرچہ نیا ہے لیکن مسلح افواج کے عجائب گھروں میں خاصا پرانا ہے۔ یہ عجائب گھر 1961ء میں عسکری ورثے کے تحفظ اور پاکستان آرمی کے ماضی اور تشخص کی تشہیر کی خاطر قائم کیا گیا۔ اس لحاظ سے عسکری عجائب گھر کا دائرہ کار دوسرے عجائب گھروں سے مختلف نہیں۔ اس میں وہ تمام جنگی آلات رکھے گئے ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں ایک سپاہی کا تعلق رہا ہو۔

اس عجائب گھر کی مختلف گیلریاں تاریخی اہمیت کے وہ یادگاری واقعات پیش کرتی ہیں جو پاکستانی قوم کے عسکری ورثے کا حصہ ہیں۔ عسکری عجائب گھر اپنی تنظیم اور اشیاء کی نمائش میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس کا وجود، جنگوں، فتوحات، قومی ہیرو اور ماضی کے رہنماؤں کی زندہ یادگار ہے ایک عسکری عجائب گھر ہونے سے قطع نظر قوم کے ثقافتی ورثے کی ترقی میں بھی اس کو خاص مقام حاصل ہے۔ عوام الناس کیلئے گیلریوں کا دورہ معلومات، تعلیم اور اثر انگیزی کا باعث ہے یہ کسی بھی مفکر اور طالب علم کیلئے عسکری تاریخ کو ایک دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے۔ ایک سپاہی کیلئے اس کا بار بار

دیکھنا، دلی تسکین اور مورال کی بلندی کا باعث ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عسکری عجائب گھر جی۔ ایچ۔ کیو سے متصل ہونے کی وجہ سے مطلوبہ مقاصد پورے نہیں کرتا تھا اور نہ ہی موجودہ جگہ پر یہ لوگوں کیلئے گنجائش اور کشش کا باعث تھا۔

لہٰذا اب یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ اسے یہاں سے کسی ایسے مقام پر منتقل کیا جائے جہاں ہر مکتبہ فکر کے لوگ اس تک رسائی حاصل کر سکیں حال ہی میں چیف ایگزیکٹو آف پاکستان، جنرل پرویز مشرف نے عسکری عجائب گھر کو ایوب پارک راولپنڈی میں منتقل کا دلیرانہ فیصلہ کیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ انشاء اللہ جلد ہی ایوب پارک آرمی ہیریٹیج فاؤنڈیشن آرمی میوزیم کی سرگرمیوں کا مرکز ہوگا۔

آرمی ہیریٹیج فاؤنڈیشن کے بنیادی مقاصد میں پاکستان آرمی کے شاندار ماضی اور اسلامی ورثے کا بہترین طریقے سے تحفظ اور اس کی مؤثر انداز میں پیشکش، برصغیر میں مسلم افواج کے کارناموں کی تاریخ نگاری، فوجی ریکارڈ کی کوائف بندی کے علاوہ، مشہور جنگوں میں بہادر اسلامی افواج کے قابل فخر کارناموں کی تشہیر کیلئے مختلف قسم کے ذرائع ابلاغ کا استعمال بھی شامل ہے تاکہ فوج، عوام اور آنے والی نسلیں اپنی بے مثال عسکری روایات سے آگاہ ہو سکیں۔

مذکورہ بالا مقاصد کیلئے حصول کیلئے درج ذیل اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

☆ قومی عسکری ورثہ کمپلیکس کی تعمیر

☆ محمد بن قاسم سے لے کر آج تک برصغیر میں مسلم افواج کے کارناموں کی مکمل اور جامع تاریخ نگاری۔

☆ قومی سطح غیر پر متعصبانہ تجزیہ تاکہ بددیانت تاریخ دانوں اور اسلام دشمن

عناصر کی طرف سے تاریخی حقائق میں پیدا کردہ بگاڑ کو دور کیا جا سکے۔

☆ ماضی میں ہونے والی جدید اسلحہ کی تیاری میں ترقی اور پیش رفت وغیرہ سے بھی عوام کو روشناس کرانا۔

☆ عوام بالخصوص نوجوان نسل میں فوجی معاملات کی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کیلئے مختلف علمی سرگرمیوں کا آغاز تاکہ وہ مسلح افواج کے اعلیٰ کردار سے واقف ہوں اور فوج کو بطور پیشہ ترجیح دیں۔

☆ پاک فوج نے ہمیشہ اسلامی نظریات کو اپنا رہنما بنایا ہے لہٰذا فوجی ثقافت اور مخصوص مسلم تہذیب کے درمیان پائی جانے والی مماثلتوں کو سامنے لانا۔

☆ پاک فوج کے قواعد و ضوابط اور اسلامی عسکری اصولوں کی تاریخ تناظر میں منظر کشی اور ادارے کی موجودہ منظم سرگرمیوں کی وسیع پیمانے پر تشہیر کرنا۔

☆ افواج پاکستان پر نصابی تحقیق کیلئے جامع تحقیقاتی مرکز کا قیام۔

☆ موجودہ اور گزشتہ عسکری حالات و واقعات اور زمانہ امن میں پاک فوج کی قومی خدمات کی تشہیر تاکہ قومی اتحاد کی علامت کے اس ادارے کو ایک عسکری قوت کے علاوہ ایک روشن خیال اور عوام دوست تنظیم کے طور پر بھی سمجھنے میں مدد ملے۔

☆ زمانہ حال اور مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر فوج کے بہتر تشخص کو اجاگر کرنے کیلئے ذرائع ابلاغ اور تمام دستیاب وسائل کا بھرپور استعمال۔

☆ پاک فوج کے مثالی تشخص سے آگاہی کیلئے مختلف پروگراموں اور سرگرمیوں کا مسلسل اور مرحلہ وار انعقاد۔

آرمی ہیریٹیج فاؤنڈیشن کا نصب العین

آرمی ہیریٹیج فاؤنڈیشن کو زمانہ امن میں قومی تعمیر و ترقی اور ایام جنگ کے دوران ملک کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کیلئے پاک فوج کی ناقابل فراموش خدمات کو اجاگر کرنے اور شاندار عسکری روایات کے تحفظ کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ قومی سطح پر آگاہی اور شعور بڑھانے کیلئے تفریح گاہوں، کتب خانوں، تصاویر، تشریحی مواد اور دوسری دستیاب جدید ترین سہولیات سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

منصوبہ کے خدوخال

آرمی ہیریٹیج فاؤنڈیشن اپنے علمی و عملی منصوبوں کی تکمیل کیلئے 349 ایکڑ رقبہ پر مشتمل ایوب پارک کو اپنا مرکز بنائے گی۔ فاؤنڈیشن اپنے بنیادی فرائض کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ذیل کے دو منصوبوں پر کام کرے گی۔

☆ عسکری ورثہ عجائب گھر:

پاکستان آرمی کے شاندار ورثے سے گہری اور جامع واقفیت کیلئے تعمیراتی مہارت کے شاہکار بڑے اور شاندار میوزیم کی تعمیر۔

☆ تفریحی سہولیات کا کمپلیکس:

صحت مند رجحانات کی نشوونما کیلئے ایوب پارک میں پہلے سے موجود گالف کلب کے علاوہ جاگنگ ٹریکس، ہیلتھ کلب اور جمنیزیم کی تعمیر، تفریحی کمپلیکس کا اہم ترین حصہ بین الاقوامی معیار کا (Heme Park) ہوگا۔

مقصد، طریقہ، حتمی شکل

فاؤنڈیشن منصوبے پر درست عملدر آمد کیلئے ذیل کے اہم نکات پر زور دے گی۔

-i قومی تاریخ میں فوج کے اجتماعی کردار کے متعلق عام طور پر اور فوجی جوانوں کی انفرادی خدمات کے متعلق خاص طور پر معلومات کی دستیابی۔

-ii تحقیقی امور کی انجام دہی کیلئے جدید کتب خانوں کا قیام۔

-iii تعلیم اور تفریح کے ذریعے عوام سے رابطہ قائم کرنا۔ فوجی تاریخ سے واقفیت کی منزل پانے کیلئے نمائشی مواد، پینٹنگز، پوسٹرز، دستاویزی فلموں، مطبوعات اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ لوگوں کی مطلوبہ معلومات تک آسانی سے رسائی کیلئے ہر قسم کی سہولیات کی فراہمی یقینی بنائی جائے گی۔

پارک کا دورہ کرنے والے افراد تاریخی دور کی معلومات اور مواد کے حصول کیلئے مختلف گیلریوں، کتب خانوں اور (Theme Park) تک باآسانی آجا سکیں گے۔

مہمانوں کیلئے عسکری تاریخ کے مرحلہ وار مطالعے کیلئے بر سر موقع سہولت کی فراہمی کے علاوہ جنگی ذرائع میں گھوڑوں کے ادوار سے لے کر ٹینک کی ایجاد تک اور ہیلی کاپٹر کے ارتقائی سفر سے متعلق معلومات کی بہتر سوجھ بوجھ کا انتظام ہوگا۔

☆ نمونوں کے ذریعے مختلف جنگی آلات کی تشریح ہر حوالے سے اپنی جگہ مکمل ہوگی۔

☆ جامع اور وسیع میوزیم کمپلیکس کے قریب خاص منصوبہ بندی کے ذریعے (Theme Park) کی تعمیر علم و آگہی کا ایسا منفرد نظام پیش کرے گی جس کی پاکستان میں اس سے پہلے کوئی مثال موجود نہیں ہے۔

المختصر ورثہ کمپلیکس کی تعمیر سے ایک ایسا تعلیمی ماحول وجود میں آئے گا جہاں پاک فوج کے ماضی اور حال کو درست اور مؤثر انداز میں یکجا کر دیا گیا ہو۔

ذیلی اہمیت کے نکات

-i فوج کے جوانوں اور افسروں کی جرأت و بہادری کے واقعات کو عام لوگوں تک پہنچانے پر خاص توجہ دی جائے گی۔ معرکوں، تاریخی مہمات، جنگی اور غیر جنگی کارناموں کی پیشکش میں حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے تمام ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔ تفصیلاً جنگوں، جنگی میدانوں، معرکہ آرائی کے واقعات اور بڑی فوجی مہمات کے دوران ہونے والے معرکوں وغیرہ کو خاص ترتیب اور طریقے سے اسی زمانے سے جوڑ دیا جائے۔

-ii میوزیم کے قیام کا خاص مقصد اشیاء و آلات کی بجائے تاریخی عظمت کے واقعات ہوں گے۔ یہ کسی خاص دور میں ہونے والے معرکوں کو پیش کرتے وقت اس دور کے جنگی آلات کو بھی واضح کیا جائے گا۔

-iii چونکہ منصوبے کی تکمیل کیلئے کثیر وسائل درکار ہوں گے للذا ابتدائی طور پر یہ ایک مثالی تحقیقی مرکز تو نہیں بن سکے گا تاہم آغاز میں مستند دستاویزات، فوٹو گراف، مطبوعات اور تحصیل علم کیلئے سمعی و بصری سہولیات کی فراہمی کے یقیناً بنیادی مقاصد پورا کریں گی۔

-iv آرمی ورثہ فاؤنڈیشن کمپلیکس میں وسیع عوامی دلچسپی کو مد نظر رکھا گیا ہے کیونکہ ایسے مقامات کا دورہ اکثر اوقات گروپ کی شکل میں کسی خاص مقصد کیلئے یا بعض دفعہ انفرادی طور پر مختلف مقاصد کیلئے کیا جاتا ہے۔ کمپلیکس میں پورے خاندان سے لے کر نوجوانوں، محققین، پیشہ ور افراد تک الغرض ہر

کسی کیلئے دلچسپی اور معلومات کا سامان مہیا ہوگا۔ میوزیم میں تاریخی واقعات کی پیشکش اس جامع اور قدرتی انداز میں ہوگی کہ اس میں آنے والے خود کو اس زمانے میں موجود محسوس کریں گے۔ اس کیلئے رنگوں، روشنیوں، تصویروں اور آوازوں کی آمیزش کیلئے جدید ترین ٹیکنالوجی پر انحصار کیا جائے گا تاکہ فوج کے قومی کردار میں ایک فوجی کا انفرادی حصہ بھی واضح ہو سکے۔ فاؤنڈیشن تصوراتی حقیقت (Virtual Reality) کے ذریعے لطف اندوزی کے اہتمام کا ارادہ بھی رکھتی ہے۔

-v جہاں تک ممکن ہو آنے والوں کے ذاتی مشاہدے کیلئے موقع پر ہی مشق کرنے کی سہولت بھی میسر ہوگی۔ مثال کے طور پر ہتھیاروں کو چیک کرنا، لیزر ہتھیاروں سے گیلری میں فائرنگ، ٹینکوں کے اندر باہر آنا جانا، منڈلاتے ہیلی کاپٹر میں سواری کا مزہ لینا، فوجی مورچوں اور سرنگوں سے گزرنا، وائرلیس وغیرہ سے پیغامات کا سننا۔۔۔ یہ سب کچھ یقیناً آنے والوں کیلئے ناقابل فراموش ہوگا۔

-vi آرمی ہیریٹیج فاؤنڈیشن میوزیم اور تفریحی کمپلیکس کی مرحلہ وار تعمیر کا پروگرام بھی رکھتی ہے۔ تاہم آغاز میں اس طرح کا ڈھانچہ کھڑا کر دیا جائے گا۔ جس سے لوگوں کی دلچسپی منصوبے میں بڑھے بعد میں میوزیم کو ایسی شکل دی جائے گی جس سے وہ ایک مکمل معلوماتی اور تفریحی مرکز بن جائے گا۔ پہلی گیلری کا پیغام "ایک ناقابل شکست قوت 'پاکستان آرمی'" ہوگا۔ مقصد صرف آگہی اور دلچسپی کا حصول ہی نہیں بلکہ افواج پاکستان میں شمولیت کیلئے لوگوں کو ترغیب دینا بھی مقاصد میں شامل ہے۔

تفریحی کمپلیکس جیسے منصوبے کا آغاز (Theme Park) ثقافتی و تاریخی دلچسپیوں، مخصوص، ریسٹورنٹس، واٹر پارک، فوڈ کورٹ، گفٹ سنٹرز اور جمنیزیم وغیرہ کی تعمیر سے کر دیا گیا ہے۔

-vii فاؤنڈیشن کسی طور پر بھی ایوب پارک کے قدرتی حسن کو خراب نہیں ہونے دے گی۔ ہر ممکن حد تک پارک کی دلکشی، اس کے صدیوں پرانے درختوں کی شان و شوکت سے عسکری ورثے کے تصور کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرے گی کیونکہ پورے کمپلیکس کا مجموعی تاثر پاکستان آرمی کے پیشہ وارانہ تشخص کا آئینہ دار ہوگا۔ پاک فوج جو جدید ہونے کے ساتھ ساتھ طویل اور شاندار عسکری ورثے کی وارث بھی ہے جو ناقابل شکست ہونے کے باوجود انسانیت دوست بھی ہے جو تکنیکی طور پر ترقی یافتہ بھی ہے مگر اعلیٰ تہذیبی اقدار کا حسین نمونہ بھی ہے۔ کمپلیکس میں دی گئی تمام سہولیات اور انتظامات ایک ناقابل شکست مسلح تنظیم کے وجود کی گواہی دیں گے۔

اس لئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کثیر المقاصد منصوبہ نہ صرف مسلح افواج کے افسروں اور جوانوں کے انتہائی دلچسپی کا باعث ہوگا بلکہ ریسرچ سکالر، تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے طالب علموں کے ساتھ ساتھ عوام الناس کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ کا درجہ رکھے گا۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ اس سے پہلے پاکستان میں اس جیسا اہمیت منصوبہ نہ تو موجود ہے اور نہ ہی شروع کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس منصوبے کی ابتدا اور تکمیل کیلئے فنڈز فراہم کرنے پر چیف ایگزیکٹو پاکستان جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ساتھ تمام متعلقین مبارکباد کے مستحق ہیں جن کی کاوشیں اس دورس منصوبے کو پایہ تکمیل پہنچانے میں ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

COMMANDERS IN CHIEF & CHIEFS OF ARMY STAFF

آرمی چیفس

You should be
Proud to be a pakistani

پاک فوج کے 13ویں
سپہ سالار
جنرل پرویز مشرف

جنرل پرویز مشرف پاک فوج کے تیرھویں سپہ سالار ہیں۔ آپ کو یہ عہدہ جنرل جہانگیر کرامت کی ریٹائرمنٹ کے بعد 11/اکتوبر 1998ء میں حاصل ہوا۔

آپ ہندوستان کے تاریخی شہر پرانی دہلی کے علاقے کوچہ سعد اللہ خان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان تقریباً ایک صدی پہلے یہاں منتقل ہوا تھا۔ نہر والی حویلی کے نام سے شہرت حاصل کرنے والی حویلی آپ کی آبائی جاگیر تھی۔ 53 سال قبل جنرل پرویز مشرف کے نانا قاضی محتشم الدین نے یہ حویلی اپنے وارثوں میں تقسیم کر دی۔ تقسیم جائیداد کی اس دستاویز پر آپ کے والد گرامی سید مشرف الدین کے دستخط بطور گواہ بھی موجود تھے۔

نہر والی حویلی جس کا رقبہ 24800 مربع فٹ تھا تقسیم ہونے کے بعد مختلف وارثوں کے حصے میں آئی۔ بعد ازاں اس کے نئے مالکوں نے حویلی کے حصے بخرے کر کے انہیں فروخت کرنا شروع کر دیا۔

پرانی دہلی کے کوچہ سعد اللہ خان کی نہر والی حویلی کو اس لئے بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی کہ اس حویلی کی آغوش میں پاکستان آرمی کے تیرہویں سپہ سالار اور

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے نہ صرف جنم لیابلکہ ان کے بچپن کے سنہرے دن اسی تاریخی حویلی میں گزرے۔اس حویلی کے درودیوار نے جنرل پرویز مشرف کو ماں کی آغوش میں کھیلتے' گھر کے آنگن میں کہنیوں کے بل رینگتےاور ننھے ننھے پاؤں سے آہستہ آہستہ چلتے دیکھا۔

پھر 1946ء میں وہ لمحہ بھی آ پہنچا جب یہ خاندان اس آبائی حویلی کو ہمیشہ کیلئے خیرباد کہہ کر سرزمین پاکستان پر پہنچااور یہاں آکر خاندان کے افراد نے اپنی زندگی ازسرنو شروع کی۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قیام پاکستان کے بعد کوچہ سعداللہ خان کا نام تبدیل کر کے کوچہ پر تاپ سٹریٹ رکھ دیا گیا۔ یہ علاقہ جہاں پہلے مسلمان بڑی تعداد میں آباد تھے ان کی جگہ پاکستان کے علاقوں سے نقل مکانی کر کے جانے والے ہندوؤں نے لے لی۔ جنرل پرویز مشرف کی جائے پیدائش نہر والی حویلی کا ایک حصہ ہندو خاتون گوردیپ کور کے پاس ہے۔ یہاں وہ 1947ء سے مقیم ہیں۔ گوردیپ کور نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ جب انہیں یہ خیال آتا ہے کہ وہ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو کی جائے پیدائش والی حویلی میں رہائش پذیر ہیں تو انہیں خوشگوار حیرت اور فخر کا احساس ہوتا ہے گوردیپ کور کے بقول سوائے دروازے کی تبدیلی کے حویلی کے اس حصے میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں کی گئی۔ جبکہ حویلی کے باقی ماندہ حصوں میں ضرورت کے مطابق خاطر خواہ تبدیلیاں لائی جاچکی ہیں جو تقسیم در تقسیم اور فروخت در فروخت کے عمل سے گزر چکے ہیں۔

کئی جگہوں پر حویلی کا ماضی اب بھی جھانکتا ہے ان میں حویلی کی پرانی محرابیں' چھوٹی اینٹوں کی بنی 30 انچ موٹی دیواریں اور دالان شامل ہیں۔

ایک اور مکین کے مطابق اس حویلی کا سب سے پرانا حصہ محفوظ ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں جنرل پرویز مشرف نے اپنے بچپن کے تین چار سال گزارے تھے۔ دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ پرویز مشرف کے دو ماموں یہاں رہا کرتے تھے۔ حویلی کے اس حصے کو لعل جین ہندو نے 1960ء میں ایک نیلامی میں چھتیس ہزار روپے میں خرید لیا تھا۔ یہ حویلی کا حصہ نمبر 7اور 8 ہے۔

نہر والی حویلی کے ایک حصے میں ایک مزار بھی ہے۔ گزشتہ 53 سال سے کسی بھی ہندو خاندان کو اسے چھیڑنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس مزار پر سرامکس کی دو ٹائلیں نصب ہیں جن میں ایک پر "اللہ" اور دوسرے پر "محمد" کے الفاظ تحریر ہیں۔ جس ہندو خاندان کے حصے میں مزار کا یہ حصہ آیا اس خاندان کے افراد ہر جمعرات کو مزار شریف کو غسل دینے کے ساتھ ساتھ پھول بھی چڑھاتے ہیں۔ ہر جمعرات کو یہاں میلے کا سماں ہوتا ہے دور و نزدیک سے عقیدت رکھنے والے مسلمان اور ہندو حاضری کیلئے مزار اقدس پر جمع ہوتے ہیں۔ گزشتہ 53 سال سے یہ سلسلہ جاری وساری ہے اس بات کا علم نہیں ہو سکا کہ مزار شریف میں دفن بزرگ کا تعلق جنرل پرویز مشرف کے خاندان سے تھا یا نہیں۔

بے شک کوچہ سعداللہ خان کی ایک صدی پرانی نہر والی حویلی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی خوبصورتی اور رعنائی کھو چکی ہے لیکن جنرل پرویز مشرف سے وابستگی نے اسے دنیا بھر میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ جس کو آج بھی لوگ جنرل پرویز مشرف کی مناسبت سے دیکھنے جاتے ہیں یہ حویلی اب سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بن چکی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جنرل پرویز مشرف کا خاندان کراچی منتقل ہو گیا۔ آپ کے والد سید مشرف الدین (جواب داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں) حکومت

پاکستان' خارجہ امور کے محکمے میں ملازم تھے۔ اس حوالے سے ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ بیرون ملک ہی گزرا۔ برادر اسلامی ملک ترکی میں والد گرامی کا قیام چھ سال رہا۔ جہاں پرویز مشرف نے اپنے لڑکپن کے ابتدائی سال اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ترکی زبان پر بھی عبور حاصل کیا۔

جنرل پرویز مشرف نے خلیج ٹائمز سے ایک انٹرویو میں بتایا کہ جب وہ آٹھ سال کے تھے ان دنوں وہ ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں اپنے والدین کے ہاں مقیم تھے۔ جہاں آپ کے والد سید مشرف الدین پاکستانی سفارتخانے میں ملازم تھے۔ انہوں نے ایک بانکا سجیلا فوجی افسر جو جدید ترکی کا معمار "کمال اتاترک" تھا۔ اس کے کندھے پر فوجی وردی کے چمکتے ستارے ان کو بہا گئے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ بھی بڑے ہو کر ایسی ہی وردی پہنیں۔ بلکہ فوجی اعزازات سے سجی وردی ہر وقت ان کی آنکھوں میں سمائی رہتی۔ یہی جستجو انہیں فوجی ملازمت کی طرف لے گئی وہ فوج کے رکھ رکھاؤ کو پسند کرتے تھے لیکن پڑھائی کی طرف ان کا رجحان کچھ زیادہ نہ تھا۔

اپنی بچپن کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے جنرل پرویز مشرف نے بتایا کہ تمام بہن بھائیوں میں وہ اپنی والدہ کو سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور ماں کی محبت کا مرکز بھی زیادہ تر وہی ہوتے۔

جنرل پرویز مشرف کی والدہ ماضی کے ان خوبصورت دنوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ پرویز ان سے بہت مانوس تھا جب بھی کہیں جانا ہوتا تو تھوڑی سی دیر ہونے پر بھی پرویز بے چین ہو جاتا۔ پرویز' میری ہر وقت قربت چاہتا لیکن قربت میں تھوڑی سی کمی بھی ہوتی تو چیخ چلا کر آسمان سر پر اٹھالیتا۔ گھر سے نکلتے وقت میری واپسی کے ٹائم کا گھڑی پر آلارم لگالیتا اگر دیر ہو جاتی تو پریشان ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ اگر گھر

سے باہر مجبوراً جتنا وقت بھی گزرتا میں پرویز کی وجہ سے پریشان ہی رہتی۔

انقرہ میں پرویز کے بہت دوست تھے جو پرویز کے ساتھ کئی کئی گھنٹے کھیلتے رہتے۔ اس وقت کھیل شروع نہ ہوتا جب تک پرویز کپتان کی حیثیت سے ان میں شامل نہ ہو جاتا۔ قائدانہ صلاحیتیں پرویز میں بچپن سے ہی نمایاں تھیں۔ وہ گھنٹوں تھکاوٹ کے بغیر کھیلتا رہتا لیکن پڑھائی کی طرف اس کی کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ جب اس نے ایف اے کا امتحان پاس کیا تو میں نے شکرانے کے نفل پڑھے۔ ہمارے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایک دن ملک کا سربراہ بن جائے گا۔

چیف ایگزیکٹو بننے کے بعد جنرل پرویز مشرف بہت مصروف ہو گئے ہیں اور رات کو دیر سے گھر لوٹتے ہیں میں صبح سویرے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اخبارات کا مطالعہ کرتی ہوں اور جو خبریں انتہائی ضروری ہوتی ہیں ان پر نشان لگا کر پرویز کو پڑھنے کیلئے کہتی ہوں کیونکہ پرویز کے پاس اب اخبار پڑھنے کا وقت نہیں ہوتا۔

صبح آٹھ بجے ناشتہ ہم سب اکٹھے ہی کرتے ہیں اور یہی وقت پرویز سے ملاقات کا ہے۔ کیونکہ جب وہ واپس آتا ہے میں اس وقت سو چکی ہوتی ہوں لیکن میں اس کی کامیابی کیلئے ہر وقت دعاگو رہتی ہوں۔

جنرل پرویز مشرف اپنے بیتے ہوئے دنوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے مزید بتاتے ہیں کہ انہیں فوجی طرز زندگی بے حد پسند ہے۔ کیونکہ یہاں ہر سطح پر دوستانہ ماحول ہوتا ہے۔ فوج میں صرف وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جس میں سب کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت ہو اور اپنے ماتحتوں کا تعاون اس قدر حاصل ہو کہ ماتحت سالار کی دل سے عزت کرتے ہوں۔

جنرل پرویز مشرف نے کہا میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ ان کی

تربیت کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ مقابلوں میں حصہ لیتا ہوں۔ یہ سب باتیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ میں ایک کٹر پیشہ ور سپاہی ہوں اور یہی صلاحیت انہیں ایس ایس جی میں لے گئی کمانڈر اس وقت تک سالار نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے ماتحتوں سے چار قدم آگے نہ ہو۔ جنرل پرویز مشرف اپنے ساتھیوں کی تربیت ایک خاص انداز سے کرتے تھے جو ساتھیوں میں خوداعتمادی اور دلیری پیدا کرتی۔ جنرل پرویز مشرف کے مطابق وہ اپنے ماتحتوں سے بے لوث محبت کرتے ہیں۔ ان کی ہر پریشانی کا انہیں علم ہوتا ہے۔ ماحول چاہے کیسا بھی ہو وہ اپنے آپ کو اس میں ڈھالنے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔

حکومتی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے جنرل پرویز مشرف گھنٹوں ٹینس، گالف، بیڈ منٹن اور سکوائش کھیلنے میں مصروف رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جنرل پرویز مشرف عمر کے اس حصے میں بھی چست اور توانا دکھائی دیتے ہیں۔ مگر حکومتی مصروفیات نے ان سے کھیلنے کے اوقات بھی چھین لئے ہیں۔ آپ پاکستانی کھانوں کو شوق سے کھاتے ہیں جبکہ میٹھے میں کھیر بہت پسند ہے۔ والدہ کے بقول بچپن میں اگر گھر میں کھیر نہ پکتی تو وہ رونے لگ جاتے۔

جنرل پرویز مشرف ملک کے ہر اہم فیصلے پر ساتھیوں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرتے ہیں۔ ملکی بقا کا معاملہ ہو تو ان سے زیادہ وطن پرست کوئی اور نہیں ہوتا۔ وہ جھوٹ سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ حقائق کو توڑ مروڑ کر لچھے دار تقریر ان سے نہیں ہوتی۔ جانوروں میں کتے کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ یہ وفادار جانور ہے اور مالک کے مفادات کی ہر حال میں حفاظت کرتا ہے۔

آپ کے ایک بیٹے بلال جوان دنوں امریکہ میں مقیم ہیں اس کی کمی کو شدت

سے محسوس کرتے ہیں اور بعض اوقات اسے یاد کر کے اداس بھی ہو جاتے ہیں۔

عسکری تاریخ کی کتابیں ہمیشہ آپ کے زیر مطالعہ رہیں۔ انہی داستانوں نے آپ کے اندر ایک باصلاحیت اور جنگجو جرنیل پروان چڑھایا میدانِ جنگ ہو یا مسند اقتدار ہر جگہ اپنے وطن کے دفاع میں وہ ہمہ تن گوش ہیں۔

بہر کیف 1960ء میں پرویز مشرف ایف سی کالج لاہور میں داخل ہو گئے اور بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے 1962ء میں نمایاں پوزیشن میں ایف ایس سی کا امتحان پاس کر لیا۔ آپ سکوائش اور ٹینس کے بہترین کھلاڑی تھے۔ مشرقی اور مغربی موسیقی یکساں پسند فرماتے۔ برج کے کھیل میں خصوصی مہارت رکھتے۔

بے شک آپ خالصتاً مولوی تو نہ تھے لیکن اسلام کی تبلیغ وترویج کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ نماز کی بچپن سے ہی پابندی کرتے۔ اپنے مؤقف کو ٹھونسنے کی بجائے دوسروں کی رائے کا بھی احترام کرتے۔ آپ کے شخصیاتی گوہر نوجوانی میں ہی عیاں ہونے لگے تھے۔ ایف سی کالج سے فارغ ہونے کے بعد 1962ء میں آپ نے فوج میں جانے کا فیصلہ کیا اور 29 پی ایم اے کورس میں شامل ہوئے۔ پاسنگ آؤٹ ہونے کے بعد 16-SP (Self Propelled) (بکتر بند توپ خانہ) میں تعینات ہوئے۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ چونڈہ کے اس تاریخی اور مشکل ترین محاذ پر تھے جہاں دنیا کی سب سے بڑی ٹینکوں کی جنگ لڑی جارہی تھی۔ مولے اور بازوں کی دوبدو جنگ کے ایسے مناظر دیکھنے میں آئے کہ عسکری دنیا کے ماہرین ورطہ حیرت میں پڑ گئے اور وہ سرزمین پاک کے ان سرفروشوں کی شجاعت اور بہادری کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران پرویز مشرف نے اپنی حکمت و دانش سے دشمن کی پیش قدمی روک کر اپنے سینئرز سے داد وصول کی۔ دورانِ جنگ دشمن کا ایک گولہ آپ کے بالکل قریب گرا جس سے آپ کو زخم بھی آئے لیکن آپ نے جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچا کر اسے پیش قدمی سے روک دیا اور صلے میں Commedation Certificat کا اعزاز حاصل کیا۔

میدانِ جنگ میں یہ آپ کی پہلی عسکری کامیابی تھی۔ جس نے آپ کی خداداد عسکری صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیئے۔ آپ کی غیر معمولی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے سیکٹر کمانڈر کے یہ الفاظ تھے کہ پرویز مشرف ایک دن غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل افسر بنے گا۔ آپ ایک ماہر توپچی ہی نہیں دیگر عسکری امور پر بھی کو آپ پوری دسترس حاصل تھی۔ ان خوبیوں کا اعتراف آپ کے تمام ساتھی بھی برملا کرتے ہیں۔

1966ء میں آپ نے ایس ایس جی (Special Servies Group) کو اپنی خدمات کیلئے چنا اور چراٹ میں چھ ماہ کی تربیت حاصل کی۔

1971ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی آپ نے اپنی گوریلا فورس کے ساتھ سرزمین پنجاب کی رکھوالی کے فرائض نہایت کامیابی سے انجام دیئے۔ یہاں بھی آپ کے سینئر آپ کی خداداد عسکری صلاحیتوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک مشفق اور ہمدرد شخصیت کے مالک ہونے کی بنا پر آپ اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں میں بہت مقبول تھے۔

انہی صلاحیتوں کے اعتراف میں آپ کو ایک اعلیٰ تدریسی عہدے پر تعینات کر دیا گیا جو لیفٹیننٹ کرنل کیلئے ایک اعزاز کی بات تھی۔ یہاں بھی آپ نے اپنی پیشہ

وارانہ کامیابیوں کا سفر جاری رکھا اور اعلیٰ عہدوں پر فائز افسروں کی توجہ حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں آپ کو جی ایچ کیو (General Head Quarter) راولپنڈی میں عسکری حکمت عملی کے شعبے میں متعین کر دیا گیا۔ یہاں بھی افواجِ پاکستان کی عسکری حکمت عملی میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔ اس کے بعد بریگیڈیئروں اور جنرلوں کی تربیت گاہ نیشنل ڈیفنس کالج میں تدریسی فرائض آپ کو سونپے گئے کچھ ہی عرصے بعد آپ کو پیادہ (انفنٹری) بریگیڈ کی کمان سونپ دی گئی۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہ عہدہ نہایت ذہین اور زبردست عسکری صلاحیتوں کے حامل افسروں کو دیا جاتا ہے۔

بعد ازاں آپ نے ڈپٹی ملٹری سیکرٹری کے طور پر بھی فرائض منصبی انجام دیئے۔

ذہنی اور عسکری صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کیلئے آپ کو رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز انگلستان میں بطور بریگیڈیئر بھیجا گیا۔ کورس سے واپسی پر آپ کو بریگیڈیئر سے میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔

1994ء میں آپ کے مشورے پر فوج کو اندرونِ سندھ سے واپس بلا لیا گیا آپ کے بقول فوج اس قسم کے کاموں میں پڑ کر اپنے اصل مقصد کھو دیتی ہے۔ بعد ازاں آپ کو لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ 1998ء میں افواجِ پاکستان کی کمان جنرل جہانگیر کرامت کی ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کے سپرد کر دی گئی۔

12 / اکتوبر 1999ء کو آپ نے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ سنبھالا اور اپنی ڈیڑھ سالہ کارکردگی کے دوران تمام قومی شعبوں کو فعال بنانے کی جستجو میں مصروف ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ معرکہ کارگل کس نے شروع کیا اور کیوں کیا۔ معرکہ کارگل میں آپ کی کامیاب پیشہ وارانہ کارکردگی کا منہ بولتا بھارتی فوج کے جسم پر لگے ہوئے وہ گہرے زخم ہیں جو کئی سال گزرنے کے باوجود بھی مندمل نہیں ہو سکے اور بھارتی

حکمرانوں سمیت کئی بھارتی جرنیل اور افسر معرکہ کارگل میں اپنی شرمناک شکست پر مستعفی ہو کر بھی نادم ہیں۔

معرکہ کارگل کے بعد اندرون اور بیرون ملک پے در پے ایسے بحرانوں نے جنم لیا کہ ان سے عہدہ برآ ہونے کیلئے بڑی فکر' تدبر اور دانش کی ضرورت تھی جنرل پرویز مشرف کو بلاشبہ یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے عالمی سطح پر تیزی سے بدلتے ہوئے حالات پر نہ صرف گہری نظر رکھی بلکہ اپنی حکمت عملی میں وقتاً فوقتاً ایسی مثبت اور دوررس تبدیلیاں لاتے رہے کہ ان کی وجہ سے آج ہمارا ملک عالمی برادری میں ذمہ دار اور اہم تصور ہونے لگا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں عالمی طاقتوں کی نظریں پاکستان پر جمی ہوئی ہیں۔ کیونکہ پاکستان 11 ستمبر 2001ء کے واقعات کے بعد فرنٹ لائن ملک کا درجہ حاصل کر چکا ہے اس طرح اس کی ذمہ داریوں میں بھی حد درجہ اضافہ ہو چکا ہے۔

بہر کیف جنرل پرویز مشرف' پاک فوج کے انتہائی کامیاب' ذہین اور جفاکش جرنیل ہیں۔ ایسی شخصیاتی خوبیوں کے حامل افراد کسی بھی فوج اور قوم کا بہترین سرمایہ ہوتے ہیں۔

پاکستان آرمی کے قابلِ فخر جوان

(نشانِ حیدر)

جنگی معرکے

کیپٹن راجہ محمد سرور شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش
10/نومبر 1910

تاریخ شہادت
27/جولائی 1948

اپریل 1948ء کو جب پاک فوج کو کشمیری مسلمانوں کے تحفظ کیلئے کشمیر میں جانے کا حکم ملا۔ کیپٹن راجہ محمد سرور اس وقت جی ایچ کیو میں سگنل کورس کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ تربیت مکمل ہونے میں ابھی دو ہفتے باقی تھے۔ لیکن کیپٹن راجہ محمد سرور کے دل میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت ٹھاٹھیں مارنے لگا آپ نے اپنے سینئر سے اپنی یونٹ کیساتھ محاذ جنگ پر جانے کی اجازت طلب کی۔ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد اجازت دے دی گئی۔

محاذ پر آپ کو سگنل آفیسر مقرر کیا گیا۔ اس وقت تک کشمیر میں بھارتی فوج کی طاقت آٹھ بریگیڈ سے بھی زیادہ ہو چکی تھی۔ جبکہ ایک بریگیڈ میں تقریباً اڑھائی ہزار سپاہی ہوتے ہیں ان کے علاوہ مہاراجہ کی ریاستی فوج کے تین بریگیڈ اور جموں وکشمیر کے ملیشیا یونٹ بھی بھارتی فوج کی مدد کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں بھارتی فوجوں کو توپ خانے ٹینکوں اور انجینئروں وغیرہ کی مدد بھی حاصل تھی۔ اس وقت سب سے اہم محاذ

اوڑی کی پہاڑی کا تھا۔ فوجی نقطہ نگاہ سے اس پر قابض ہونا اشد ضروری تھا۔ بظاہر یہ ناممکن نظر آرہا تھا۔ بے شمار دشواریوں کے ساتھ ساتھ یہ بھیانک حقیقت بھی شامل تھی کہ دشمن نے اس علاقے میں مشین گنیں ہی نہیں بلکہ توپیں بھی خاصی تعداد میں نصب کر رکھی تھیں۔ پاک فوج کیلئے آگے بڑھنا مشکل ہی نہیں کسی حد تک ناممکن بھی تھا۔ اسی اثناء میں کمانڈنگ آفیسر نے حکم دیا۔

"جو افسر یہ سمجھتا ہے کہ وہ دشمن کی توپوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاموش کر سکتا ہے۔ وہ کمپنی کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے۔ یہ سن کر کیپٹن راجہ محمد سرور کے شوق شہادت نے انگڑائی لی اور کمانڈنگ آفیسر کو سلیوٹ کر کے کہا۔

"سر! میں یہ خدمت انجام دوں گا۔"

چنانچہ کیپٹن راجہ محمد سرور کی درخواست منظور کر لی گئی پروگرام کے مطابق 27/جولائی 1948ء کو صبح ساڑھے تین بجے راجہ محمد سرور کی کمپنی کو اوڑی محاذ پر حملہ آور ہونا تھا۔ سحری کھا کر راجہ محمد سرور نے روزہ رکھا اور اپنی کمپنی کے ہمراہ دشمن پر یلغار کر دی۔ پاک فوج کا ہراوّل دستہ پیش قدمی کرتا ہوا دشمن کے دفاعی حصار سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر پہنچ گیا لیکن اس مقام پر دستی بموں اور مشین گنوں کی بوچھاڑ نے اس کا راستہ روک لیا۔ پیش قدمی رک گئی۔ دشمن ہوشیار ہو گیا موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے راجہ محمد سرور نے ریزرو دستے کو آگے بڑھایا۔ دشمن سے فاصلہ پھر کم ہونے لگا۔ پیش قدمی جاری رہی۔ جب دشمن اور ان کے درمیان فاصلہ صرف 20 گز رہ گیا تو پتہ چلا کہ دشمن نے اپنے مورچوں کو خاردار تاروں سے محفوظ اور مضبوط کر رکھا ہے۔ یہ باڑ گزشتہ رات موجود نہ تھی۔ اس غیر متوقع اور نازک صورتحال سے ہراساں ہوئے بغیر راجہ محمد سرور نے دوسرے گنر کو آگے بڑھایا۔ تار

کاٹنا کچھ زیادہ مشکل کام تو نہ تھا ان کے پاس خار دار تاریں کاٹنے کیلئے ریتی موجود تھی۔ مگر اصل معاملہ یہ تھا کہ تاریں کاٹنے کیلئے آگے کون بڑھے گا کیونکہ تاریں کاٹنے والے کو تاروں کے نزدیک لازمی طور پر سیدھے کھڑا ہونا پڑتا اور اس طرح صاف دشمن کی نظروں میں آنے کا خطرہ موجود تھا اور پھر تاریں کاٹنے میں جتنا بھی وقت صرف ہوتا اس دوران کھڑے رہنا اپنی موت کو خود آواز دینے کے مترادف تھا۔ ابھی سب کے ذہنوں میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ تاروں کو کاٹنے کا کام کون کرے گا؟

"میں" کیپٹن سرور نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ اس فیصلے کی راہ میں آنے والی بے شمار چیزیں ان کی دنیا میں موجود تھیں۔ محبت کرنے والی بیوی جس کے ساتھ بارہ سال سے زیادہ عرصہ کی رفاقت تھی ان کا بیٹا صفدر، بیٹی گلزار کی ابھی عمر ہی کیا تھی۔ شفقت پدری ان کی جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

مکان کی تعمیر ابھی ادھوری تھی جو خاندان کیلئے سر چھپانے کی جگہ تھی۔ یقیناً کیپٹن راجہ سرور کے ذہن میں اپنے گھرانے کے خوشحال مستقبل کا تصور ہوگا۔ وہ گاؤں جس کا ہر موسم نیا منظر لے کر آتا تھا۔ اس کے خوبصورت اور دل لبھانے لینے والے مناظر راجہ محمد سرور کی آنکھوں میں محفوظ ہوں گے۔ لیکن دوسری طرف وطن عزیز کی حرمت اور محبت موجزن تھی۔ جو پکار پکار کر اپنی تقدس کا ان سے تقاضہ کر رہی تھی چنانچہ اس ضمن میں وطن کی پکار نے بازی جیت لی۔ کیپٹن راجہ محمد سرور نے فرض کی پکار پر آگے بڑھ کر اپنی جان پر کھیلنے کا فیصلہ کیا وہ چاہتے تو اپنی جگہ کسی اور سپاہی کو تاریں کاٹنے کا حکم دے سکتے تھے مگر انہوں نے اسے گوارہ نہ کیا۔ مشین گنرز کو فائر کھولنے کا حکم دیا اور خود آگے بڑھتے گئے۔ بہت دور نہ گئے ہوں گے کہ ایک مشین گنر فرحان علی دشمن کی گولی کھا کر شہید ہو گئے۔ کیپٹن سرور نے لپک کر انِ کی مشین گن اٹھالی اور اب

وہ آگے بڑھتے ہوئے فائرنگ بھی کر رہے تھے دونوں جانب سے گولیاں برس رہی تھیں۔ پھر ایک گولی کیپٹن سرور کے کاندھے میں پیوست ہو گئی۔ انہیں یوں محسوس ہوا۔ جیسے وہاں کسی نے انگارے بھر دیئے ہوں۔ سرخ لہو بہہ نکلا۔ کیپٹن سرور پھر بھی نہ رکے۔۔۔۔ اور پھر انہیں دوسری گولی لگی۔ بیک وقت دو گولیاں جسم میں پیوست ہو چکی تھیں۔ منزل تھوڑی دور تھی مگر زیادہ مقدار میں خون نکل جانے کے بعد وہاں تک پہنچنا بظاہر ناممکن ہی دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے اپنے عزم کی تجدید کی اب وہ ہر حال میں وہاں پہنچنا چاہتے تھے۔

"دوستو آگے بڑھو۔ منزل قریب ہے۔" کیپٹن سرور کے نعرے سے فضا گونجی سپاہیوں کے لہو نے جوش مارا۔ یہ ان کے کپتان کی آواز بھی تھی اور ایک عظیم مجاہد کی بھی۔۔۔۔ کیپٹن سرور نے اپنی باقی ماندہ قوت کو جمع کیا اور خار دار تاروں کی طرف بڑھنے لگے وہ اب بھی سب سے آگے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تاروں کے نزدیک پہنچ گئے۔ اب دشوار ترین مرحلہ باقی رہ گیا تھا۔ اپنے پیروں پر کھڑے رہ کر تاروں کو کاٹنا ریتی رگڑ رگڑ کر۔۔۔۔ کیپٹن راجہ محمد سرور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں کو حرکت ہوئی اور پھر خار دار تاریں کٹنے لگیں۔ گولیوں کی بوچھاڑ تیزی سے ان کی جانب آئی۔ خوش قسمتی سے وہ بچ گئے مگر اب ایسا لگتا تھا کہ دشمن نے انہیں دیکھ لیا ہے۔ تاہم راجہ محمد سرور اس بات کی پرواہ کئے بغیر اپنا کام کرتے رہے کہ دشمن باخبر اور ہوشیار ہو چکا ہے۔ ابھی تاروں کی رکاوٹ دور ہونے والی تھی کہ دشمن کی ایک اور گولی کیپٹن راجہ محمد سرور کے سینے کو چھلنی کر گئی۔ ان کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔ تاریں کٹ چکی تھیں ان کا لہو وطنِ عزیز کے کام آ چکا تھا۔ راجہ محمد سرور نے شہادت کا عظیم مرتبہ پالیا تھا۔ اسی اثناء میں اُوڑی کی پہاڑی کی فتح بھی یقینی ہو چکی تھی۔

کمپنی کے جوان ان کے پیچھے پیچھے خاردار تاروں تک پہنچے تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ تاروں کی رکاوٹ تو دور ہو چکی تھیں لیکن کیپٹن راجہ محمد سرور بھی اب وہاں موجود نہ تھے۔ یہ بات سب جوانوں پر عیاں تھی کہ کیپٹن راجہ محمد سرور نے ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ مجاہدوں کے لہو نے ایک بار پھر جوش مارا اور وہ سب دشمن پر ٹوٹ پڑے کچھ ہی دیر بعد وہ اس اہم مورچے پر قبضہ کر چکے تھے۔ دشمن کو بڑی کامیابی کے ساتھ وہاں سے پسپا کر دیا گیا تھا۔

کیپٹن راجہ سرور شہید کو محاذ کے قریب ہی ''تل پترا'' پہاڑی پر سپرد خاک کیا گیا۔ بعد ازاں کیپٹن راجہ محمد سرور کو بہادری کے صلے میں سب سے پہلا ''نشانِ حیدر'' دیا گیا جس کا اعلان دس سال بعد ہوا۔

میجر طفیل محمد شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش	تاریخ شہادت
22/ جولائی 1914	7/ اگست 1958

15/ جولائی 1958ء کو بھارتی حکومت نے ضلع کچھار کے سرحدی علاقے میں فوج متعین کر دی اور تمام اہم مورچے فوج نے سنبھال لئے کچھ نئے مورچے اور خندقیں بھی از سر نو تعمیر کر لیں۔ ''سونا تیلا'' کی پاکستانی سرحد میں چند بھارتی سورمے گھس آئے۔ جب مشرقی پاکستان کی حکومت نے ان مداخلت کاروں کو واپس بلانے کیلئے بھارتی حکومت سے احتجاج کیا تو اس نے 20/ جولائی 1958ء کو اپنی باقاعدہ فوج جو جدید ترین اسلحے سے لیس تھی۔ مشرقی پاکستان کی سرحد پر جمع کر دی۔ بلکہ قرب وجوار کی پہاڑیوں پر توپیں بھی نصب کر دیں۔ اس طرح حالات بہتر ہونے کے بجائے مزید بگڑ گئے۔ حتیٰ کہ بھارتی فوج 2 اگست 1958ء کو پاکستانی علاقے ''برہمن باڑیہ'' کے ایک سرحدی گاؤں لکشمی پور میں گھس آئی اور اس پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ لیکن بھارت اور پاکستان کے اعلیٰ افسروں کے باہمی تصفیہ کی بدولت یہ تنازعہ ختم ہو گیا۔ لکشمی پور گاؤں میں ایک مالدار شرپسند ہندو ''دھرانی سرکار'' رہائش پذیر تھا۔ اس کو لکشمی پور سے بھارتی پسپائی اچھی نہ لگی تو وہ خود ہجرت کر کے بھارت کے زیر قبضہ علاقہ اگرتلہ چلا

گیا۔ دھرانی بذات خود سمگلروں کے گروہ کا سرغنہ تھا۔ اور اپنے راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کر دینا چاہتا تھا۔ جبکہ دھرانی سرکار کے تمام کارندوں کو ایک ایک کر کے EPR نے گرفتار کر لیا۔ اس پر وہ سخت پریشان تھا۔ اس نے لکشمی پور کے ہندوؤں پر مسلمانوں کے مظالم کی فرضی اور من گھڑت داستانیں سنا کر بھارتی حکام کو مشتعل کیا اور خود چپکے سے لکشمی پور آگیا۔ اور گاؤں کے ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر لکشمی پور پر بھارتی قبضے کی تدابیر کرنے لگا۔ بالآخر دھرانی سرکار کی کوششیں رنگ لے آئیں۔ میجر دیو برہمن کی قیادت میں ایک سو فوجی جوانوں کا دستہ لکشمی پور میں گھس آیا۔ گاؤں میں موجود مسلمانوں کو شدید زدوکوب کیا گولیاں چلائیں۔ اور گاؤں پر قبضہ کر کے وہاں اپنے خیمے گاڑ دیئے اور مورچے بنا کر تین چوکیاں قائم کر لیں۔ ہندوؤں اور بھارتی فوج نے باہم مل کر اس گاؤں میں مسلمانوں کی آزادانہ نقل و حرکت پر پابندی عائد کر دی۔ مسلمانوں کو گاؤں کے تالاب کا پانی استعمال کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ اور مشہور یہ کر دیا گیا کہ باؤنڈری سروے والوں نے رشوت لے کر یہ علاقہ پاکستان کو دے دیا تھا اب یہ بھارت میں شامل ہو گیا اور اس گاؤں میں رہنے والے لوگ بھی بھارتی شہری ہیں۔ اگر کسی نے پاکستانیوں کی مدد کی یا مخبری کی تو اس کو جان سے مار دیا جائے گا۔ گاؤں کو چھوڑ کر جانے والے مسلمان سخت پریشان ہوئے اور انہوں نے پاکستانی حکام سے اس بھارتی روّیے کی شکایت کی۔ گورنر مشرقی پاکستان میجر جنرل محمد امراؤ خان سمگلروں اور شرپسند ہندو عناصر کی ناپاک حرکتوں سے پہلے ہی تنگ تھے لکشمی پور پر بھارتی قبضے کی خبر نے ان کے ارادوں کو طوفان میں بدل دیا۔ ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں پر ظلم و ستم نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔ گورنر مشرقی پاکستان یہ خبر سن کر چونک پڑے۔ انہوں نے EPR کے ڈائریکٹر جنرل کو یہ علاقہ ہر صورت واپس لینے کا ٹاسک دیا۔

بریگیڈیر صاحب داد کی دوربین اور دوررس نظروں نے اس مشکل ترین کام کیلئے موزوں اور مناسب ترین آفیسر میجر طفیل محمد کا انتخاب کیا۔ میجر طفیل نے اپنے انتخاب پر خوشی کا اظہار کر کے مختلف کمپنیوں سے اپنی مرضی کے آدمی منتخب کیئے۔

5/ اگست 1958ء کو حملے کا پلان بنایا گیا اور بریگیڈیئر صاحب داد سے رسمی منظوری اور اجازت حاصل کر لی گئی۔ میجر طفیل محمد کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ موقع محل کے مطابق جو کارروائی مناسب سمجھیں کریں۔ 6/ اگست 1958ء کو انہوں نے مجاہدوں کو جمع کر کے نہایت پرجوش اور جذباتی تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے اس معرکے کیلئے رضاکار چاہئیں اس معرکے کی کامیابی پر وطن عزیز کے وقار کا انحصار ہے۔ جس جوان کے دل میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ ہو یا جسمانی طور پر اپنے آپ کو اس مہم کیلئے موزوں نہ سمجھتا ہو وہ بڑی خوشی سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ میں کسی کو جبراً یا حکماً اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ جو لوگ خوشی سے کل میرے ساتھ اس لڑائی میں کودنے کو تیار ہوں وہ ایک قدم آگے آجائیں۔

میجر طفیل محمد نے ابھی اپنی بات ہی مکمل کی تھی کہ سب کے سب جوان آگے بڑھ آئے۔ سب نے دفاع وطن کیلئے کٹ مرنے کی قسم کھائی۔ میجر طفیل محمد نے تمام جوانوں کو ان کی جانثاری و جاں سپاری اور ان کے جوش و ولولے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا!

"مجھے پورا پورا یقین تھا کہ آپ میں سے ہر شخص جانباز اور بہادر ہے اور ملک و ملت کی آن پر اپنا تن من دھن قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

لکشمی پور سے تین میل دور جلیل پور نامی گاؤں میں ایک میڈیکل پوسٹ قائم کی گئی۔ بھارتی فوج نے لکشمی پور کی ایک اہم ٹیکری پر مورچہ بنایا ہوا تھا۔ اس ٹیلے

کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ٹیلے تک صرف ایک راستہ جاتا تھا جس پر انہوں نے ہلکی مشین گن نصب کر رکھی تھی راستے کے دونوں جانب باڑ لگا رکھی تھی۔ٹیلے پر قابض ہونے کی وجہ سے بھارتی فوجی'پاکستان جوانوں کی نقل و حرکت بخوبی دیکھ سکتے تھے۔علاوہ ازیں ہلکی اور بھاری مشین گنیں بھی ان کی حفاظت کیلئے موجود تھیں۔

میجر طفیل محمد کا منصوبہ یہ تھا کہ دو مختلف جگہوں سے ایک ایک پلاٹون کے ذریعے حملہ کیا جائے۔ تیسری پلاٹون کی کمان خود میجر طفیل محمد نے سنبھال لی۔اور جمعدار محمد اعظم خان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ سارے معرکے کی کامیابی کا انحصار اس پلاٹون کی کارروائی پر تھا۔

6/اگست 1958ء کی شام میجر طفیل محمد نے حملے سے متعلق ہدایات جاری کیں ہر ایک جانباز کو اس کا کام سمجھا دیا۔

حملے کی رات بہت زیادہ تاریک'گھناؤنی اور خطرناک تھی۔ہو کا عالم تھا۔صبح کے تین بج چکے تھے۔ نمبر 1 ونگ کی "اے" کمپنی کفن بردوش حملے کیلئے تیار کھڑی تھی۔ تمام مجاہد اپنے سالار کے گرد جمع ہو گئے۔آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ!

"آج جو معرکہ ہمیں درپیش ہے یہ کوئی مشکل نہیں۔مجھے یقین ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے ہم اس میں کامیابی حاصل کر کے ہی لوٹیں گے۔

آج ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم پر جو اعتماد کیا گیا ہے ہم اس کے اہل ہیں۔ اگر ملک کو قربانی کی ضرورت ہے تو سب سے پہلے میں اپنی جان پیش کرتا ہوں۔آپ اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ پر بھروسہ رکھیں۔خدا ہماری مدد کرے گا۔اور کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔"

ساڑھے تین بج چکے تھے۔ نمبر 3 پلاٹون میجر طفیل محمد کے زیر قیادت روانہ

ہو گئی اسے بھارتی فوج کی پچھلی جانب سے حملہ آور ہونا تھا۔ہر ایک مجاہد پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے ہر طرف شہر خموشاں کا سماں طاری تھا۔ البتہ بھارتی فوجیوں کے کھانسنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یا ہوا کے چلنے سے بانس کے درختوں کی شاخوں اور پتوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ہر سو موت اپنے پر پھیلائے کھڑی تھی۔ ان پر سکوت لمحات میں مٹھی بھر پاکستانی مجاہد شوقِ شہادت سے سرشار دیوانہ وار آگے بڑھ رہے تھے میجر طفیل محمد ہر جوان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔پاکستانی جوانوں کے حوصلے پہلے ہی بہت بلند تھے اور ہر جوان اپنے قائد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وطن پر قربان ہونے کیلئے تیار تھا۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ دشمن کو حملے کی پیشگی اطلاع مل چکی تھی۔ جیسے ہی میجر طفیل محمد نے جمعدار اعظم خان کو حملہ آور ہونے کا حکم دیا تو بھارتی مورچوں کی جانب سے مشین گنوں نے موت کی آگ برسانی شروع کر دی۔ اب کسی حجاب اور پراسراریت کی گنجائش نہ تھی۔ دونوں جانب سے زبردست فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ جیسے ہی میجر طفیل محمد نے اپنے جوانوں کا حوصلہ بڑھانے کیلئے نعرہ حیدری بلند کیا تو یوں محسوس ہوا جیسے زمین تھرتھرانے لگی ہے۔ اس نعرے نے ہمارے جوانوں کے حوصلے جوان اور بھارتی فوجیوں کے پست کر دیئے۔ میجر طفیل محمد'جمعدار محمد اعظم کے علاوہ ایک جوان کو لے کر آگے بڑھے۔ جب دس قدم کا فاصلہ رہ گیا تو دشمن کی ایک گولی آپ کے پیٹ میں آ لگی۔ پھر یکے بعد دیگرے دو مزید گولیاں سینے میں اتر گئیں۔ اس کے باوجود بھی آپ ثابت قدم رہے اور آپ کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ مولوں پر شہباز کی طرح وہ جھپٹتے رہے۔ ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے ایک دستی بم نکال کر ایسا ناپ تول کر پھینکا کہ دشمن کی مشین گن اور اس کے عملے کا

مکمل طور پر صفایا ہو گیا۔ آپ پیٹ کے بل آگے بڑھتے اور جوانوں کے حوصلے بڑھاتے رہے۔

اسی اثنا میں دشمن کی دوسری مشین گن نے جو پیچھے آڑ میں نصب تھی گولیوں کی آگ برسانی شروع کر دی اس کی ایک گولی جمعدار محمد اعظم خان کو لگی اس کے زخم اتنے کاری اور مہلک ثابت ہوئے کہ وہ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ جبکہ میجر طفیل محمد کے جسم سے بھی کافی خون بہہ چکا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا کا حوصلہ' طاقت اور استقامت بخشی تھی کہ اتنا خون بہنے کے باوجود وہ اس مشین گن پر باز کی مانند جھپٹے اور ہینڈ گرنیڈ پھینک کر اسے بھی ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا۔ میجر طفیل محمد نے اسی حالت میں اپنے جانبازوں کو للکارتے ہوئے ان کے حوصلے بڑھائے ان میں بجلی کی سی تیزی آچکی تھی۔ وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر ٹوٹ رہے تھے۔ دست بدست لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ بھارتی سپاہی مار کھا کر دم دبا کے میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب دشمن کی دوسری پوسٹ پر حملہ ہوا۔ اسی اثنا میں تری پورہ پولیس فورس کا کمانڈر میجر دیو برہمن پستول ہاتھ میں لئے اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ زیادہ خون بہنے کی وجہ سے میجر طفیل نڈھال ہو چکے تھے۔ میجر برہمن آپ کی طرف آرہا تھا آپ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اٹھ نہ سکے اسی دوران EPR کے ایک جوان کی نظر میجر برہمن پر پڑی۔ اس کے دل میں اسے جہنم رسید کرنے کا خیال آیا لیکن اسے پتہ نہ تھا کہ میجر برہمن کے ہاتھ میں پستول بھی ہے۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں میجر طفیل نے اپنے جوان کی جان بچانے کیلئے اپنی ٹانگ میں الجھا کر میجر برہمن کو زمین پر گرا دیا۔ اپنی فولادی ٹوپی سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ نڈھال ہو کر اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا۔ کچھ دیر بعد بھارتی میجر اٹھا اور وہی فولادی ٹوپی میجر طفیل کے سر پر دے ماری۔ جس سے آپ کے ماتھے پر ایک اور زخم لگ

گیا۔ اسی اثنا میں EPR کا ایک جوان بھارتی میجر برہمن کو مارنے کیلئے نشانہ لے چکا تھا۔ لیکن میجر طفیل نے اسے روک دیا۔ چنانچہ میجر برہمن کو قیدی بنا لیا گیا۔ دشمن بزدلی دکھا کر پسپا ہو چکا تھا۔ اسے کافی جانی و مالی نقصان پہنچ چکا تھا۔ جیسے ہی پاک فوج کے جوان اپنے قائد میجر طفیل کے پاس پہنچے تو انہیں خون میں شرابور دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ لیکن میجر طفیل انہیں کامیابی کی نوید سنا کر صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ ہمت کر کے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ اسی دوران ایک اعلیٰ افسر وہاں پہنچے تو آپ نے آخری بار ہمت کی اور انہیں سلیوٹ کرتے ہوئے کہا کہ سر میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔

اب لکشمی پور گاؤں پر بھارتی ترنگے کی بجائے پاکستانی پرچم لہرا رہا ہے۔ یہ 7 اگست 1958ء کا دن تھا۔

حکومت پاکستان نے میجر طفیل محمد کی بے مثال بہادری اور جانثاری پر پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز نشان حیدر عطا کیا۔ یہ اعزاز حاصل کرنے والے پاک فوج کے آپ دوسرے آفیسر تھے۔

میجر راجہ عزیز بھٹی شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش	تاریخ شہادت
6/ اگست 1923	12/ ستمبر 1965

چھمب سیکٹر میں پاکستانی فوج کو حاصل ہونے والی زبردست جنگی کامیابیوں کے بعد یہ توقع کی جا رہی تھی کہ بھارت بین الاقوامی سرحدوں پر اپنی مرضی کا محاذ کھولے گا۔ اس لئے چھٹی پر گئے ہوئے فوجیوں کو اپنی یونٹوں میں واپسی کی ہدایت کر دی گئی تھی میجر راجہ عزیز بھٹی کو 29/ اگست 1965ء کے دن رجمنٹل ہیڈ کوارٹر کی طرف سے ایک حکم نامہ ملا جس میں ان کی چھٹی کی منسوخی کی اطلاع تھی۔

6/ ستمبر کو ساڑھے چار بجے صبح اے کمپنی کے جوانوں کو ہڈیارہ کی طرف سے تیز رفتاری سے آتی ہوئی رینجر کی جیپ ملی۔ جس میں سوار رینجر کے جوانوں نے دشمنوں کے حملے کی خبر دی۔ اور کہا کہ بھارتی فوج نے ہڈیارہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی اے کمپنی کے جوانوں نے اپنی مقررہ کردہ پوزیشن سنبھال لیں اور دشمن کے مقابلے کیلئے تیار ہو گئے چونکہ میجر عزیز بھٹی 6/ ستمبر کے دن امپیریل ڈیفنس ٹیم کے ارکان کے ساتھ مصروف تھے۔ اس لئے وہ حملے کی اطلاع پا کر بعد میں میدانِ جنگ میں اپنے

ساتھیوں کے پاس پہنچے۔

اے کمپنی کی پلاٹون نمبر ایک دو اور تین کی پوزیشن درج ذیل تھیں:

لیفٹیننٹ عبدالرحمٰن کی پلاٹون نمبر 1 برکی سے آگے مشرق کی جانب تھی۔

نائب صوبیدار محمد سلیمان کی پلاٹون نمبر 2 برکی اور بی آر بی کے درمیان متعین تھی۔

حوالدار محمد نذیر کی کمان میں پلاٹون نمبر 3 ریزرو تھی۔ اس کے علاوہ پنجاب کی پلاٹون نمبر 12 جس کی کمان صوبیدار عالم زیب کر رہے تھے۔ بھی اے کمپنی سے منسلک دی گئی تھی۔ اس کی پوسٹنگ برکی سے بجانب شمال کھجور ایریا میں تھی اے کمپنی کی امداد کیلئے توپ خانہ کی ایک بیٹری تھی اور حسبِ ضرورت پوری رجمنٹ سے بروقت امداد لی جاسکتی تھی۔

حوالدار محمد نذیر کی ریزرو پلاٹون کا کام مورچے کھودنا۔ پل کی حفاظت اور دوسرے کاموں میں دوسری دونوں پلاٹونوں کی مدد کرنا تھا۔ یہ پلاٹون برکی پل کے پاس بی آر بی نہر کے کنارے پر تھی۔ اس پلاٹون کے 8 جوان حوالدار محمد عارف۔ لانس نائیک قطب حسین شاہ' لانس نائیک محمد شریف' سپاہی عبدالمحبوب' محمد اقبال' اورنگ زیب' فضل حق اور نذیر حسین مورچے کھودنے کیلئے برکی سے مشرق کی جانب گئے۔

اے کمپنی سے منسلک توپ خانہ بیٹری کے فارورڈ ایریا میں کام کرنے والے جوان نائیک محمد الیاس' خان محمد' اور محمد الیاس' کیپٹن انور کی سرگردگی میں وہاں پہنچ چکے تھے۔ حملے کی خبر ملتے ہی انہوں نے اے کمپنی کے سگنیلر خان عالم اور محمد اکرم کو بھی ساتھ لیا اور برکی قصبے کے شمال مشرقی محلہ کے سب سے اونچے چوبارہ کو او پی پوسٹ کیلئے منتخب کر لیا اور وہاں اپنا سامان سیٹ کر کے کام شروع کر دیا۔ صبح ساڑھے سات بجے میجر عزیز بھٹی کی تیز رفتار جیپ نے نہر بی آر بی کے پل کو عبور کیا۔ وہ جیپ سے اتر کر

حوالدار نذیر کی پلاٹون کے ان جوانوں کے پاس گئے جو وہاں موجود تھے۔ وہاں سے جیپ میں سوار ہو کر برکی کی طرف روانہ ہوئے راستے میں نائب صوبیدار محمد سلیمان کی پلاٹون کے پاس بھی ذرا رکے اور جوانوں کا حوصلہ بڑھا کر آگے بڑھ گئے۔ برکی قصبے سے گزر کر لیفٹیننٹ عبدالرحمٰن کی پلاٹون نمبر 1 کے پاس پہنچے۔ جوانوں کو سینہ تان کر مقابلے کیلئے تیار پا کر بہت خوش ہوئے۔ لیفٹیننٹ عبدالرحمٰن کو ضروری ہدایات دے کر او پی پوسٹ کی خبر لی۔ اور سوا آٹھ بجے برکی کے بالا خانے پہنچ کر دشمن کی نقل و حمل کا جائزہ لینے لگے۔

"بحیثیت کمپنی کمانڈر میجر عزیز بھٹی کی پوزیشن ریزرو پلاٹون نمبر 3 کے ساتھ بی آر بی کے مشرقی کنارے پر تھی مگر انہوں نے پیچھے رہ کر اپنی کمپنی کو لڑانے کی بجائے۔ سب سے آگے او پی پوسٹ پر رہنا پسند کیا۔ جوان کی بے مثال شجاعت اور قابل تقلید حب الوطنی کی دلیل تھی۔"

جب میجر بھٹی او پی پوسٹ پر پہنچے تو دشمن اپنی پوری طاقت سے پیش قدمی کا تہیہ کر چکا تھا۔ بلکہ دشمن لاہور پر ساڑھے 9 بجے سے پہلے قبضے کے خواب بھی دیکھ چکا تھا۔ ہڈیارہ پر بھارت کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اگرچہ ہڈیارہ کا پل اڑا دیا گیا تھا اس کے باوجود شکستہ پل سے ٹینک اور فوجی گاڑیاں باآسانی گزر سکتی تھیں۔

میجر شفقت بلوچ کی ڈی کمپنی جس کی ڈیوٹی ہڈیارہ سب سیکٹر پر اے کمپنی سے ساڑھے چار میل آگے تھی اس کے جوان بڑی بہادری سے دشمن کی پیش قدمی کو روکے ہوئے تھے۔

میجر عزیز بھٹی جس وقت دوربین سے دشمن کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے ہڈیارہ کے بائیں جانب دشمن کی ایک کمپنی نظر آئی۔ چھ ہزار گز فاصلے پر پیش قدمی کرتے

ہوئے دشمن پر میجر عزیز بھٹی نے اس طرح صحیح گولے برسوائے کہ جیسے کوئی قریب ہی کھڑا فائرنگ کر رہا ہو۔ پیش قدمی کرنے والی کمپنی کے بمشکل چند ہی جوان زندہ بچے ہوں گے وگرنہ ساری کمپنی وہیں بھسم ہو گئی۔ اس اچانک اور صحیح نشانے پر حملے نے بھارتی فوج کو بوکھلا کے رکھ دیا۔ اب وہ پیش قدمی کی بجائے اپنے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دشمن کو تازہ کمک باقاعدگی سے پہنچ رہی تھی۔ جو اسے پیش قدمی پر مجبور کر رہی تھی۔ لیکن میجر عزیز بھٹی کے درست نشانے پر گرائے ہوئے توپ خانہ کے فائر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے تھے۔ جب توپ خانے کے فائر سے بچنا محال ہو گیا تو بھارتی فوج نے اپنی فضائیہ کو مدد کیلئے پکارا۔

جیسے ہی دشمن کی فضائیہ نے توپ خانے کو نشانہ بنانے کیلئے اس محاذ پر پرواز کی اپنے شاہینوں نے تعاقب کر کے اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد چھ بھارتی طیاروں نے سائفن کے پل پر بم گرا کر اسے توڑنا چاہا مگر بم نشانے پر نہ لگے اور پل ٹوٹنے سے بچ گیا۔ بھارتی فضائیہ کے تیسرے منظم حملے کا شکار برکی کا وہ چوبارہ تھا جہاں میجر عزیز بھٹی او پی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مگر دشمن اس بالا خانے کو بھی نشانہ نہ بنا سکا۔ صرف ایک گولہ چوبارے پر گرا جس سے اس عمارت کی دوسری منزل گر گئی لیکن میجر عزیز بھٹی اور ان کے دیگر ساتھی محفوظ رہے۔ بالا خانے پر ہوائی حملوں سے میجر عزیز بھٹی جان چکے تھے کہ دشمن کو اس مقام کا پتہ چل گیا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے وطن کے دفاع اور بھارتی فوج کی پیش قدمی روکنے کیلئے اسی چوبارے پر رکنے کا فیصلہ کیا۔ حسن اتفاق سے اس سیکٹر میں صرف وہی اونچا مقام تھا جہاں کھڑے ہو کر ہڈیارہ تک بڑی آسانی سے دشمن کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھے۔ اس وقت برکی سیکٹر میں مورچے

کھودے جا چکے تھے۔ اور دیگر دفاعی انتظامات کر لئے گئے تھے۔ ان حالات میں میجر شفقت بلوچ کو حکم ملا کہ وہ اپنی کمپنی کو لے کر پیچھے آ جائیں۔ 9 گھنٹے تک دشمن کو روکے رکھنا میجر شفقت کے کارنامے اور بہادری کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس مرحلے پر میجر عزیز بھٹی نے پلاٹون کمانڈروں کو ہدایت کی کہ فائر کروانے میں احتیاط سے کام لیں کیونکہ میجر شفقت کی کمپنی واپس آ رہی ہے۔

میجر شفقت بلوچ کی کمپنی کے پیچھے ہٹنے کے ساتھ ہی دشمن نے ایک دفعہ پھر سر اٹھانے کی کوشش کی اور پیش قدمی کے آثار دکھائی دیئے۔ چند ہی لمحوں بعد پیش قدمی کا جوش ہمارے توپچیوں کے صحیح نشانوں نے ٹھنڈا کر دیا۔

12 بجے کے قریب جب میجر عزیز بھٹی اپنے مورچوں کا معائنہ کر رہے تھے۔ کوارٹر ماسٹر حوالدار محمد اکرم دوپہر کا کھانا لے آیا۔ لیکن جوانوں کو دینے سے پہلے میجر عزیز بھٹی نے کھانا لینے سے انکار کر دیا۔ اسی اثنا میں دشمن کی طرف سے گولہ باری شروع ہو گئی۔ جوانوں نے مورچوں میں پناہ لے لی لیکن میجر عزیز بھٹی اپنی جگہ کھڑے گولے پھینکنے والی توپوں کی سمت کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر وہ ذاتی حفاظت سے بے نیاز ہو کر جیپ پر تیزی سے چوبارہ کی مشاہداتی چوکی کی طرف روانہ ہو گئے۔ چوبارے پر کھڑے ہو کر فائر کرنے والی توپوں کے رخ کا تعین کیا اور دشمن پر توپ خانے سے فائر کروانے لگے۔

یہ بڑا نازک مرحلہ تھا کیونکہ اس وقت میجر شفقت کی کمپنی واپس آ رہی تھی۔ احتیاط ملحوظ رکھنا اس لئے ضروری تھا کہ اپنی فائرنگ سے کوئی جان ضائع نہ ہونے پائے۔ دو بجے میجر شفقت کی کمپنی واپس پہنچ گئی تو اب میجر عزیز بھٹی کی کمپنی اور دشمن کے درمیان اور کوئی نہیں تھا۔ ہڈیارہ کے بائیں طرف سے بڑھ کر دشمن نے برکی پر

قبضہ کرنے کی جستجو کی۔ لیکن میجر عزیز بھٹی کی بروقت شناخت اور نشانہ پر کروائی جانے والی فائرنگ نے پیش قدمی کی یہ کوشش بھی ناکام بنا دی۔

ریزرو پلاٹون نمبر 3 کے کمانڈر حوالدار نذیر جو ٹی آر ٹی پر متعین تھے نے آکر میجر عزیز کو بتایا کہ عسکری حکمت عملی کے پیش نظر برکی کا پل توڑ دیا گیا ہے اسی وقت یہ خبر بھی ملی کہ بارودی سرنگیں بچھانے والے دو جوان بارودی سرنگوں کے پھٹنے سے شہید ہو چکے ہیں۔

اسی اثنا میں شام ہو چکی تھی۔ چاند کی چاندنی میں بالاخانے پر کھڑے میجر عزیز بھٹی دوربین سے مشاہدہ کر رہے تھے کہ دشمن کی گولہ باری شروع ہو گئی۔ ساتھیوں سے کہا کہ صرف محمد الیاس ہی میرے ساتھ رہے باقی تمام جوان اپنے اپنے مورچوں میں چلے جائیں۔ گولہ باری کافی دیر جاری رہی۔ جب یہ تھمی تو رات کافی گزر چکی تھی۔ اپنے سپاہیوں کو کچھ دیر آرام کا مشورہ دیا لیکن میجر عزیز بھٹی بالاخانے میں ہی بیٹھے دشمن کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرتے رہے۔ دن کے وقت انتہائی مہارت اور مستعدی سے گولہ باری کروانے اور دشمن کو بری طرح نقصان پہنچانے کے باعث دشمن کو یقین تھا کہ اس محاذ پر پاکستان کی فوج اور توپ خانہ کی بھاری طاقت ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ ڈیڑھ سو نفوس اور توپخانہ کی ایک یونٹ کی مستعدی اور میجر عزیز بھٹی کی بے مثال نگہبانی کا کمال تھا۔ سہ پہر لاہور جم خانہ کلب میں چائے پینے کی خواہش رکھنے والے بھارتی جرنیل 24 گھنٹوں میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے تھے۔

7 ستمبر کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔ سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا۔ میجر عزیز بھٹی اور ساتھیوں نے وضو کر کے خدائے بزرگ برتر کے سامنے سجدہ کیا اور ناقابل

یقین کامیابیوں پر شکر ادا کیا۔ میجر عزیز بھٹی سجدے میں اس قدر روئے کہ آپ کا دامن بھیگ گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد میجر عزیز بھٹی ایک بار پھر دوربین کے ذریعے عقابی نگاہوں سے دشمن کا مشاہدہ کرنے لگے۔ انہیں شبہ گزرا کہ برکی خورد اور برکی کلاں کے درمیان درختوں کی اوٹ میں دشمن نقل و حرکت کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو یقین ہو گیا کہ دشمن ساری رات یہاں اسلحہ جمع کرتا رہا ہے۔ مقام اور رینج دے کر توپ خانہ کو گولہ باری کا حکم دیا گیا جس سے دشمن کی نفری تو وہیں بھسم ہو گئی جبکہ بارود کو آگ لگ گئی یہ ڈمپ گھنٹوں جلتا رہا۔ اس ڈمپ کے پیچھے کچھ ٹینک بھی دکھائی دیئے جن پر گولہ باری کروائی گئی۔ جس سے دشمن کے ارادے مزید خاک میں مل گئے دشمن جب بھی اپنی مدد کیلئے اپنی فضائیہ کو بلاتا ہمارے شاہین ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ حتیٰ کہ دشمن کے طیاروں کو اپنی جان بچا کر بھاگنے کی پڑ جاتی۔

دوپہر دو بجے ایک ٹرک اور جیپ 18 میل دور سے آتے دکھائی دیئے میجر عزیز بھٹی نے ان پر فائر کروایا۔ جیپ تو واپس بھاگ گئی لیکن ٹرک وہیں تباہ ہو گیا۔

پلاٹون نمبر 3 جو ریزرو کا کام دے رہی تھی اس نے برکی اور بی آر بی کے درمیان بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ تاکہ اگر دشمن خدانخواستہ پیش قدمی کرتا بھی ہے تو اسے نہر تک پہنچنے میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ چاند کی مدہم روشنی میں ٹینکوں کی آواز سنائی دی۔ میجر عزیز بھٹی نے رینج معلوم کرنا چاہی لیکن رینج معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد ٹینکوں کی سمت اور رینج کا پتہ لگ گیا تو آپ نے ادھر فائر کروا دیا اور پیش قدمی کرتے ٹینک وہی رک گئے۔

تیسری صبح وائرلیس پر کمانڈنگ افسر نے میجر عزیز بھٹی کو واپسی کی ہدایت

کی آپ تین دن سے مسلسل اس محاذ پر ہیں ذرا بھی آرام نہیں کیا آپ کو آرام کی اشد ضرورت ہے آپ واپس آ جائیں۔ آپ کی جگہ دوسرا آفیسر بھیج رہا ہوں۔

میجر عزیز نے جواب دیا کہ سر یہ بڑا نازک محاذ ہے میں یہاں دشمن کی چالوں سے پوری طرح واقف ہو گیا ہوں نئے آفیسر کو ان کی چالوں کو سمجھنے میں وقت لگے گا جبکہ ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے میری انتہائی آرزو ہے کہ مجھے محاذ جنگ سے واپس نہ بلایا جائے۔ ان نازک لمحات میں مجھے کسی آرام کی ضرورت نہیں۔ جس پر کمانڈنگ آفیسر کرنل چشتی بھی قائل ہو گئے۔

حوالدار اکرم کھانا لے کر آ گیا۔ اور میجر صاحب سے کہنے لگا کہ آپ کو تو علم ہے میں ایک اچھا آبزرور ہوں۔ اینٹیلیجنس سیکشن میں بھی رہ چکا ہوں۔ آپ کھانا کھائیں میں اتنی دیر آپ کی ڈیوٹی دے دیتا ہوں۔ اس پر میجر عزیز بھٹی مان گئے۔ دوربین حوالدار اکرم کے حوالے کر کے خود کھانا کھانے لگے اتنے میں حوالدار اکرم نے دوربین سے دیکھا کہ ایک جیپ اور ٹرک ان کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ میجر بھٹی نے کہا کہ اس پر فائر کراؤ۔ لیکن حوالدار اکرم کے ڈگری پلان کے مطابق نشانہ نہ لگا تو جھٹ سے کھانا چھوڑ کر میجر بھٹی خود فائر کروانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا کہ کھانے کے دو نوالے مجھے مہنگے پڑے۔ میجر بھٹی نے صحیح سمت گولہ باری کروا کر ٹرک اور جیپ دونوں کو تباہ کروا دیا۔ پاکستانی مجاہد ایک منظم سکیم کے تحت نہر کے کنارے پہنچ رہے تھے۔ میجر عزیز بھٹی نے اپنے جوانوں کو مورچے چھوڑنے اور بچتے بچاتے نہر کے کنارے تک پہنچنے کیلئے کہا۔ حالات بے قابو ہوتے جا رہے تھے۔ دشمن کے ایک بریگیڈ نے ایک ٹینک بٹالین اور بھاری توپ خانے کے ساتھ حملہ کر دیا تھا دشمن کی فوج برکی کے آس پاس پھیل چکی تھی۔ اب مقابلہ آمنے سامنے اور سخت ہو گیا

تھا۔ میجر بھٹی اور ان کے ساتھی اب دشمن کے محاصرے میں آچکے تھے۔ بالاخانے
سے نکل کر بی آر بی کے کنارے پوزیشن لینا ان کیلئے بہتر تھا۔ چنانچہ میجر عزیز بھٹی
بالاخانے سے اتر کر باہر دروازے تک پہنچے تو دشمن کا ایک دستہ مسلح کھڑا پایا۔ اس کے
کمانڈر سکھ حوالدار نے میجر بھٹی اور ان کے ساتھی کو دیکھتے ہی ہینڈز اپ کہا۔ اور مشین
گن کی نالی میجر بھٹی کے ساتھی کے کندھے پر رکھ دی۔ میجر عزیز بھٹی پیچھے تھے۔
آپ کے ساتھی کے پاس بھی سٹین گن تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے سکھ کمانڈر کی سٹین
گن کی نالی پکڑ لی اور اس کو کھینچنا چاہا۔ میجر بھٹی نے پیچھے سے اس کا دایاں کندھا چھوتے
ہوئے اشارہ کیا۔ بس پھر کیا تھا پستول اور سٹین گن گولیاں اگلنے لگے چند ہی لمحوں میں
دشمن کے کئی فوجی زمین پر ڈھیر ہوگئے۔ جو بچے وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ اس طرح میجر
اور ان کے ساتھی محاصرے سے نکل کر نہر کے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔
راستہ پُر خطر تھا۔ جگہ جگہ بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں۔ اسلحہ بھی ختم ہونے کو تھا۔
میجر بھٹی نے دیکھا کہ دشمن کی نقل و حرکت نقطہ عروج پر ہے تو انہوں نے توپخانے
کو حکم دے کر فائر کرایا۔ دشمن کا بہت سا جانی و مالی نقصان ہوا اور حملہ وقتی طور پر رک
گیا۔ اس دوران پاکستانی مجاہدوں کو اپنے مورچوں تک پہنچنا آسان ہوگیا۔ برکی سیکٹر پر
دشمن کا زور بڑھ رہا تھا پاک فوج کے جوانوں کا ایمونیشن آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو رہا تھا۔
حتیٰ کہ دشمن نہر کے کنارے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا میجر بھٹی نے اپنی ٹینک
شکن توپ گرنیڈ مار کر تباہ کر دی تاکہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ سکے اس کے بعد اپنے
ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے نہر پار کرائی۔ خود سٹین گن لئے زخمیوں کی حفاظت کرتے
رہے جب سب جوان نہر پار کر گئے تو سب سے آخر میں میجر بھٹی نے نہر کراس کی۔
مغربی کنارے پر پہنچ کر رسے کاٹ دیئے اور کشتی ڈبو دی۔ تاکہ دشمن کے کام نہ

آجائے۔ زخمیوں کو ملٹری ہسپتال پہنچا دیا گیا جبکہ دیگر جوانوں کو نہر کے کنارے
درختوں کے نیچے پوزیشن لینے کا حکم دیا۔ اور خود میجر بھٹی پٹڑی پر چڑھ کر دشمن کا
جائزہ لینے لگے۔ ایک زخمی جوان نہر کے اس پار رہ گیا۔

11 ستمبر کی صبح سویرے آپ نے دو جوانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے زخمی جوان کو
اس پار لے آئیں لیکن نہر کے مشرقی حصے میں مستعد اور پھیلے ہوئے دشمن کو دیکھ کر
آپ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ میجر بھٹی دشمن پر مسلسل صحیح فائر کروا کر ان کے
ٹینک توپیں اور اسلحے کا ذخیرہ تباہ کروا رہے تھے ساتھ ساتھ اس محاذ پر دشمن کی
پوزیشنوں اور نقل و حرکت کا مسلسل مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ کے صوبیدار نے کہا کہ
میجر صاحب آپ براہِ راست دشمن کی زد میں ہیں اس لئے پٹڑی سے نیچے اتر آئیں۔
آپ نے جواب دیا کہ اس بات کا مجھے بھی علم ہے کہ پٹڑی پر خطرہ ہے لیکن اس سے
زیادہ اونچی کوئی اور جگہ نہیں جہاں کھڑا ہو کر دشمن کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کر سکوں۔
انہوں نے کہا کہ میری جان کی فکر مت کرو۔ اس وقت وطن عزیز کی حفاظت ہر چیز
سے مقدم ہے۔ اگر جان بھی وطن کی خاطر قربان ہو جائے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی
اور کیا ہوگی۔

اسی طرح ایک بار پھر آپ کو آرام کی غرض سے کمانڈنگ آفیسر نے طلب کیا
لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔ 120 گھنٹے گزرنے کے باوجود آپ ہشاش بشاش
دکھائی دے رہے تھے۔ کمانڈنگ آفیسر نے کہا کہ بھٹی صاحب آپ نے اس محاذ پر
تاریخی جنگ لڑی ہے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں لیکن آپ کو آرام کی سخت
ضرورت ہے۔ میجر عزیز بھٹی نے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر کمانڈنگ آفیسر کو
کہا کہ ! جس جذبے اور احساس کے تحت آپ نے مجھے یاد کیا میں اس کیلئے ممنون ہوں

آپ یقین کیجئے میرے لئے آرام وراحت محاذ ہی پر ہے اگر مجھے محاذ سے بلالیا گیا تو یہ میرے لئے روحانی عذاب ہوگا۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں میں پچھلے مورچوں پر جانے کی بجائے وطن عزیز کی حفاظت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔
اس پر کمانڈنگ آفیسر لاجواب ہوگئے۔

دشمن کو ہر لمحے کمک پہنچ رہی تھی میجر عزیز بھٹی کا خیال تھا کہ دشمن پیش قدمی کیلئے نہر پر عارضی پل بنائے گا اس لئے انہوں نے پیٹرولنگ کا خاص حکم دے رکھا تھا۔

متواتر جاگنے سے میجر بھٹی کی آنکھیں سُوج گئی تھیں اور پلکیں جھپکنے میں تکلیف اور دقت محسوس ہوتی تھی۔ کچھ دیر ایمرجنسی طور پر جیپ میں رکھے ہوئے سٹریچر پر آرام کیا۔ لیکن اس لمحے تھوڑی سی غفلت بھی بہت بڑے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔

12 ستمبر کی صبح طلوع ہوئی۔ برکی سے شمال کی جانب کھجوروں کے درختوں میں دشمن کے جوان نہر کی طرف بڑھتے دکھائی دیئے۔ آپ نے وائرلیس پر فائرنگ کا حکم دیا۔ دشمن کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اورباقی واپس بھاگ گئے۔ اس کے بعد میجر بھٹی پٹڑی سے نیچے اتر آئے پانی منگوا کر وضو کیا اور نماز ادا کی۔ بالوں میں کئی دنوں کے بعد کنگھی کی۔ اس کے بعد صوبیدار غلام محمد کے ساتھ چائے پینے لگے۔ صوبیدار غلام محمد اعلیٰ پائے کے دست شناس بھی تھے۔ میجر بھٹی نے انہیں اپنا ہاتھ دیکھنے کو کہا۔ صوبیدار نے آپ کی دماغی صلاحیتوں کے بارے میں بتایا تو میجر بھٹی کہنے لگے۔ کہ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری قسمت میں شہادت ہے یا نہیں۔ صوبیدار نے دوبارہ ہاتھ دیکھ کر کہا جناب! آپ کی قسمت میں شہادت تو ہے لیکن کہہ نہیں سکتا

کہ عمر کے کس حصے میں نصیب ہو۔ اس پر میجر بھٹی نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور کہا کہ اگر آپ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے تو میں آپ کو بتادوں میری شہادت بہت قریب ہے۔ بہت قریب۔

اس کے بعد آپ نے ایک جوان کو نئی وردی لانے کا حکم دیا وہ کسی اور کی وردی لے آیا اس پر آپ نے کہا یہ وردی میری نہیں ہے۔ وردی اور کفن اپنا ہی اچھا لگتا ہے۔ اسی اثنا میں بھارتی بریگیڈ نے گولہ باری شروع کر دی۔ میجر بھٹی اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نہر کی پٹڑی پر کھڑے فائرنگ کی سمت کا جائزہ لے رہے تھے۔ دیکھنے والے محسوس کر رہے تھے کہ کسی بھی لمحے ٹینک کا گولہ یا مشین گن کا فائر ان کے پرخچے اڑا سکتا تھا۔ ایک حوالدار نے چلاتے ہوئے کہا کہ سر آپ نیچے آجائیں۔ میجر بھٹی وہیں کھڑے کھڑے بولے نیچے دشمن کی صحیح پوزیشن کا اندازہ نہیں ہو سکتا بلاشبہ یہاں خطرہ ہے لیکن موت وحیات اللہ کی طرف سے ہے اور اگر شہادت میرے مقدر میں ہے تو زہے نصیب۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے پیغام پر دشمن کے مزید دو ٹینک تباہ کر دیئے گئے۔ اب یوں معلوم ہوتا تھا کہ دشمن نے انہیں پٹڑی پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ چند ہی لمحے بعد دشمن کے ایک ٹینک کا گولہ شیشم کے درخت کو چیرتا ہوا ان کے قریب آ گرا۔ زبردست گرد و غبار اٹھا۔ میجر عزیز بھٹی کے ماتحتوں کے دل زور سے دھڑکے۔ وہ دوڑ کر ان کی طرف بڑھے تو میجر عزیز بھٹی گرد و غبار میں بالکل صحیح سلامت کھڑے تھے۔ ان کے قریب گرنے والے گولے نے انہیں نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ صرف گرد و غبار اڑایا تھا۔

عام حالات میں میجر عزیز بھٹی کا جسمانی نظام ذرا سی گرد بھی برداشت نہیں کر پاتا تھا اور انہیں فلو ہو جاتا تھا۔ لیکن محاذ جنگ پر وہ بارود کی بدبو اور اڑنے والی گرد کے

باوجود ٹھیک ٹھاک تھے یوں لگتا تھا جیسے ان کا پورا جسم ان کی مضبوط قوت ارادی کے تابع ہو چکا ہو اور اب موت بھی ان سے آنکھیں چراتی ہو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"آپ فوراً پوزیشن لے لیں یہ گولہ میرے لئے نہیں تھا۔ ابھی وہ گولہ بھارت کے کارخانے میں تیار نہیں ہوا۔ جو مجھے نقصان پہنچائے۔

شاید ان کی مراد ایسے گولے سے تھی جو ان کا حوصلہ ختم کر سکے۔ ایسا گولہ واقعی نہ بن سکا تھا اور نہ بنایا جا سکتا تھا ان کی زندگی تو دنیا کے تمام مراحل سے نکل کر اگلے عظیم تر مرحلے میں داخل ہونے والی تھی۔ البتہ دنیا والے جس مرحلے کو موت کہتے ہیں وہ ضرور ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

انہوں نے سپاہیوں کو واپس اپنی پوزیشنوں پر بھیجا ہی تھا اور دوربین ان کے ہاتھوں میں تھی اسے آنکھوں تک لے جانے کیلئے ان کے ہاتھ اوپر اٹھے کہ اسی لمحے دشمن کے ٹینک نے ٹھوس فولاد کا ایک گولہ پھینکا۔ گولے کا شیل میجر بھٹی کی جانب بڑھا اور پھر جلتا ہوا فولاد ان کے سینے سے پار ہو گیا۔ گولہ لگنے سے ان کے سینے میں نو انچ لمبا۔ چار انچ چوڑا اور چھ انچ گہرا شگاف پڑ گیا۔ میجر عزیز بھٹی کی روح اس لمحے اگلے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ عزم و استقلال کا پیکر پاک فوج کا عظیم مجاہد اور پاکستانی قوم کا بہادر سپوت اپنے وطن پر قربان ہو گیا۔ (بے شک ہم سب اللہ کیلئے ہیں اور اسی کی جانب لوٹ کر جانے والے ہیں) شہادت کا مرتبہ پانے کے بعد آپ کے چہرے پر بے حد معصومیت اور مسرت کے جذبات نمایاں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے برکی کے محاذ پر سات دن جاگنے کے بعد اب آپ سو گئے ہوں۔ ایک باپ نے بیٹے سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کر دکھایا تھا۔ بلکہ ساری قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔ اس بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرنے پر آپ کو نشانِ حیدر دیا گیا۔ نشانِ حیدر حاصل کرنے والے آپ تیسرے سپوت تھے۔

میجر شبیر شریف شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش	تاریخ شہادت
28/اپریل 1943	6/دسمبر 1971

میجر شبیر کے سامنے بھارتی فوجوں کے کنکریٹ کے بنے ہوئے بنکرز تھے۔ جن میں جدید روسی اسلحے سے لیس دشمن کے ہزاروں سپاہی موجود تھے۔ بنکرز کے بعد دشمن کی فوجی چوکی "جھانگر" تھی یہ بھارت کا سرحدی علاقہ تھا۔ "جھانگر" سے پیچھے دشمن نے دو میل تک بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں تاکہ اگر پاکستانی سپاہی وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو بھی جائیں تب بھی وہ بارودی سرنگوں کا شکار ہو جائیں۔ اس کے بعد دشمن کا سرحدی گاؤں "بیری والا" پڑتا تھا۔ "بیری والا" کے بعد تیس فٹ چوڑی اور دس فٹ گہری ایک دفاعی نہر تھی جس کے دوسری طرف دشمن افواج کڑی نگرانی کر رہی تھی۔ ویسے بھی سردیوں کی وجہ سے نہر کا پانی سخت ٹھنڈا تھا اور ان حالات میں نہر کو تیر کر عبور کرنا قریب قریب ناممکن ہی تھا۔ نہر کے دوسری طرف ایک اہم بند تھا جس پر قبضہ پاکستان کیلئے فائدہ مند ثابت ہو سکتا تھا۔ اور دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں ملائے جا سکتے تھے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اس وقت صرف ایک پاکستانی کمپنی میسر

تھی۔ جبکہ دشمن کے ہمراہ ٹینکوں کا سکواڈرن اور توپ خانہ موجود تھا علاوہ ازیں دشمن کو اپنی ٹڈی دل افواج کی بھی سپورٹ حاصل تھی۔

یہ جنگی مہم کچھ کم مشکل نہ تھی لیکن میجر شبیر شریف ہمیشہ مشکلات سے ہی کھیلتے آئے تھے۔ اور ناممکنات کو ممکنات میں بدلنے میں انہیں روحانی تسکین حاصل ہوتی تھی۔ جب آپ کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا تو انہوں نے اپنے ٹارگٹ کو حاصل کرنے کیلئے اپنے ذہن میں منصوبہ بندی کرلی تھی۔ یہ مشن ایسا تھا جس میں زندگی کی کم موت کی زیادہ امید تھی۔ بلکہ اسے شہادتوں کا سفر قرار دیا جاسکتا تھا۔

بارہ روز پہلے سے پاکستان کے مشرقی بازو پر بھارتی افواج نے باضابطہ حملہ کر رکھا تھا۔ لیکن 3/ دسمبر 1971ء کو پاکستان کا مغربی حصہ بھی بھارتی یلغار کی زد میں آ گیا۔ دراصل "جھانگر" چوکی کی جانب سے ایک بڑے حملے کی توقع کی جارہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ افواج پاکستان کی طرف سے آگے بڑھ کر دشمن کو ان کے مورچوں میں ہی تباہ و برباد کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ پلاننگ جاری تھی۔ میجر شبیر شریف نے پلان اپنے کمانڈر کو پیش کر کے ان سے حملے کی اجازت طلب کی۔ لیکن بریگیڈ کمانڈر منصوبے کی حساسیت کو دیکھتے ہوئے فوری طور پر رضامند نہ ہوئے وہ منصوبے کی پیچیدگیوں اور مشکلات کے پیش نظر فیصلہ کرنے میں ہچکچا رہے تھے۔ لیکن دوسری جانب میجر شبیر شریف اپنے منصوبے پر عمل درآمد کیلئے مسلسل اصرار کر رہے تھے۔ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد بریگیڈ کمانڈر نے میجر شبیر کے منصوبے کی اجازت دے دی۔

3/ دسمبر کی انسانی خون جما دینے والی سرد شام تھی میجر شبیر شریف اپنی کمپنی کی قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ چند منٹ بعد وہ کنکریٹ کے بنے ہوئے بنکروں پر حملہ آور ہوگئے۔ دشمن نے اپنے اسلحے کے زور پر مقابلہ کرنے کی کوشش کی

لیکن میجر شبیر کی کمپنی نے بڑی تیزی سے دشمن پر قابو پالیا۔ اور بنکرز کی رکاوٹ ان کیلئے بے معنی ہو کر رہ گئی۔

کچھ ہی دیر بعد پسپا ہوتی ہوئی بھارتی فوج کی اہم سرحدی چوکی "جھانگر" بھی میجر شبیر کے قبضے میں آگئی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں بیٹھ کر بھارتی افسران پاکستان پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ میجر شبیر ان منصوبوں کی موت بن کر نازل ہوئے۔

میجر شبیر شریف دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ جہاں شجاعت کا موقع ہوتا وہاں میجر شبیر سب سے آگے بڑھ کر خطرے میں کود جاتے۔ جہاں حکمت و تدبیر ضروری ہوتی وہاں وہ بے مثال عسکری ذہانت کا ثبوت دیتے۔

سبونہ ڈسٹری بیوٹری نہر ابھی دو میل دور تھی یہ علاقہ دشمن کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگوں سے اٹا پڑا تھا۔ قدم قدم پر موت منتظر تھی۔

لیکن یوں دکھائی دے رہا تھا کہ میجر شبیر شریف کی لغت میں ڈر اور خوف کا کوئی لفظ نہیں تھا۔ عام زندگی میں بھی وہ انہی خصوصیات کے حامل تھے۔ لیکن اب تو ملک و قوم کی سالمیت ہی خطرے میں پڑ چکی تھی اس لئے ان کی ساری صلاحیتیں اور جبلتیں خود بخود کام کر رہی تھیں۔ وہ بارودی سرنگوں کے درمیان سے خود بھی گزر گئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی ان بارودی سرنگوں سے بچا کر لے گئے۔ اسی اثنا میں دشمن کی توپیں ان پر خوب گولے برسا رہی تھیں دشمن خودکار اسلحے سے بھی فائر کر رہا تھا۔ لیکن میجر شبیر کی کمپنی اپنے قائد کی قیادت میں آگے بڑھتی جارہی تھی۔ جوں جوں میجر شبیر شریف کی کمپنی دشمن کے قریب ہوتی جارہی تھی گولہ باری بڑھتی جارہی تھی۔ اس کے باوجود تیس منٹ میں میجر شبیر شریف کی کمپنی بارودی سرنگوں کے دو میل عبور کر گئی

اب وہ دشمن کے ایک گاؤں "بیری والا" کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ یہاں پر میجر شبیر کو خاص مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ گاؤں میں بھارتی فوجی اپنے اسلحہ سمیت موجود تھے۔ لیکن میجر شبیر اور اس کی کمپنی کے آگے دشمن زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ اور "بیری والا" گاؤں پر بھی پاکستانی جانبازوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں سے پسپا ہوتے ہوتے بھارتی فوجی ایک اور گاؤں گور مکھیرہ کی جانب چلے گئے۔ میجر شبیر نے وائرلیس پر اپنے کمانڈر کو اطلاع دی تو انہوں نے مزید احتیاط کا حکم دیا۔

پیش قدمی کیلئے نہر کو عبور کرنا ضروری تھی۔ سردیوں کی سرد راتوں میں انسانی خون جما دینے والا پانی اس پر بھارتی توپ خانہ کی گولہ باری مزید مشکلات پیدا کر رہی تھی۔ یہاں سے آگے بڑھنا میجر شبیر اور اس کے ساتھیوں کیلئے اب ایک چیلنج بن گیا تھا۔ یہ چیلنج ملک و قوم کے دشمنوں کی طرف سے تھا۔ میجر شبیر کے جذبات الفاظ میں ڈھل گئے اور انہوں نے گرجدار آواز میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"بہادرو! یہ حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ ہے یہ ہماری ملی غیرت کا امتحان ہے۔ خدا کی قسم اگر میں پیچھے ہٹوں تو تم مجھے گولی مار دینا اور اگر تم پیچھے ہٹے تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ جو پیچھے رہنا چاہتا ہے وہ ابھی رہ جائے ہمیں ہر حال میں آگے بڑھنا ہے بولو! میرے ساتھ چلو گے۔"

اس تقریر کے ایک ایک لفظ نے جوانوں کے دلوں میں جوش کا طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ سب نے ایک آواز ہو کر کہا کہ ہم چلیں گے اور ضرور چلیں گے۔ ہم اسلام اور وطن کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ خوشی پیش کریں گے۔

میجر شبیر شریف کی قیادت میں یہ مجاہدوں کی جماعت آگے بڑھتی ہوئی

سبونہ نہر کے کنارے پر جا پہنچی دشمن کے گولے پوری شدت سے برس رہے تھے متواتر دھماکوں سے فضا گونج رہی تھی۔ برف جما دینے والی سردی میں پاکستانی مجاہد نہ صرف نہر کے سرد پانی میں خود اترے بلکہ اپنے ہتھیاروں کی حفاظت دوسرے کنارے پر رسائی بھی ان کے فرائض میں شامل تھی۔ نہر کا سرد پانی شمشیر کی طرح انسانی ہڈیوں میں پیوست ہو رہا تھا۔ اوپر دشمن کی فائرنگ نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان حالات میں دوسرے کنارے تک پہنچنا ناممکن دکھائی دیتا تھا۔ لیکن میجر شبیر کی قیادت میں تمام جوانوں کے حوصلے بلند تھے اور ہر کوئی وطن عزیز کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینے کا پختہ عزم کر کے آیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ دشمن کی فائرنگ انہیں خوفزدہ کر پا رہی تھی اور نہ ہی برفانی پانی پاکستانی مجاہدوں کے جذبوں کو سرد کر سکتا تھا۔ دشمن نے بہت کوشش کی کہ یہ جوان نہر کے دوسرے کنارے پر نہ پہنچ سکیں بالآخر یہ جوان دوسرے کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن یہ کنارہ بھی مشکلات کا خاتمہ نہیں تھا بلکہ اب انہیں دشمن کے آہنی مورچوں کا سامنا تھا۔ فولاد کی دیواروں کے ساتھ ساتھ ٹینکوں کا ایک سکواڈرن بھی وہاں موجود تھا۔ میجر شبیر نے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ میجر سمیت تمام ساتھی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ نعرہ تکبیر فضا میں گونجتے ہی دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ اس عظیم کمانڈر کی قیادت میں فوجی جوانوں نے وہ جوہر دکھائے کہ تمام تر حفاظتی تدابیر کے باوجود دشمن کو ان آہنی مورچوں سے پسپا ہونا پڑا۔ وہاں متعین 43 بھارتی فوجی مارے گئے۔ 28 زندہ قیدی بنا لئے گئے۔ اس معرکے میں ٹینکوں نے بھی اپنے جوہر دکھانے کی کوشش کی لیکن چار ٹینکوں کو ہلنے سے پہلے ہی راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا تو باقی بھی خاموشی سے پسپا ہو گئے۔

اس معرکے میں کامیابی کے بعد دشمن کے علاقے میں بنائے ہوئے عظیم بند

کے اہم حصوں پر پاکستان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ نہر پر بندھا ہوا انتہائی اہم پل بھی پاکستان کے قبضے میں آچکا تھا۔ گور مکھیڑہ گاؤں کی طرف رابطے کا یہ واحد ذریعہ تھا۔ یہ فتح دشمن کی عسکری حیثیت پر شدید ضرب تھی۔ دشمن کے جن حفاظتی انتظامات کو سبھی ناقابل شکست تصور کرتے تھے میجر شبیر نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ان انتظامات کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

میجر شبیر شریف مزید آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن کمانڈنگ آفیسر مزید پیش قدمی پر رضامند نہ تھے۔ پاکستان مجاہدوں کے قدم مجبوراً رک گئے۔ دشمن سے چھینے ہوئے مورچوں میں ہی پوزیشن مستحکم کرلی گئی۔ اندھیری رات میں دن کے اجالے تو پہلے ہی چھپ چکے تھے۔ ماحول پر مکمل تاریکی چھاچکی تھی۔

میجر شبیر شریف اس وقت اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے علاقے میں موجود تھے وقتی طور پر وہ دشمن کو شکست دے چکے تھے۔ مگر ابھی کئی اور امتحان باقی تھے۔ بھارت اپنے مزید کئی لشکر ان کے مقابلے میں لے آیا تھا۔ رات بھر بھاری ہتھیاروں سے دشمن کا حملہ جاری رہا۔ میجر شبیر کی کمپنی نے یہ تمام حملے ناکام بنا دیئے۔ اور دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ رات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہو گا جب کسی جوان نے نیند کیلئے آنکھ بند کی ہو۔ دوسری صبح جب سورج طلوع ہوا تو اس کی کرنوں نے چاروں طرف اجالے بکھیر دیئے۔ دن کے اجالے میں بھارت نے پہلے سے کئی گنا زیادہ فوج کے ساتھ حملہ کر دیا۔ ہلکی اور بھاری توپوں کے علاوہ اسے ٹینکوں کی بھی مدد حاصل تھی۔ پھر انسانوں اور ٹینکوں کا خوفناک مقابلہ شروع ہو گیا۔ جس مقام پر پاکستانی قابض تھے۔ وہاں صرف دشمن کی گولہ باری ہی کا سامنا نہیں تھا بلکہ ارد گرد زمین میں نصب بارودی سرنگیں بھی ان کی جانی دشمن تھیں۔ کئی جوان ان بارودی سرنگوں کی وجہ

سے شہید ہو چکے تھے اسلحہ بھی تقریباً ختم ہونے کو تھا۔ اس کے باوجود میجر شبیر شریف اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے ان کی قیادت میں بچے کھچے مجاہد بھی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ بہت سے ٹینک اور توپوں کو خاموش کرادیا گیا لیکن ٹڈی دل دشمن کو روکنا مشکل سے مشکل ہوتا جارہا تھا۔ سارا دن دشمن سے زور آزمائی میں گزر گیا۔ رات کو دشمن نے کئی حملے کیئے۔ لیکن میجر شبیر اور ان کے ساتھی ہر حملے کا منہ توڑ جواب دیتے رہے۔ اسی دوران دشمن کا کمپنی کمانڈر کسی نہ کسی طرح میجر شبیر کے مورچے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ میجر شبیر نے چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بروقت دبوچ لیا۔ اسے ہلاک کر کے اس سے انتہائی قیمتی دستاویزات بھی چھین لیں۔ جن میں بہت سے فوجی راز موجود تھے میجر شبیر کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی اسی رات بھارتی فوج نے آسام رجمنٹ اور جاٹ رجمنٹ کی دو بٹالین کے ساتھ پانچ مرتبہ حملہ کیا۔ لیکن ہر بار انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

پے در پے ناکامیوں کے بعد دشمن پر وحشت طاری ہو چکی تھی۔ اور اسے اپنے کھوئے علاقے واپس لینا ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ اگلی صبح 6 دسمبر کی سہ پہر بھارتی فوج نے ٹینکوں اور فضائیہ کے ساتھ ایک اور حملہ کر دیا۔ ٹینک اور توپیں دیوانہ وار گولہ باری کر رہی تھیں۔ لیکن پھر بھی دشمن ہمارے جوانوں کے حوصلے پست نہ کر سکا۔ ہمارے مٹھی بھر جوان بھارتی افواج کے دانت کھٹے کر رہے تھے۔ میجر شبیر اس وقت اتنے ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کو کئی راتوں کا جگراتا ہے۔ وہ نہایت جوش و خروش سے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے ایک نازک موقع پر جب ان کا توپچی شہید ہو گیا تو میجر شبیر کو یہ کام بھی خود سنبھالنا پڑا۔ وہ بڑی مستعدی سے دشمن پر گولہ باری کروا رہے تھے۔

یہ ان کا آخری معرکہ تھا۔ دشمن کے ٹینکوں کی طرف سے ایک گولہ شہادت کا پیغام لے کر آیا اور میجر شبیر شریف کے سینے میں کاری زخم لگا گیا۔ جس سے وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو گیا۔ جیسے ہی جوان ان کے قریب پہنچے تو وہ جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ یہ 6/ دسمبر 1971ء کا دن تھا۔ میجر شبیر کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"میرے جوانو! اس بند اور پل کو کسی قیمت پر نہ چھوڑنا۔ یا میرے پیچھے پیچھے آجانا دشمن کے ناپاک قدم اس پل پر نہ پڑیں۔ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے ڈٹے رہنا۔"

میجر شبیر شریف شہید نے پاک بھارت جنگ میں جرأت، بہادری، بلند حوصلگی۔ فرض سے بے لوث لگن، نظم و ضبط اور بہترین جنگی حکمت عملی کی درخشندہ اور قابل تقلید مثال قائم کی۔ شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کر کے سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشانِ حیدر" حاصل کیا۔ میجر شبیر شریف شہید مسلسل تین دن اور تین راتیں دشمن کے خلاف سینہ سپر رہے۔ شجاعت و مردانگی کے پیکر انتہائی جرأت عزم اور استقلال کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور ایک ناقابل تسخیر قلعہ ثابت ہوئے انہوں نے دشمن کے تمام عزائم اور منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ دشمن کو اپنی عددی برتری اور جدید ترین سامانِ جنگ پر بہت ناز تھا۔ میجر شبیر شریف شہید نے اس کے غرور اور تکبر کے تمام بت پاش پاش کر دیئے اور اپنا ناقابل یقین ٹارگٹ پورا کر لیا۔ جو انہیں سونپا گیا تھا۔

اس پر حکومت پاکستان نے آپ کو "نشانِ حیدر" کا اعزاز عطا کیا۔ جو پاک فوج کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔

سوار محمد حسین شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش	تاریخ شہادت
18/ جون 1949	10/ دسمبر 1971

سوار محمد حسین شہید کا تعلق "آرمڈ کور" سے تھا۔ وہ ٹینک اور ہلکی گاڑی کے ڈرائیور تھے۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں وہ ظفروال، شکر گڑھ ایریا میں ایک آرمرڈ رجمنٹ کے ساتھ فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس محاذ پر ایک تاریخ ساز جنگ ہو رہی تھی۔ جسے سر کرنے کیلئے دشمن نے اپنی تین ڈویژن فوج (جس میں آرمرڈ ڈویژن، ٹینک رجمنٹیں، توپ خانہ اور پیدل فوج شامل تھی) داؤ پر لگا دی تھی لیکن پاک فوج کی لانسرز رجمنٹ کے جانبازوں نے اس جنگ میں نہ صرف بہادری و شجاعت، ثابت قدمی اور استقلال سے دشمن کو روکے رکھا بلکہ اس پر پے در پے حملے کر کے اسے زبردست جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔

سوار محمد حسین شہید ایک عام ڈرائیور تھے۔ محاذِ جنگ پر لڑنا ان کے فرائض میں شامل نہیں تھا۔ ان کے ذمے تو اسلحہ اور دوسری متعلقہ اشیاء محاذِ جنگ تک پہنچانا تھا۔ 3/ دسمبر 1971ء کو بھارت نے مغربی پاکستان پر جب حملہ کیا تو سوار محمد حسین

اس وقت شکر گڑھ سیکٹر میں "باہر" نامی گاؤں میں تھے۔ رات کو وہ تمام مورچوں میں گئے اور اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دیتے ہوئے گولہ بارود پہنچاتے رہے۔ ان کی یہ نقل و حمل ایسی حالت میں تھی کہ جس وقت دشمن کی طرف سے زبردست فائرنگ جاری تھی اور دشمن کے ٹینک اور انفینٹری بھی گولہ باری میں مصروف تھی لیکن انہیں کسی قسم کا خوف وہراس نہ تھا وہ خوف وڈر سے بالکل ناآشنا تھے۔ ان کا جذبہ جہاد بے مثال تھا۔ اور ان کا ولولہ لاثانی تھا۔ وہ سنگین خطرات میں بھی لڑائی میں کود گئے۔ اپنے فرائض سے بڑھ کر اپنے لڑنے والے جانبازوں کو غیر معمولی امداد دیتے رہے۔ اور جنگ کے عملی میدان میں کود جانے کیلئے خود کو رضاکارانہ طور پر پیش کرتے رہے۔

5/دسمبر کو پاک فوج کی لانسرز رجمنٹ کا دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو اسی روز سوار محمد حسین نے خود کو دشمن سے نبرد آزما ہونے کیلئے پیش کر دیا۔ انہوں نے کمانڈنگ آفیسر طفیل محمد سے کہا کہ وہ اسلحہ کی سپلائی کے ساتھ ساتھ عملی جنگ میں بھی شریک ہونا چاہتا ہے۔ کمانڈنگ آفیسر نے سوار محمد حسین کے مجاہدانہ شوق اور جذبہ جہاد کی قدر کرتے ہوئے انہیں اجازت دے دی۔ اور اس مقصد کیلئے سوار محمد حسین کے حوالے ایک سٹین گن کر دی۔ انہوں نے اپنے لئے مورچہ کھودا اور دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو گئے کمانڈنگ آفیسر کی جانب سے 5/دسمبر کو انہیں حکم ملا کہ نالہ ڈیک کی جانب پیش قدمی کرنے والے دشمن کو روک دیا جائے۔ بظاہر یہ کام جنگی ضابطوں اور اصولوں کے مطابق انتہائی مشکل تھا۔ لیکن پاکستانی جوانوں نے نہ صرف دشمن کی پیش قدمی روک دی بلکہ دشمن کے بہت بڑے حملے کو بھی پسپا کر دیا۔ پاک فوج کے ان غیور جوانوں نے دشمن کو پانچ دن تک یہیں روک رکھا۔ مکار دشمن بار بار پیش قدمی کرنے کیلئے جدوجہد کرتا رہا۔ اور بھاری مقدار میں افرادی اور اسلحی امداد بھی اسے

پہنچتی رہی۔ لیکن اس کے باوجود دشمن ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا پاک فوج کے جوان سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ان کے سامنے کھڑے تھے۔

9/دسمبر کو ایک گشت کے دوران سوار محمد حسین نے موضع ہرڑ خورد میں خیرا نامی گاؤں کے سامنے دشمن کا پتہ چلایا اور نعرہ تکبیر لگا کر دشمن پر جھپٹ پڑے اور مورچے کھودتے ہوئے دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچایا۔

10/دسمبر کو سوار محمد حسین نے اپنی رجمنٹ میں پہنچ کر اپنے سیکنڈ ان کمانڈ میجر امان اللہ کو دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاع دی اور بتایا کہ موضع "ہرڑ خورد" کے سامنے اپنی مائن فیلڈ کے ساتھ دشمن حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ سیکنڈ ان کمانڈ میجر امان اللہ کی ہدایت پر سوار محمد حسین دن بھر مورچوں میں متعین جوانوں کو دشمن کے ٹھکانوں کی خبر دیتے رہے۔ اس طرح سوار محمد حسین صحیح نشانے پر بمباری کا باعث بنے۔ صرف ایک دن میں انہوں نے اپنی اطلاعات کی بدولت دشمن کے 16 ٹینک تباہ کروائے۔ یہ کارنامہ جن حالات میں رونما ہوا۔ اس وقت اس سیکٹر پر دشمن کی بڑھتی ہوئی طاقت تشویشناک صورتحال پیدا کر سکتی تھی۔ اگر بروقت ان بھارتی ٹینکوں توپوں اور انفنٹری یونٹوں پر حملہ نہ کیا جاتا تو دشمن کی پیش قدمی روکنا شاید ممکن نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ سوار محمد حسین کی بدولت ہی ہوا جو دشمن کی گولہ باری کے باوجود آزادانہ نقل و حرکت کرتے رہے۔ اور اس پر کڑی نظر رکھتے رہے۔

اس روز "جگجل کے ٹیلے" پر ہمارے جو جوان قابض تھے ان پر دشمن زبردست گولہ باری کر رہا تھا بلکہ دشمن کے دباؤ میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

کمانڈنگ آفیسر کرنل طفیل محمد کے مطابق جگجل، ہرڑ خورد اور ہرڑ گاؤں کے سامنے اڑھائی ہزار گز کے علاقے میں ہمارے صرف تین سکواڈرن تھے جس میں

درمیان والے سکوارڈن سے سوار محمد حسین وابستہ تھے۔ ان تینوں سکوارڈنوں نے دو دن میں دشمن کو اس قدر بے بس کر دیا کہ اس کا بڑے سے بڑا حملہ بھی بری طرح ناکام ہو گیا۔ فوجی نقطہ نظر سے اور کمانڈروں کی ہدایت کے مطابق ہمیں دوسری تاخیری پوزیشن "نالہ چو" اور اس سے ملحقہ دو نالوں پر اختیار کرنا تھی چونکہ اس علاقے میں بارودی سرنگیں نہیں بچھی تھیں۔ اس لئے دشمن جلد سے جلد اس علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ چار روز تک اس علاقے میں معرکہ آرائی جاری رہی۔ دشمن اپنے جدید ترین ٹینکوں کی مدد سے ان رکاوٹوں کو تہس نہس کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن ہمارے مجاہدوں نے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ ٹینکوں کو ناکام دیکھ کر دشمن نے اپنی پیدل فوج کو آگے بڑھایا۔ اور وہ موضع ہرڑ خورد تک آگئی۔ "نالہ چو" میں پانی ہونے کی وجہ سے دشمن اور اس کے ٹینکوں کو ہمارے ٹروپس دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور نہ ہی دشمن کی نقل و حرکت اور پوزیشن کا صحیح اندازہ لگا سکتے تھے۔ اس موقع پر سوار محمد حسین نے بے مثال جرأت، شجاعت، دلیری اور مردانگی کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنے مورچے سے نکلے اور بلا خوف و خطر دشمن کے اگلے مورچوں تک چلے گئے۔ انہوں نے دشمن کی پوزیشنیں معلوم کیں اور واپس آکر اپنی رجمنٹ کی ٹینک ٹروپس کو بائیں سے دائیں طرف لے آئے۔ دشمن ہرڑ گاؤں میں اس وقت زبردست حملے کیلئے جمع ہو رہا تھا۔ کہ سوار محمد حسین نے اپنی ٹینک ٹروپس اور توپ خانہ کی رہنمائی کرتے ہوئے دشمن پر بھرپور حملہ کرا دیا۔ یہ حملہ اس قدر زبردست، غیر متوقع اور اچانک تھا۔ کہ دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور سوار محمد حسین کی صحیح نشاندہی اور بروقت رہنمائی کی بدولت دشمن کے جدید ترین ٹی۔55 روسی ٹینک مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ اسی اثناء میں ہمارے توپ خانے نے بھی زبردست گولہ باری شروع کر دی اور دشمن کی انفنٹری کو راکھ کا

ڈھیر بنا دیا اس دوران سوار محمد حسین بار بار کھڑے ہو کر فلک شگاف آواز میں نعرہ تکبیر۔ نعرہ رسالت اور نعرہ حیدری بلند کرتے رہے۔ ایسے نازک موقع پر ان کے نعروں کا خاطر خواہ اثر ہوتا اور ہمارے جوانوں کے حوصلے مزید بلند ہو جاتے۔ وہ شوق شہادت سے سرشار دشمن کو نیست و نابود کرنے کیلئے بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ آور ہوتے۔ جس سے دشمن کے حوصلے پست ہو جاتے۔ لڑائی زوروں پر تھی سوار محمد حسین کی شہادت کا وقت آن پہنچا تھا وہ اپنی ٹینک شکن توپ کے گنر کو دشمن کا ٹھکانا بتا رہے تھے کہ دشمن کے ایک ٹینک سے مشین گن کے فائر کی گولیاں آپ کے سینے میں پیوست ہو گئیں جس سے آپ موقع پر ہی جام شہادت نوش کر گئے۔ شام تک دشمن کا حملہ ناکام ہو چکا تھا۔ جس مقصد کیلئے آپ نے جان دی تھی وہ پورا ہو چکا تھا۔

اس بہادری اور دلیری کے اعتراف میں سوار محمد حسین شہید کو بعد از شہادت "نشان حیدر" عطا کیا گیا۔

میجر محمد اکرم شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش	تاریخ شہادت
4/ اپریل 1938	13/ دسمبر 1971

پاک بھارت جنگ کے دوران 13/ دسمبر 1971ء کا دن اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل تھا کہ اس روز پاکستانی قوم کے ایک اور عظیم سپوت میجر محمد اکرم نے مشرقی پاکستان کے دفاع کی جنگ لڑتے ہوئے بے مثال جرأت شجاعت' فرض شناسی اور بے مثال قیادت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

میجر محمد اکرم کا تعلق فرنٹیئر فورس سے تھا۔ جو سو سال سے زیادہ طویل جنگی روایات کی امین ہے۔

میجر محمد اکرم کو مشرقی پاکستان کے دیناج پور سیکٹر کے "ھلی" محاذ کے دفاع کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ یہ محاذ اس لئے اہمیت کا حامل تھا کہ خدانخواستہ دشمن اگر اس مقام سے ریل کا رابطہ توڑ کر پیش قدمی کرتا تو مشرقی پاکستان کے پورے شمالی علاقے میں پاکستان فوج کی کمک اور سپلائی معطل ہو سکتی تھی۔ اس لئے بھارت کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ وہ اہم ترین ریلوے رابطے پر قبضہ کرلے۔ ھلی محاذ کی صورتِ حال بہت عجیب و غریب تھی۔ ھلی ریلوے اسٹیشن کے سامنے والے علاقے کے دفاع کا انتظام 4 فرنٹیئر فورس کے ہاتھ میں تھا جبکہ شمال میں فرنٹیئر فورس کی جانباز پلٹن جو 26 ایف ایف کے نام سے مشہور تھی دیناج پور اور پاربتی پور کے علاقے میں وطن کا دفاع کر رہی تھی۔ اس طرح جنوب میں ایف ایف کی ایک مشہور پلٹن جو 13 ایف ایف کے نام سے موسوم تھی' جمال گنج' نتھار' پتنی ٹولہ اور نوگاؤں کے علاقوں میں دفاعِ وطن کے تقاضے پورے کر رہی تھی۔ چنانچہ راجشاہی ڈویژن کے اس طویل و عریض علاقے میں یہ تینوں پلٹنیں مشرقی پاکستان کی مغربی سرحدوں کا دفاع سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کر رہی تھیں۔ ھلی کے جس محاذ پر میجر محمد اکرم اپنی کمپنی سمیت تعینات تھے یہ ایک سرحدی چوکی تھی اور دشمن وہاں سے صرف پچیس تیس گز کے فاصلے پر تھا۔ یہاں قبضے کی خاطر دشمن بار بار حملہ آور ہوتا۔ اور پاک فوج کے جوانوں کے فولادی عزم سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتا۔ ہمارے جانباز اور بہادر فوجی' دشمن کو زبردست نقصان پہنچا رہے تھے۔ دشمن ہر بار تازہ دم فورس کے ساتھ حملے کرتا۔ لیکن ہر بار اسے منہ کی کھانی پڑتی۔ کیونکہ بالخصوص میجر محمد اکرم کی کمپنی کی دفاعی پوزیشن ایک ناقابل تسخیر قلعے کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ دشمن نے ھلی کی پوزیشن پر بھرپور اور لگاتار حملے کئے یہ حملے بکتر بند گاڑیوں اور انفنٹری کی مدد سے کئے گئے لیکن ہر مرتبہ 4 ایف ایف کے جانثاروں اور جانبازوں نے میجر محمد اکرم کی دانشمندانہ قیادت میں اہم پوزیشنوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ اور دشمن کے حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ آخر کار ایک ایسا وقت بھی آیا کہ پورے علاقے میں بکتر بند گاڑیاں پوری طرح چھا گئیں۔ جبکہ ہمارے پاس جو چند بکتر بند گاڑیاں موجود تھیں وہ اس قابل نہ تھیں کہ وہ اپنی پیدل فوج کا بھرپور اور مؤثر ہاتھ بٹاتیں۔

13 دسمبر کے روز دشمن ایک پوری پلٹن اور سکوارڈن ٹینکوں کی مدد سے میجر محمد اکرم کی کمپنی پر حملہ آور ہوا۔ یہ کمپنی پچھلے چھ ماہ سے محاذ جنگ پر دشمن کے خلاف سینہ سپر تھی۔ اور گزشتہ پندرہ روز سے دشمن کے مسلسل تابڑ توڑ حملے برداشت کر رہی تھی۔ بلکہ بہت سے جوان ٹڈی دل دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ لحہ بہ لحہ صورتِ حال ہاتھ سے نکلتی جارہی تھی۔ ان حالات میں کمپنی کمانڈر میجر محمد اکرم نے بے پناہ جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ نہایت خاموشی سے دشمن کو قریب آنے دیا جائے۔ چند ٹینک شکن ہتھیاروں کے ساتھ دشمن کے ٹڈی دل لشکر کو دور سے روکنے کی کوشش کی جاتی تو دشمن کی بکتر بند گاڑیاں میجر محمد اکرم کی کمپنی پوزیشنوں کو فائر کر کے تہس نہس کر دیتیں۔ چنانچہ حکمت عملی کے تحت دشمن کو قریب آنے دیا گیا۔ دشمن طاقت کے نشے سے سرشار مست ہاتھی کی طرح آگ برساتا ہوا آگے بڑھتا آرہا تھا۔ ہمارے جانباز سپاہی دشمن کو دھوکہ دینے کیلئے چپ چاپ مورچوں میں بیٹھے ہوئے تھے مخالف سمت سے جوابی فائر نہ پاکر بھارتی سمجھے کہ پاکستانی مجاہد یا تو دفاعی حکمت عملی کے تحت پیچھے ہٹ گئے ہیں یا سب شہید ہو گئے ہیں۔ کامیابی اور کامرانی کے ملے جلے جذبات سے جیسے ہی دشمن اپنی فاتحانہ شان سے میجر محمد اکرم کی کمپنی کے نزدیک آیا تو پاک فوج کے جوان اپنے مورچوں سے باہر نکل آئے انہوں نے چھوٹے اور معمولی ہتھیاروں کی مدد سے دشمن پر زبردست حملہ کر دیا۔ دستی بموں، سنگینوں اور رائفلوں سے پاک فوج کے مٹھی بھر جوانوں نے دشمن کی انفنٹری بٹالین کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ بھارتی تعداد اور جدید ترین اسلحے کے باوجود بھارتی فوج سنبھل نہ سکی۔ اور دست بدست لڑائی میں ہمارے جوانوں نے پوری بٹالین کو جہنم واصل کر دیا۔ جبکہ

ٹینکوں کے پورے سکوارڈن کو راکٹ لانچروں سے راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ اس وحشت اور شرمناک شکست کے بعد دشمن بے شمار لاشیں اور تباہ حال بکتر بند گاڑیاں چھوڑ کر واپس بھاگ گیا۔ اس تاریخی لڑائی میں کمپنی کمانڈر میجر محمد اکرم سمیت چند اور جوان بھی شہید ہو گئے اس طرح میجر محمد اکرم کی قیادت میں ہمارے نڈر، دلیر اور بہادر جوانوں نے دفاع پاکستان کی جنگ لڑی۔ جبکہ ان کے مدمقابل بھارتی فوج کو ایک بریگیڈ فوج، ٹینکوں کے ایک سکوارڈن اور فضائیہ کی بھرپور مدد بھی حاصل تھی۔ اس کے باوجود ہمارے مٹھی بھر جوانوں نے جرأت اور بہادری کی انمٹ اور قابل تقلید مثال قائم کی۔

میجر محمد اکرم نے نہ صرف اپنی کمپنی کی کمان کر کے شاندار اور بے مثال صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا بلکہ دشمن کی زبردست یلغار اور شدید مشکلات سے دوچار ہونے کے باوجود انہوں نے بہتر حکمت عملی اختیار کی۔ وہ جب تک زندہ رہے دشمن پاک سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکا۔ میجر محمد اکرم نے پاکستان کے دفاع اور علاقائی سالمیت کیلئے عظیم قربانی دے کر شجاعت بہادری اور فرض شناسی، بہترین منصوبہ بندی اور بے مثال قیادت کا مظاہرہ کیا۔ جس کے صلے میں آپ کو حکومت پاکستان کی جانب سے فوج کا سب سے بڑا اعزاز "نشانِ حیدر" دیا گیا۔ لیکن وہ تاحال مشرقی پاکستان کی سرزمین پر دفن ہیں جو اب بنگلہ دیش کا روپ دھار چکی ہے۔ ہر دل کی یہ تمنا ہے کہ میجر محمد اکرم شہید (نشانِ حیدر) کے جسد خاکی کو ان کے آبائی گاؤں لا کر عزت و احترام سے دفن کیا جائے۔

لانس نائیک محمد محفوظ شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش
اکتوبر 1944

تاریخ شہادت
18/دسمبر 1971

معرکہ شہادت

مغربی محاذ پر 17/دسمبر 1971ء کو شام ساڑھے سات بجے جنگ بندی پر عمل ہونا تھا۔ مگر دشمن اپنی روایتی مکاری اور فریب کا سہارا لے کر زیادہ سے زیادہ علاقہ ہتھیانے کے چکر میں تھا۔ اس لئے دن کے دو بجے سے ہی اس نے پاکستانی علاقوں میں موجود پاکستانی فوجی دستوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ شام ساڑھے پانچ بجے سے تھٹی کوڈا اور پل کنجری گاؤں تک گولہ باری کا دائرہ بڑھا دیا۔ پونے چھ بجے یونٹ کمانڈر کو اطلاع ملی کہ دشمن نے بستی کے شمال مشرق میں سموک سکرین بنالیا ہے اور جنوب مشرق کی جانب 500 گز کے فاصلے پر واقع بند سے دشمن نے بستی میں موجود پاکستانی دستے کو جنگ میں مصروف کر لیا ہے۔ لحہ بہ لحہ گولہ باری میں شدت آتی جارہی تھی۔ وقتی طور پر پاکستانی جوان دفاعی مورچوں میں چلے گئے۔ ساڑھے چھ بجے دشمن شمال

مشرق کی جانب سے پل راجباہ کے راستے بستی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ پاکستانی دستوں میں باہمی رابطہ ٹوٹنے کے باوجود جنگ جاری تھی۔ رات 9 بجے دشمن بستی پل کنجری پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بستی پل کنجری کو بھارتی قبضے سے آزاد کروانا پاک فوج کے جوانوں کیلئے ایک چیلنج بن چکا تھا۔ چونکہ اس علاقے کے دفاع کی ذمہ داری 43 پنجاب کے سپرد تھی اس لئے بٹالین کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل محمد اقبال سے کہا گیا کہ۔ صرف بستی پل کنجری پر دوبارہ قبضے کیلئے جستجو کریں اس مقصد کے حصول کیلئے ایک ٹاسک فورس تشکیل دی گئی۔ اس ٹاسک فورس میں 43 پنجاب کی بریوB کمپنی' 15 پنجاب کی الفا اور ڈیلٹا کمپنیاں شامل تھیں۔ 15 پنجاب کے ایک سینئر اور آزمودہ کار افسر میجر نعمت اللہ کو ٹاسک فورس کا کمانڈر مقرر کیا گیا اس ٹاسک فورس نے مجوزہ منصوبے کے مطابق لیفٹیننٹ کرنل محمد اقبال کی کمان میں جوابی حملہ کرنا تھا۔ جبکہ 15 پنجاب کی الفا کمپنی کی قیادت کیپٹن فضل معید کے ہاتھ میں تھی جو 15 ایسٹ بنگال رجمنٹ سے کچھ ہی عرصہ پہلے یہاں آئے تھے۔ ان کو مجوزہ منصوبے کے بارے میں زیادہ علم نہ تھا۔ صرف دو گھنٹے کے نوٹس پر انہیں حملے کیلئے تیار ہونا پڑا۔

پروگرام کے مطابق ساڑھے چار بجے دشمن کے خلاف کارروائی کا آغاز ہونا تھا۔ فارورڈ کمان پر پہنچ کر میجر نعمت اللہ نے ڈیلٹا کمپنی کو حملے کیلئے چنا اور الفا کمپنی کو ریزرو کے طور پر رکھا۔ ڈیلٹا کمپنی کو یہ فریضہ سونپا گیا تھا کہ وہ نالے کے ساتھ ساتھ ایڈوانس کرے گی اور گاؤں کے شمال مغرب میں واقع خشک تالاب کے پاس ترتیب گاہ کے علاقے میں جمع ہو کر شمال مغربی سمت سے حملہ آور ہو گی مشکل یہ تھی کہ 15 پنجاب کی دونوں کمپنیوں کیلئے یہ علاقہ اجنبی تھا اس لئے 43 پنجاب نے ان کو ایک ایک گائیڈ دے دیا۔

بہر کیف 43 پنجاب کی دونوں پلاٹونوں نے شمال اور جنوب کی جانب سے بستی پل کنجری کو گھیرے میں لے کر ٹھیک ساڑھے چار بجے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ تاکہ دشمن کے ردّعمل سے اس کی تعداد' اسلحے کی نوعیت اور بستی میں موجودگی معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی توجہ مجوزہ منصوبے سے ہٹادی جائے۔ مگر دشمن اپنی مکاری سے دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ بستی سے پاکستان فائرنگ کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ البتہ 500 گز شمال مشرق کی جانب سے اس نے توپخانے اور خودکار ہتھیاروں سے فائر شروع کر دیا۔ اس سے اس خیال کو تقویت ملی کہ اوّل تو بستی میں دشمن نہیں ہے اگر ہے بھی تو وہ مقابلے کی سکت نہیں رکھتا۔ چونکہ صبح ہونے کو تھی اس لئے حکمت عملی کے مطابق 43 پنجاب کی بریو کمپنی کی دونوں پلاٹون پیچھے ہٹ گئیں۔ جبکہ الفا کمپنی اپنی صف بندی میں مصروف تھی۔ یہ مقام پل کنجری گاؤں کے بالکل متوازی تھا۔

لانس نائیک محمد محفوظ نے اپنی مشین گن اور ہینڈ گرنیڈ چیک کئے پھر سپاہی ثناء اللہ کی رائفل اور اس پر لگی ہوئی سنگین چیک کی۔ اسے شانوں پر تھپکی دیتے ہوئے لانس نائیک محفوظ نے کہا کہ ثناء اللہ گھبراؤ نہیں! ہمارا دشمن بزدل ہے حملے سے پہلے ہی بھاگ جائے گا۔ اگر اس نے ٹھہرنے کی جسارت کی تو ہم اس کو عبرتناک شکست دیں گے۔

صبح کے پونے چھ بجنے والے تھے۔ حملے کا وقت ہو رہا تھا۔ جوان اپنے ٹارگٹ پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ کمپنی کمانڈر نے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا اور حملے کا حکم دے دیا۔ طلوع آفتاب کے آثار نظر آرہے تھے۔ ان کی نگاہیں سامنے' ہتھیاروں کا رخ دشمن کی طرف اور انگلیاں ٹریگر پر تھیں۔

چند لمحوں کے بعد جب الفا کمپنی کے جانبازوں نے اسالٹ لائن کو عبور کیا تو نعرے تکبیر کی روح پرور گونج نے فضا کا سکوت تار تار کر دیا۔ جس سے دشمن پر کپکپی طاری ہو چکی تھی۔ یہ حملہ غیر متوقع نہ تھا۔ دشمن اس جوابی کارروائی کی توقع کر رہا تھا۔ پاکستان توپ خانے نے بستی پل کنجری پر گولہ باری شروع کر دی۔ دشمن کا او پی پاکستانی جوانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ گاؤں سے 70 گز کے قریب دور ایک خشک نالہ تھا یہ نالہ آگے بڑھتے ہوئے قدموں کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھا ریکی نہ ہونے کے سبب کسی کو بھی اس نالے کی گہرائی اور چوڑائی کا علم نہ تھا۔ آٹھ فٹ کشادہ اور 6 فٹ گہرے نالے کے کناروں پر بے شمار جھاڑیاں اور سرکنڈے تھے جس سے نالہ واضح دکھائی نہیں دے رہا تھا اس لئے پیش قدمی کرتے ہوئے جوان اچانک نالے میں گرنے لگے۔ جوانوں کے پاس مشین گن' رائفلیں' وائرلیس سیٹ اور ایمونیشن کا بوجھ بھی تھا۔ ہتھیاروں سمیت نالے کے عمودی کناروں سے چڑھنا اکیلے جوان کیلئے مشکل تھا۔ چنانچہ جوان ایک دوسرے کو اٹھا اٹھا کر نالہ عبور کرانے لگے۔ اس نالے نے جہاں دشمن کیلئے دفاعی لائن کا کام دیا وہاں حملہ آور کمپنی کیلئے بڑی مشکلات پیدا کیں۔ وقت اور فاصلوں کا تناسب برقرار نہ رہا۔ حملے کی تندی اور تیزی جاتی رہی۔

دن کا اجالا ہر طرف پھیل چکا تھا۔ دشمن نے مشین گنوں اور خودکار ہتھیاروں کا ایسا کراس فائر کھولا کہ زمین کا کوئی حصہ اس سے محفوظ نہ رہا۔ گولیاں بارش کی بوچھاڑ کی طرح برسنے لگیں۔

دشمن کے کراس فائر سے بہت نقصان ہو رہا تھا۔ مگر کمپنی کے جوانوں کا حوصلہ بلند تھا وہ منزل تک پہنچنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ دشمن کے پاس وکرس نامی مشین گن تھی جو زیادہ جانی نقصان کا باعث بن رہی تھی۔ اس کے باوجود حوصلہ مند

جوانوں نے کمال درجے کے نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ اعلیٰ ترین رفاقت کا ایسا روح پرور نظارہ شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہو جو الفا کمپنی کے جوانوں میں اس وقت نظر آ رہا تھا۔ اسی ضبط کی پابندی نے انہیں بکھرنے سے بچائے رکھا۔

الفا کمپنی اگرچہ قدرے سنبھل چکی تھی مگر حملے کا رخ شمال مغربی سمت کی بجائے دائیں جانب بڑھ گیا تھا۔ جس سے مشکلات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس جانب نہ تو کوئی آڑ موجود تھی اور نہ ہی بستی میں داخل ہونے کے راستے نمایاں تھے انتہائی بائیں جانب سے بستی میں داخل ہونے کی گنجائش تھی مگر دشمن کا کارگر فائر بھاری جانی خراج وصول کر رہا تھا۔ کچھ جوان تو پہلے ہی حملے میں شہید ہو چکے تھے۔ کچھ زخموں سے چور تھے۔ مگر اللہ کے ان شیروں نے ہمت نہ ہاری۔ اب وہ گاؤں سے 70 گز کے فاصلے پر تھے۔ مکانوں کی چھتوں' کھڑکیوں اور کنکریٹ کے مورچوں سے برابر فائر آ رہا تھا۔ بستی کے شمال مغربی اور جنوب مغربی حصوں میں سرکنڈے کھڑے تھے فائر کے باعث جن میں آگ لگ چکی تھی۔ اب نہ صرف پاک فوج کے ان غیور جوانوں کو دشمن کی فائرنگ کا سامنا تھا بلکہ تیزی سے پھیلتی ہوئی آگ سے بچنا بھی ان کیلئے ایک مسئلہ بن چکا تھا۔

افراتفری کے عالم میں دل دوز آہیں اٹھتی ہیں۔ چیخ و پکار سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس سے بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ ایک بار پاؤں اکھڑ جائیں تو دشمن پھر سنبھلنے کا موقع نہیں دیتا۔ مگر آفرین! ان غازیوں پر جنہوں نے نہ دل چھوڑا' نہ ہمت ہاری' نہ موت سے ڈر کر پیٹھ دکھائی۔ بے شک جنگ کی ہولناکیوں میں اس قدر پامردی کا مظاہرہ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جن کی آنکھوں کے سامنے جنت کا منظر سرگرداں ہو اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی اور

جنت کے بدلے اپنی جانوں کا سودا کر لیا ہو۔ بے شک ایسے ہی مسلمان مجاہدین کیلئے قرآن مجید میں خوشخبری ہے کہ'

"خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور اس کے عوض ان کیلئے جنت تیار کی ہے۔ یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں دشمن کو مارتے اور خود بھی مرتے ہیں۔ تورات' انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ درج ہے۔ خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ سو جو سودا تم نے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی تمہاری بڑی کامیابی ہے۔" (القرآن)

کمپنی کمانڈر کیپٹن فضل معید اور کمپنی سنیئر جے سی او صوبیدار محمد اکرم دونوں اپنے جوانوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ کمپنی کمانڈر نے دن کی روشنی میں دیکھ لیا کہ دشمن نیم دائرے کی شکل میں دفاع کئے ہوئے ہے۔ اس کا فائر کارگر ہے۔ مگر انہوں نے پیچھے ہٹنا مناسب نہ سمجھا کمپنی کمانڈر نے ایسے جوانوں کو ولولہ تازہ عطا کیا۔ اور انہیں کہا کہ شاباش شیرو! رکو مت آگے بڑھو اور بزدل دشمن کے پرخچے اڑا دو۔ اگر اسلحہ ختم بھی ہو جائے تو دشمن کو سنگینوں کی نوک پر رکھ دو۔ اسی اثنا میں کمپنی کمانڈر نے دیکھا کہ انتہائی بائیں جانب تین جوان رینگ رینگ کر آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان میں لانس نائیک محمد محفوظ سب سے آگے ہیں۔ وہ بپھرے ہوئے شیر کی مانند جلد سے جلد اپنے شکار تک پہنچ کر اسے نوچ لینا چاہتے تھے۔ لانس نائیک محفوظ نہ صرف بہترین کمانڈو تھے بلکہ باکسنگ کے میدان میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ دشمن کیلئے گاؤں کا ہر گھر' مکان مضبوط حصار اور مورچے کا کام دے رہا تھا۔ جبکہ دوسری جانب حملہ آور الفا کمپنی توپ خانے کے فائر سے بھی محروم ہو چکی تھی۔ اس کے ریزرو دستے بھی استعمال میں نہ لائے گئے

تھے۔ اس کے پاس مارٹر توپیں اور ریکائلس رائفلیں بھی نہ تھیں۔ آرٹلری فائر کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ مگر آرٹلری فائر نہ ملنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس طرح فائر بندی دوسرے محاذوں پر بھی ٹوٹنے کا خدشہ تھا۔ اس لئے اس جنگی معرکے کو ایک مقامی جھڑپ کے طور پر ہی لیا گیا۔

اسی اثنا میں کیپٹن فضل معید نے اپنی کمپنی کا جائزہ لیا تو انہیں کئی جوان لہو میں نہائے دکھائی دیئے۔ بیشتر ہتھیار بھی بے کار ہو چکے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر انہیں شبہ ہوا کہ حوالدار محمد شریف کی پلاٹون ساری کی ساری ختم ہو گئی ہے۔ یہ پلاٹون وسط میں ہونے کی وجہ سے کراس فائر کی براہ راست زد میں تھی۔ کمپنی کمانڈر نے سگنیلر لانس نائیک محمد بنارس کو اس پلاٹون سے رابطہ کرنے کو کہا گیا مگر بنارس کا سیٹ ناکارہ ہو چکا تھا۔ وہ خود بھی شدید زخمی تھا۔ مگر وہ ہمت ہارنے کی بجائے ایک شہید ساتھی کی رائفل اٹھا کر دشمن پر فائر کر رہا تھا۔ بنارس کو کہا گیا کہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ جائے۔ وہ زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے پانی کے کھڈ میں گر گیا۔ سپاہی شیر محمد جو خود بھی زخمی تھے نے بنارس کو کھڈ سے باہر نکالا۔ کمپنی کا پلاٹونوں اور ہیڈ کوارٹر سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا اب یہ کمی بلند آواز میں ہدایات دے کر پوری کی جارہی تھی۔

بہر کیف باقی جوانوں کے ساتھ ساتھ لانس نائیک محمد محفوظ کا جذبہ قابل دید تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ عرصے سے کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ جو اب خوش قسمتی سے ان کے ہاتھ آگیا تھا۔ وہ اسے کسی قیمت گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی ان کے کارنامے کچھ کم نہ تھے۔ مگر قدرت نے انہیں اس سے بڑا کارنامہ سرانجام دینے کیلئے زندہ رکھا۔ 18 دسمبر 1971ء کا دن لانس نائیک محمد محفوظ کیلئے بڑا معرکہ آرا تھا۔

وہ تیزی سے دشمن کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا۔ دشمن کو محمد محفوظ کی پیش قدمی ایک آنکھ نہ بھائی۔ دشمن تاک تاک کر ان پر فائر گرانے لگا۔ گن کا ایک شیل ان کے قریب آکر پھٹا پھر ایک شیل ان کی ٹانگوں پر لگا۔ جس سے ان کی ٹانگیں زخمی ہو گئیں ان کی مشین گن بھی ناکارہ ہو چکی تھی۔ مگر لانس نائیک محفوظ نے حوصلہ نہ ہارا۔ 20 گز کے فاصلے پر ایک شہید ساتھی کی گن تک اس نے رسائی حاصل کی پھر اسے لے کر شدید زخمی حالت میں آگے بڑھنے لگے۔ کمپنی کمانڈر کی نظر جب بائیں جانب والی پلاٹون پر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ بستی کے اندر سے دشمن کی نفری اس پلاٹون کو گھیرے میں لینے کیلئے آگے بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے لانس نائیک محمد محفوظ کی توجہ اس طرف دلائی اور گھیرے کو ناکام بنانے کی تلقین کی۔ لانس نائیک محفوظ تیزی سے مڑے اور مشین گنر نمبر 1 ہونے کا حق بھی ادا کیا۔ صوبیدار اکرم اور کمانڈر کیپٹن فضل معید نے بار بار آڑ لے کر آگے بڑھنے کو کہا مگر وہ طوفان کے آگے جھک کر اور آڑ کے پیچھے چھپ کر جینے کے قائل ہی نہ تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر سے مخاطب ہو کر کہا کہ جو رات قبر میں آنی ہے وہ باہر نہیں آسکتی اس لئے دشمن سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اس کو نیست و نابود کرنے کیلئے آگے بڑھنا چاہئے۔ اسی اثنا میں ایک بھارتی سکھ فوجی کی آواز فضا میں گونجی کہ ہتھیار ڈال دو۔ کیونکہ تم ہمارے نرغے میں آچکے ہو۔ الفا کمپنی کے بچے کھچے حوصلہ مند جوانوں نے بھارتی سکھ کی للکار کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ کمپنی کمانڈر سمیت کوئی بھی سپاہی پسپائی کیلئے تیار نہیں تھا۔ ہیڈ کوارٹر سے رابطہ ٹوٹے بھی کافی وقت گزر چکا تھا۔ جبکہ ایمونیشن بھی ختم ہو رہا تھا۔ کمک ملنے کی بظاہر کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ دشمن کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ عام دستور کے مطابق ایسے موقعوں پر ہتھیار پھینک کر انسانی جانیں بچالی جاتی ہیں۔ اسی اثنا میں سکھ فوجی نے گالی

دے کر کہا کہ ہتھیار پھینک دو۔ کیپٹن فضل معید نے سکھ فوجی سے مخاطب ہو کر کہا سپاہی گالی نہیں دیا کرتے بلکہ مردوں کی طرح لڑتے ہیں۔ ہم گالی دینے اور سننے نہیں آئے بلکہ تم سے لڑنے آئے ہیں۔ ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے ہمت ہے تو باہر آؤ اور لڑ کر ہمیں ختم کر دو۔ جب اس طرح بات بنتی نظر نہ آئی تو دشمن نے نیا حربہ آزمایا گزشتہ رات بستی پر قبضے کے دوران ایک پاکستانی افسر مظہر عباس رضوی اور اس کے سیکشن کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ انہیں مکان کی چھت پر کھڑا کر دیا گیا اور ان کی ٹانگوں کے درمیان سے پاک فوج کے جوانوں پر فائر کیا جانے لگا۔ یہ دیکھ کر کیپٹن معید نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اپنے آدمیوں پر فائر نہ کریں۔ بلکہ دشمنوں کے مورچوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔

کمپنی کمانڈر نے اپنی کمپنی کے جوانوں کو ہدایت کی کہ آخری گولی تک دشمن پر فائر جاری رکھا جائے۔ کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالے جائیں شدید زخمی ہونے کی صورت میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے کی کوشش کی جائے اور زخمیوں کو پیچھے لے جانے میں مدد کی جائے کمپنی کمانڈر کا ایک ایک لفظ اطاعت گزار اور وفا شعار جانثاروں کے خون کو گرما رہا تھا۔ لانس نائیک محمد محفوظ کا جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ وہ سخت سردی میں بھی بار بار اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ جوش اور ہوش میں توازن برقرار رکھنا نہایت مشکل کام تھا۔ وہ دشمن پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔

توپ خانے کے بغیر انفنٹری کا ایڈوانس کرنا خاصا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ آج یہی مشکل الفا کمپنی کو درپیش تھی۔

لیفٹ فارورڈ پلاٹون کے ذرا بائیں اور سامنے کی جانب سے کنکریٹ کے مورچوں سے دشمن کی مشین گن کا فائر آ رہا تھا۔ جو سب سے زیادہ نقصان کا باعث بن رہا

تھا۔ لانس نائیک محمد محفوظ اسی بنکر کو اپنی نظر میں رکھے ہوئے نہ صرف فائر کر رہے تھے بلکہ زمین پر رینگتے ہوئے اس جانب بڑھ رہے تھے۔ کمپنی کمانڈر بھی محفوظ کی جرأت اور بہادری کو ستائش کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

چونکہ لانس نائیک کی ٹانگیں شدید زخمی ہو چکی تھیں اس لئے اسے آگے بڑھنے میں دشواری آ رہی تھی۔

نائیک باز خان خود بھی زخمی تھے مگر اپنی مشین گن کا بھرپور استعمال کر رہے تھے اور چن چن کر دشمن کو نشانہ بنا رہے تھے۔ انہوں نے محمد محفوظ کے جوش و خروش کا اندازہ کر لیا تھا کہ وہ دشمن کے مورچے میں پہنچ کر ہی دم لیں گے۔

کچھ ہی دیر بعد لانس نائیک محمد محفوظ گھسٹتے ہوئے دشمن کے مورچے کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ دشمن نے دھوئیں کے گولے بھی فائر کرنا شروع کر دیئے جس کی وجہ سے ہر طرف گرد و غبار اور دھواں پھیلا ہوا تھا۔ دشمن کی فائرنگ میں کچھ کمی ہی آئی تھی کہ محمد محفوظ نے اپنی گن اٹھائی اور کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی اثنا میں توپ کا ایک گولہ ان کے قریب آ کر گرا اور زبردست دھماکے سے پھٹ گیا۔ مشین گن محفوظ کے ہاتھ سے گر گئی۔ مگر عین اسی وقت دشمن کی گولیوں کی ایک بوچھاڑ ان کے سینے کو چھلنی کر گئی۔ وہ اسی حالت میں دشمن کے مورچے میں کود گئے انہوں نے پہلی ہی جست میں اس گنر کا گلا دبوچ لیا جو پاک فوج کے جوانوں پر اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا۔ لانس نائیک محفوظ نے اس گنر کی گردن اتنی مضبوطی سے پکڑی کہ پھر اسے زندگی کی مہلت نہ ملی۔ یہ دیکھ کر قریب ہی موجود بھارتی سپاہیوں نے اپنی سنگینیں لانس نائیک محمد محفوظ کے سینے میں پیوست کر دیں۔ اسی کیفیت میں لانس نائیک محفوظ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ کہ ٹانگیں شیل لگنے سے زخمی تھیں سینہ

گولیوں سے چھلنی اور کلیجہ سنگینوں سے چاک تھا۔

لانس نائیک محمد محفوظ کی شہادت کی دیرینہ آرزو پوری ہو چکی تھی۔ ان کے چہرے پر موجود مسکراہٹ اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والے مرتے نہیں بلکہ زندہ و تابندہ ہوتے ہیں۔

18/دسمبر 1971ء کی شام فلیگ میٹنگ کے دوران بھارتی کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل سریش پوری نے لانس نائیک محمد محفوظ کی لاش کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس نوجوان نے جس بہادری کا مظاہرہ کیا ہے اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس نے زخموں سے چور ہونے کے باوجود دشمن کے گنر کو گردن سے دبوچ کر ہلاک کر دیا۔ لانس نائیک محمد محفوظ کیلئے دشمن کی جانب سے یہ خراج تحسین بڑی بات تھی۔ جب جرأت اور بہادری کی اس داستان کا ذکر اعلیٰ فوجی حلقوں تک پہنچا تو لانس نائیک محمد محفوظ کو ملک کے سب سے بڑے فوجی اعزاز نشانِ حیدر کا حق دار ٹھہرایا گیا۔

کیپٹن کرنل شیر خان شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش	تاریخ شہادت
یکم جون 1970	7/جولائی 1999

بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوانے کیلئے معرکہ کارگل کا آغاز یوں تو نومبر 1998ء کو ہی ہو چکا تھا۔ جب بھارتی فوج وادی کارگل کی بلند ترین پہاڑیوں پر موجود مورچوں کو برفانی طوفانوں اور موسمی صعوبتوں سے عاجز آ کر خالی کر کے سری نگر چھاؤنی میں واپس چلی گئی تھی۔ کشمیری مجاہدین جو گزشتہ نصف صدی سے آزادی کشمیر کی جنگ اپنے لہو سے جاری رکھے ہوئے تھے۔ مجاہدین اور پاک فوج کے غیور نڈر اور دلیر جوانوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان بھارتی مورچوں پر قبضہ کر لیا جو نہ صرف کنکریٹ کے بنے ہوئے تھے بلکہ ان میں بے پناہ گولہ بارود اور کھانے پینے کا بھی وافر سامان بھی موجود تھا۔ وادی کارگل میں بھارتی فوج سے جنگ کا آغاز تو مئی 1999ء کو اس وقت ہوا جب بھارتی فوج اپنے خالی کئے ہوئے مورچوں میں واپس آ رہی تھی۔ لیکن پاکستان آرمی کے جوانوں اور مجاہدین نے ناموافق اور انتہائی نامساعد حالات میں جس طرح چھ ماہ ان بلند ترین پہاڑی موچوں پر گزارے۔ ان کا ذکر الفاظ

میں نہیں کیا جاسکتا۔ دشمن سے زیادہ یہاں موسم بے رحم تھا۔ لڑائی تو دور کی بات ہے سخت سردی کے باعث ان چھ مہینوں میں وادی کارگل کے پہاڑوں پر زندہ رہنا ہی معجزے سے کم نہیں تھا۔ افواج پاکستان کے دیگر جوانوں کے ساتھ کیپٹن کرنل شیر خان بھی انتہائی عزم و استقلال کے ساتھ نومبر 1998ء سے ان دشوار گزار پہاڑی سلسلوں میں موسم کی حشر سامانیوں سے نبرد آزما تھے۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ کیپٹن کرنل شیر خان دشمن سے نبرد آزما ہونے کیلئے رضاکارانہ طور پر نادرن لائٹ انفنٹری NLI میں آئے تھے۔ جس کے جوان گزشتہ کئی سالوں سے کنٹرول لائن کے ان بلند ترین پہاڑی سلسلوں پر دشمن کے سامنے سینہ سپر تھے۔ بھارتی فوج کی بلا اشتعال فائرنگ کا سلسلہ یہاں باقاعدگی سے جاری تھا۔ پاک فوج کے جوان بھارتی فوج کے نہ صرف حملے ناکام بناتے بلکہ ان کو بھاری جانی مالی نقصان پہنچاتے۔ لیکن کنٹرول لائن کے اس پار بسنے والے کشمیری مسلمانوں پر بھارتی فوج کی فائرنگ کا سلسلہ ایک معمول بن چکا تھا۔

کیپٹن کرنل شیر خان نے دشمن کے جن جدید ترین مورچوں پر قبضہ کیا تھا۔ ان میں ہر مورچے میں کم وبیش پانچ سے دس جوانوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس نے دشمن کے ان مورچوں پر اپنے مجاہدین بٹھا دیئے انہیں مکمل رازداری اور خاموشی کے ساتھ یہاں چار مہینے گزارنے کی ہدایات دیں۔

یہ مورچے کیا مدفن تھے۔ اس سرد جہنم میں ان منہ بند مورچوں میں رہنا آسان بات نہ تھی۔ فوج کے ان جوانوں کو خوراک کیلئے سامان بھی دیا گیا تھا لیکن ان کی زیادہ تر خوراک خشک چنوں کی صورت میں مہیا کی گئی تھی سارا وقت مورچوں میں ہی بیٹھے رہنا تھا۔ مورچوں کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جو ہوا اور نظر بازی کا

کام دیتے تھے۔ ان سے باہر نکلنا موت کے مترادف تھا۔

کیپٹن کرنل شیر خان ساتھیوں کو ہر وقت مستعد رکھتے۔ انہیں نماز کی تلقین کرتے اور جوانوں کی صحت برقرار رکھنے کیلئے انہیں ورزش بھی کراتے رہتے۔ گویا چند گز پر محیط مورچے بھی ان کیلئے کھلے میدان تھے۔

جن دنوں بھارتی فوج سری نگر چھاؤنی میں یخ بستہ سرد ہواؤں سے بچنے کیلئے چھپی بیٹھی تھی کیپٹن کرنل شیر خاں اپنے جوانوں کے ساتھ ایک نئی تاریخ رقم کر رہے تھے۔ یہ دنیا کا واحد محاذ تھا جہاں سرد جہنم میں مورچہ بند جوانوں کو موسم کے معتدل ہونے اور سفید پہاڑیوں کو اپنے سینے عریاں کرنے کا انتظار کرنا تھا اور اس کیلئے انہیں کم از کم چار سے پانچ مہینے کیلئے یہاں رہنا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے یہاں سے واپسی سارے منصوبے کو سبوتاژ کر سکتی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔۔۔ پہاڑ پگھلنے لگے۔ موسم کے تیور کیا بدلے مورچہ بند جوانوں کے رگوں میں جوالہ مکھی انگڑائیاں لینے لگا۔ دشمن کسی بھی وقت اپنے ان مورچوں کی طرف آسکتا تھا اور اب ان کی واپسی کا وقت قریب آرہا تھا۔۔۔ کیپٹن کرنل شیر خان نے ایک دن اپنے گرد پھیلے مورچہ بند جوانوں سے کہا۔

”میرے بھائیو! شہادت کے طلب گارو! وہ وقت آن پہنچا ہے میں جانتا ہوں تم نے اس وقت کا انتظار کیسے کیا ہے۔ تمہاری صحت پر برا اثر پڑا ہے مگر میرے مجاہدو۔۔۔ ہم نے جس مقصد کی خاطر یہاں قبضہ کیا تھا اسے پورا کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔۔۔ لہٰذا اب اپنی عقابی نظروں سے دشمن کے راستے دیکھتے رہو اور جو سامنے آئے بھونتے جاؤ۔۔۔“ کرنل شیر خان نے جوانوں کو نئی ہدایات دیں اور اپنے مورچہ میں چلے گئے۔

ایک صبح جب سورج طلوع ہوا تو برف پوش پہاڑوں کے آئینے میں دشمن کا عکس دکھائی دینے لگا۔ کیپٹن کرنل شیر نے جوانوں کو مستعد کر دیا اور کہا: "دشمن مست ہو کر آ رہا ہے' زندہ بچ کر نہ جائے۔"

دشمن کے سپاہی ہتھیار اٹھائے ان راستوں پر گامزن تھے جب ان پر بارود کی بارش ہونے لگی۔ برف سرخی مائل ہو گئی اور ایک ہی ہلے میں دشمن کے درجنوں فوجی مارے گئے۔ اس سے پہلے کہ دشمن کو ہوش آتا پہاڑوں کی چوٹیوں سے ان پر مارٹر گنوں سے فائر ہونے لگا۔ دشمن کی اسلحہ سے بھری گاڑیاں اپنے جوانوں سمیت اڑا دی گئیں۔ کرنل شیر خاں نے پہلے دن کے معرکہ میں کارگل بیس کیمپ میں موجود بھارتی فوج کو مفلوج کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اب یہ علاقہ ان کے قبضہ میں نہیں رہا۔۔۔۔

کارگل آپریشن شروع ہو چکا تھا۔ بچے کھچے بھارتی فوجیوں نے اپنے پیچھے اطلاع کر دی کہ بیس کیمپ کی پہاڑیوں پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا ہے اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا کہ ہم یہ مورچے جلد حاصل کر لیں گے۔ کئی ہفتے گزر گئے مگر بھارتی فوج مورچہ بند مجاہدین سے مورچے خالی نہ کرا سکی اور اس کیلئے بھارت نے بوفرز توپیں بھی استعمال کر کے دیکھ لیں۔

کارگل اور دراس سیکٹر میں موجود 4 ہزار بھارتی فوج مٹھی بھر جانبازوں کے نرغے میں آ چکی تھی اور ابھی تک بھارتی فوج کو یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے مقابلہ پر کتنے مجاہد ہیں۔ فروری اور مارچ 99ء میں بھارتی فوج اور حکومت کو پاکستانی اخبارات نے یہ باور کرا دیا تھا کہ کارگل اور دراس میں 450 مجاہدین بھارتی فوج کے خلاف جہاد کر رہے ہیں لہٰذا بھارتی فوج زچ ہو کر ان پہاڑوں پر بھاری توپ خانہ استعمال کر رہی تھی۔

انہی حالات میں کیپٹن کرنل شیر خاں نے دراس اور کارگل کے تمام اہم مورچوں پر اپنے "مجاہدین" کو محفوظ ترین مورچوں اور پہاڑی چٹانوں میں بٹھا کر اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کر لئے تھے۔ صرف ایک مہینے کی لگاتار آنکھ مچولی اور بھاری حملوں کے نتیجے میں بھارتی فوج کو درج ذیل نقصانات اٹھانے پڑے۔

1- کارگل اور لداخ شاہراہ مکمل طور پر کیپٹن کرنل شیر خاں کے جوانوں کے قبضے میں آ گئی۔ اس سے سیاچن پر تعینات بھارتی فوج محصور ہو کر رہ گئی جبکہ لداخ کا بیشتر علاقہ بھارتی فوج کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

2- سیاچن پر بھارتی فوج کا مورال گر گیا اور پاکستانی فوج نے پیش قدمی کر کے کئی اہم چوٹیاں حاصل کر لیں۔

3- بھارتی فوج کے ہاتھ سے 35 کلو میٹر کا علاقہ نکل گیا۔ دراس اور کارگل میں پاکستانی افواج 6 سے 15 کلو میٹر تک اندر داخل ہو گئی تھیں۔

4- کیپٹن کرنل شیر خاں کی کارروائی کے نتیجے میں بھارت کو تین ڈویژن فوج لانا پڑی اور دن رات کے حملوں کے نتیجے میں بھارتی فوج نفسیاتی مریض بن گئی۔

دراس اور کارگل کا محاذ کھولنے سے پیشتر ہی پاکستانی افواج نے اپنی پہاڑی سرحدوں پر میڈیم رینج توپیں نصب کر دی تھیں۔ ان توپوں کی رینج بوفرز توپوں سے زیادہ تھی۔ بھارتی فوج نے پاکستانی سرحدوں کے قریبی دیہات پر جب فائرنگ شروع کی تو پاکستانی توپوں نے دشمن کو 30 سے 40 کلو میٹر تک اپنی توپوں کے نشانے پر رکھ لیا جس کے نتیجے میں کشمیری مجاہدین بھی اپنے پاکستانی "مجاہدین" کے شانہ بشانہ آ گئے اور لائن آف کنٹرول کے اندر بعض اہم بھارتی چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔

بھارت نے لائن آف کنٹرول پر چھیڑ خانی کے ساتھ دراس کے علاقے کو واگزار کرانے کیلئے فضائیہ کو بھی استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جوں ہی بھارتی جنگی جہازوں نے کیپٹن کرنل شیر خاں کے مجاہدین پر حملہ شروع کیا۔ پاکستانی غنزہ میزائلوں نے انہیں فضاؤں میں ہی تباہ کر دیا۔ بھارت نے اس پر بہت واویلہ کیا مگر یہ جہاز پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تھے لہٰذا پاکستان نے عالمی پریس کو ان جہازوں کا ملبہ دکھا کر ثابت کر دیا کہ یہ پاکستان کی سرحدوں کے اندر ہی گرے ہیں حقیقت بھی یہی تھی کیونکہ ان پہاڑی علاقوں پر پاکستان کا ہی قبضہ تھا۔

کیپٹن کرنل شیر خاں کو ایک دن حکم ملا کہ وہ دراس سیکٹر میں اپنے ان مجاہدین کے پاس پہنچ جائیں جو بھارتی فوج کے تابڑ توڑ حملوں کی زد میں آ چکے تھے۔ کیپٹن کرنل شیر خاں نے وہاں جا کر صرف دو دن میں دشمن کا دم خم ختم کر دیا اور واپس اپنے کیمپ آنے لگے کہ مجاہدین نے ان سے وہاں رکنے کیلئے اصرار کیا۔ ان دنوں NLI سمیت ہر چوکی کے مجاہدین کی یہ کوشش ہوتی کہ کیپٹن کرنل شیر خاں ان کے شانہ بشانہ جہاد کریں کیونکہ وہی تو تھے جو دشمن پر حملہ کرنے کیلئے سو طرح کے پینترے اور داؤ استعمال کرنے کا گر جانتے تھے اور گوریلا جنگ کی تاریخ میں ان جیسا چابکدست اور بیدار افسر کوئی اور نہ ہوا ہوگا۔

کارگل کی لڑائی میں اب شدت آگئی تھی انہوں نے کارگل کے مجاہدین کے تمام راستے محفوظ بنا دیئے تھے لہٰذا وہ ان راستوں کے ذریعے اپنے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کیلئے روزانہ چلے جاتے۔

جون 99ء میں کیپٹن کرنل شیر خاں کو دراس سیکٹر میں بھیج دیا گیا۔ روانگی سے قبل ان کے سی او نے ان سے کہا: شیر خاں! تم نے مجاہدین پر کیا جادو کر دیا ہے ہر ایک

بس یہی تقاضا کر رہا ہے کہ کیپٹن کرنل شیر خاں کو ان کے کیمپ میں بھیجا جائے۔ وہ اسلحہ اور خوراک نہیں مانگتے بلکہ تمہارے طلبگار ہیں تم نے ان پر کیا جادو کر دیا ہے۔۔۔۔"

کیپٹن کرنل شیر خاں فرط جذبات سے بولے۔ "سر! یہ جادو نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جو مجھ پر نازل ہو رہا ہے۔ یا میرے مجاہدوں کی محبت ہے کہ وہ اس طرح کی فرمائشیں کر رہے ہیں۔"

"کمانڈنگ آفیسر نے کیپٹن کرنل شیر خاں کو بتایا کہ دراس میں دشمن نے کیمیائی ہتھیار استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہ ہتھیار استعمال ہونے سے پہلے ہی تباہ کر دیئے جائیں۔"

"سر! میں دراس کے چپے چپے سے واقف ہو چکا ہوں۔ دعا کریں میں اس مشن میں کامیاب ہو جاؤں۔" کیپٹن کرنل شیر خاں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "سر میں دشمن کو ایسا سبق دوں گا کہ وہ تمام عمر اسے یاد رکھے گا۔"

کیپٹن کرنل شیر خاں راتوں رات دراس سیکٹر میں پہنچ گئے۔ مجاہدین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے ایمانی جذبوں کو ولولۂ تازہ مل گیا تھا۔ کیپٹن کرنل شیر خاں اپنے مشن کی تیاری کرنے لگے اور اسی رات دشمن کے علاقے میں جانے لگے۔ ان کے ساتھی مجاہدین نے کہا۔

"سر! آپ اکیلے جا رہے ہیں۔"

"ہاں! میں اکیلا ہی جاؤں گا اور فجر کی نماز ادا کر کے واپس آجاؤں گا۔ میں دشمن کی تیاریاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" کیپٹن کرنل شیر خاں نے کہا۔

"سر آپ اکیلے نہ جائیں۔۔۔۔ دو چار جوان ساتھ لے جائیں۔"

"نہیں یار شیر کو اکیلے ہی شکار کرنے کا مزہ آتا ہے جو کام میں اکیلا کر سکتا ہوں

وہ مجھے ہی کرنا چاہئے۔" یہ کہہ کر کیپٹن کرنل شیر خاں دراس سیکٹر میں واقع بھارتی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے مارٹر گن اور دھماکہ خیز مواد بھی ساتھ لے لیا تھا۔

کیپٹن کرنل شیر خاں اس سے پہلے بھی کئی بار دشمن کے علاقے میں ریکی کرنے جایا کرتے تھے اور ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد مجاہدین کو نئے زاویے سے حملہ کرنے کیلئے تیار کرتے تھے۔ اس کیپٹن رات کرنل شیر خاں نے فجر کی نماز دشمن کے بیس کیمپ کے قریب ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد انہوں نے دشمن کی چوکیوں اور ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور پہاڑی چٹانوں پر اپنی پوزیشن بنانے لگے۔

کیپٹن کرنل شیر خاں نے ایک چٹان کی اوٹ میں مارٹر گن رکھ دی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اس سے دو تین سو گز دور ایک اور چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گئے اور وہاں سے ہینڈ گرنیڈ دشمن کے کیمپ پر پھینک دیئے۔ ہینڈ گرنیڈ نشانے پر گرے اور دشمن کے کیمپ میں ہر طرف چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ دشمن نے نشانہ لئے بغیر پہاڑی پر گولہ باری شروع کر دی اور ان کی مشین گنیں دھاڑنے لگیں۔ اس دوران کیپٹن کرنل شیر خاں اپنے مارٹر گن کے پاس پہنچے اور دشمن کی توپوں کو نشانہ پر لے کر گولے داغ دیئے۔ دشمن کی توپیں بھک سے اڑ گئیں کیونکہ نشانہ اس قدر مہارت سے لیا گیا تھا کہ خطا ہونے کا رتی بھر چانس نہ تھا۔

کیپٹن کرنل شیر خاں نے صبح سویرے دشمن کو جوزک پہنچائی کہ رات گئے تک دشمن پہاڑیوں پر گولہ باری کرتا رہا لیکن کیپٹن کرنل شیر خاں تو وہاں سے میلوں دور اپنے مجاہدین کے پاس پہنچ چکے تھے۔

کیپٹن کرنل شیر خاں نے کارگل اور دراس کی فلک بوس پہاڑیوں میں جس گوریلا جنگ کا آغاز کیا تھا اس میں روز بروز تیزی آتی جا رہی تھی اور اب تو بھارت نے

پاکستان کو جنگ کی واضح دھمکی دے دی تھی۔ حکومت اور فوج اپنے اپنے محاذوں پر سیاسی اور عسکری لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے اور ادھر کیپٹن کرنل شیر خاں نے دراس سیکٹر میں ان تمام راستوں کو مسدود اور تباہ کر دیا تھا جہاں سے بھارتی فوج سیاچن اور لداخ کی طرف روانہ ہوتی تھی۔

27 جون 99ء رات 9 بجے کا وقت تھا جب دشمن نے کیپٹن کرنل شیر خاں کے مورچوں کو ڈھونڈ نکالا اور بھرپور حملہ کر دیا۔ کیپٹن کرنل شیر خاں اور ان کے چاروں طرف چھپے ہوئے ساتھیوں نے دشمن کو گھیرے میں لے کر عبرتناک شکست دی اور دشمن ہتھیار اور لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ کیپٹن کرنل شیر خاں نے دشمن کے اس حملے پر اعلان کیا۔ "دوستو! میرے مجاہدو! دشمن نے شب خون مارا ہے مگر میں اس کو صبح للکار کر اس کے کیمپ میں جا کر ماروں گا۔۔۔"

"اور پھر یہی ہوا! کیپٹن کرنل شیر خاں نے فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے مجاہدین کو تیار کیا اور ملگجے اجالے میں دراس کے سب سیکٹر میں پہنچ گئے۔ کیپٹن کرنل شیر خاں نے مجاہدین کو اپنی پوزیشنیں بدل بدل کر حملہ کرنے کیلئے کہہ رکھا تھا اور خود ایسی پوزیشن میں بیٹھ گئے جہاں سے دشمن کے مورچے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

اس بار حملہ اس قدر شدید تھا کہ دشمن صرف ایک گھنٹہ بھی مقابلہ کی سکت نہ رکھ سکا اور لاشیں چھوڑ کر بھاگ اٹھا۔۔۔ کیپٹن کرنل شیر خاں نے دشمن کو للکارا اور بھاگتے ہوئے دشمن کے پیچھے لپکے اور ایک ماہر بازی گر کی طرح بھاری مشین کے ساتھ جگہ بدل بدل کر دشمن گرانے لگے اور پھر بھاگتے بھاگتے دشمن کے کیمپ میں جا پہنچے۔

بھارتی کیمپ میں افراتفری مچی ہوئی تھی اور ان کا کمانڈر کرنل اپنے منتشر

جوانوں کو اکٹھا کر کے نئے احکامات جاری کر رہا تھا کہ ایک سپاہی ہانپتا ہوا بولا۔

”دشمن کمانڈر ہمارا پیچھا کرتا ہوا آرہا ہے۔“

”وہ یہاں آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔۔۔“بھارتی فوج کے کرنل نے کہا اور اپنے جوانوں کو ارد گرد میں پوزیشن سنبھالنے کیلئے کہا۔ اسی لمحہ انہیں ”اللہ اکبر“ کا نعرہ سنائی دیا اور ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی بھارتی فوج کے سورماؤں پر قہر الٰہی ٹوٹ پڑا۔

کیپٹن کرنل شیر خاں چند سو گز کے فاصلہ سے اپنی مشین گن کی مدد سے کیمپ پر دھڑا دھڑ گولیاں برسا رہے تھے اور دشمن کے سپاہی دھڑا دھڑ خون میں لت پت ہو رہے تھے۔ اسی لمحہ شیر خاں اپنی جگہ سے آگے بڑھے اور دشمن کے کیمپ کے عین درمیان ایک چھلاوے کی طرح جا کودے۔

دشمن جو پتھروں کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا ایک شیر جوان اور جوالہ صفت پاکستانی کیپٹن کو اپنے سامنے دیکھ کر بھونچکارہ گیا۔ کیپٹن کرنل شیر خاں نے دشمن کو للکارا۔

”باہر آؤ بزدلو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے۔“

کیپٹن کرنل شیر خاں کے للکارنے پر چند سکھ فوجی پتھروں کی اوٹ سے باہر نکلے اور ان پر فائر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے پہلے ہی کیپٹن کرنل شیر خاں کی مشین گن نے انہیں جالیا۔

اس دوران دشمن کے کرنل نے کیپٹن کرنل شیر خاں کو ہتھیار پھینکنے کے لئے کہا مگر کیپٹن کرنل شیر خاں دھاڑے۔ ”شیر مر جاتا ہے مگر ہتھیار نہیں گراتا“ یہ کہہ کر انہوں نے آواز کی سمت میں فائر کرنا چاہا تو ان کی مشین گن خالی ہو چکی تھی۔ دشمن کو بھی اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا اور انہوں نے کیپٹن کرنل شیر خاں کے گرد گھیرا ڈال لیا

تھا۔

”اب تو ہتھیار گرا دو۔۔۔“بھارتی فوج کا کرنل بولا۔

”ہتھیار گرانا میری شان نہیں ہے۔۔۔“کیپٹن کرنل شیر خاں نے دھاڑتے ہوئے کہا اور لپک کر بھارتی کرنل تک جا پہنچے اور خالی مشین گن گھما کر اس کے منہ پر دے ماری۔

”فائر۔۔۔“کرنل چیخا۔

کیپٹن کرنل شیر خاں نے دوسری بار بھارتی کرنل کو دبوچنا چاہا تو دشمن کے درجنوں فوجیوں نے اپنی بندوقوں کے فائر کھول دیئے۔ کیپٹن کرنل شیر خاں کا فولادی جسم گولیوں سے چھلنی ہو گیا مگر وہ آخری وقت بھی لاچارگی سے زمین پر نہ گرے بلکہ جب گرے تو مشین گن کے ٹریگر پر ان کی انگلی تھی اور دوزانو ہو کر زمین پر بیٹھ گئے تھے۔۔۔ بھارتی کرنل اس جواں صفت بہادر پر اپنا غصہ نکالنا بھول گیا اور اس کی بہادری پر عش عش کر اٹھا۔

”اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔۔۔ یہ بڑا دلیر فوجی افسر ہے۔ اس کی لاش اٹھا کر واپس لے چلو۔۔۔“

بھارتی کرنل کا حکم پاتے ہی سکھ فوجی آگے بڑھے اور کیپٹن کرنل شیر خاں کی گرم گرم لاش اٹھانے لگے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کیپٹن کرنل شیر خاں کے لبوں پر ابھی تک ”اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر“ کے الفاظ مچل رہے تھے۔

بھارتی کرنل نے کیپٹن کرنل شیر خاں کے ساتھیوں کی آمد سے پہلے ہی کیمپ خالی کر دیا اور اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے سری نگر کیلئے روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے افسران کو پاکستانی کپتان کی دیدہ دلیری اور اس کے معرکے کی روداد سنائی اور کہا پاکستانی

فوج میں جب تک کیپٹن کرنل شیر خاں جیسے جوالہ صفت افسران ہیں ہم ان پر غالب نہیں آسکیں گے۔"

شاید انہی بہادر اور دلیر جوانوں کیلئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

کیپٹن کرنل شیر خاں کا وہ خواب پورا ہو گیا جس کیلئے وہ ہر ایک سے دعا کرایا کرتے تھے۔ "یارو! میرے لئے شہادت کی دعا کرنا۔" اللہ تعالیٰ نے کیپٹن شیر خاں کی بدولت پاکستان کو کارگل محاذ پر واضح برتری دلوائی۔ حکومت نے ان کی بے مثال بہادری پر انہیں نشانِ حیدر عطا کیا۔ یہ تمغہ شاید ان کی خدمات کا صلہ نہیں ہے مگر ان کے مٹھی بھر ساتھیوں کی بدولت دشمن کی تین ڈویژن فوج نے جو ہزیمت اٹھائی ہے اس سے عسکری تاریخ میں ایک نئے روشن باب کا اضافہ ہوا ہے۔

حوالدار لالک جان شہید

(نشانِ حیدر)

تاریخ پیدائش	تاریخ شہادت
15/ فروری 1967	7/ جولائی 1999

یہ 5 اور 6 جولائی کی درمیانی یخ بستہ رات تھی۔ جب ستارے بھی بادلوں کی چادر تان کر چھپ گئے تھے۔ بھارتی فوجی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود پچھلے دو ہفتوں سے ایک انچ بھی پیش قدمی نہ کر سکے تھے۔ ٹائیگر ہلز پر قبضے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ کیونکہ بھارتی فوج کے سامنے پاکستانی شیر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کے کھڑے تھے۔ دشمن 'کارگل' دراس اور مشکوہ وادی میں مجاہدین کشمیر کی پوزیشنوں کو کاٹنے کیلئے بھی بے حساب گولہ باری کر رہا تھا۔ لائن آف کنٹرول پر موجود ہمارے سپاہی بھی گولہ باری کی زد میں آرہے تھے۔ دشمن کی اس کارروائی کا جواب دینے کیلئے جب ناردرن لائٹ انفنٹری کے جوانوں اور افسروں کو حکم ملا تو حوالدار لالک جان بھی دل و جان سے اس فریضے کی ادائیگی میں منہمک ہو گئے انہوں نے دشمن کو بے تحاشا جانی نقصان پہنچایا وہ اپنے سیکشن اور پلاٹون کے روح رواں تھے۔ درجنوں گولے ان کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔ لیکن وہ ان کی ذرا پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے

جارہے تھے۔ان کے ساتھی زخمی ہونے کے بعد پیچھے بھیج دیئے جاتے لیکن وہ ہمیشہ یہ کہا
کرتے کہ زخمی ہو کر پیچھے جانے سے بہتر ہے کہ دشمن سے ان زخموں کا حساب لیا جائے
اور دشمن کو بھی اسی قسم کے زخم لگائے جائیں حالانکہ وہ سچ مچ دشمن کو کاری زخم لگا رہے
تھے۔ پھر جب دباؤ زیادہ بڑھا تو وہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک اونچی پوزیشن پر چلے
گئے۔ وہاں سے وہ دشمن پر کارگر فائر گراتے رہے۔ تاہم دشمن نے ان کی پوزیشن کو جانچ
لیا گولوں کی بوچھاڑ میں ایک گولہ عین لالک جان کی پوزیشن کے اوپر آگرا۔اس کے کئی
ساتھی شہید ہو گئے۔ پھر دوسرا گولہ آیا تو لالک جان کی دائیں ٹانگ اور دائیں بازو کو اڑا
دیا۔اس نے اپنے ایک ساتھی سے کٹی ہوئی ٹانگ اور اڑے ہوئے بازو پر پٹی بندھوائی۔
دشمن اب اس پوزیشن پر دھاوا بولنا چاہتا تھا۔ جب اس پوزیشن سے مشین گن کا فائر ذرا
رکا تو درجنوں بھارتی حملہ آور فوجی اس کی پوزیشن کی طرف بڑھے۔ جب وہ رینج میں
آئے تو لالک جان نے بایاں ہاتھ جو ابھی سالم تھا' سے مشین گن کا فائر کھول دیا۔ مشین
گن کا پٹہ چل رہا تھا اور گولیاں تڑاتڑ نکل نکل کر دشمن کے سپاہیوں کو ڈھیر کر رہی
تھیں۔ پھر دشمن کا ایک اور گولہ آیا اب کی بار ایک ٹکڑا لالک جان کے پیٹ کے دائیں
طرف جالگا۔اس نے بائیں ہاتھ سے پیٹ کے اندر سے نکلتی ہوئی انتڑیوں کو پیٹ میں
واپس ڈالا اور کس کر پٹی باندھ دی۔

اب صورتحال یہ تھی کہ اس کی ایک ٹانگ اور ایک بازو کٹ چکا تھا اور پیٹ کا
دایاں حصہ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے مشین گن کی بیرل کو بائیں پاؤں کے
انگوٹھے اور انگلی کے درمیان تھاما۔ وہ اب سیدھا نہیں بیٹھ سکتا تھا۔اس لئے وہ لیٹ گیا۔
سر کو ذرا اونچا کئے رکھا۔۔۔۔اس نے ایک رسی کو مشین گن کے ٹریگر کے ساتھ باندھا
اور دوسرے سرے کو اپنی گردن کے اوپر سے گزار کر بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ یہ ایک
عجیب پوزیشن تھی۔ فوج کے کسی ٹریننگ سکول میں کسی فوجی کو اس قسم کی پوزیشن سے

فائر کرنے کی کوئی تربیت نہیں دی جاتی۔ لیکن لالک جان تو مرد کہستانی تھا۔ صحرا اور
کوہسار جن لوگوں کی تربیت کرتے ہیں انہیں کسی اور اکیڈیمی کی تربیت کی زیادہ
ضرورت نہیں ہوتی۔

ذرا غور کیجئے کہ آپ کے آس پاس کے ساتھی شہید ہوئے پڑے ہوں
یا زخموں سے چور کراہ رہے ہوں۔ ایک بازو اور ایک ٹانگ کٹ کر جسم سے الگ ہو چکی ہو
چاروں طرف خون ہی خون بکھرا ہو' پیٹ بھی پھٹ چکا ہو' آخری ہچکی کسی بھی وقت
متوقع ہو' یہ منظر ایسا خوفناک ہے کہ ان حالات میں بہادر سے بہادر اور نڈر سے نڈر
سپاہی بھی ہمت ہار دیتا ہے۔ دشمن چاروں طرف سے پیش قدمی کر رہا ہو۔ ان کا مقابلہ
کرنے کیلئے انتہائی زخمی حالت میں آپ اکیلے ہوں۔ زندگی کی آخری چند ساعتوں میں
بھی اگر آپ اپنے مشن کی تکمیل اور وطن عزیز کی حفاظت کیلئے اپنی باقیماندہ سانسیں
قربان کر دیں تو اس سے بڑی عظمت اور سعادت کیا ہو گی۔

لالک جان نے آدھے لیٹے اور آدھے بیٹھے ہوئے انداز میں مشین گن کے
ٹریگر کو باندھ کر بیلٹ چڑھائی اور دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ دشمن نے خاموشی کا یہ
مطلب لیا کہ اب اس پوزیشن پر کوئی بھی پاکستانی نہیں ہے اور سب کے سب شہید ہو
چکے ہیں۔ لیکن جونہی دشمن کے سپاہی رسی کے نزدیک آئے لالک جان نے رسی کھینچ
دی۔ مشین گن کا پٹہ چلنے لگا۔ گولیوں کی تڑاخ تڑاخ آوازیں اور دشمن کی چیخیں آپس
میں گھل مل گئیں اور دشمن کا پاکستانی پوسٹ پر قبضے کا خواب تنکوں کی طرح بکھر گیا۔
لیکن اگلے ہی لمحے لالک جان کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔انا للہ وانا
الیہ راجعون۔

اس جرأت اور بہادری کے صلے میں آپ کو سب سے بڑا اعزاز ''نشانِ حیدر''
عطا کیا گیا۔اس طرح آپ پاک فوج کے دسویں مجاہد ہیں جن کو یہ سب سے بڑا اعزاز
عطا کیا گیا۔

وطن عزیز کے دفاع میں مسیحی جوانوں کے کارنامے

وطن عزیز کے دفاع میں جس طرح مسلمانوں نے پاک فوج میں شامل ہو کر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اسی طرح پاکستان میں بسنے والے مسیحی نوجوانوں نے بھی زندگی کے کسی بھی محاذ پر اپنے بڑھے ہوئے قدم پیچھے نہیں ہٹائے۔ 1948ء میں جہاد کشمیر مشن ہو یا 1965ء کی پاک بھارت جنگ۔ 1971ء کی بھارتی جارحیت ہو یا وادیٔ کارگل اور سیاچن جیسے دنیا کے بلند ترین محاذوں پر لڑی جانے والی جنگ مسیحی جوانوں نے اپنے مسلمان مجاہدوں کے شانہ بشانہ جرأت و شجاعت کی داستانیں اپنے خون سے رقم کی ہیں۔

ذیل میں قابلِ ذکر مسیحی افسروں اور جوانوں کے کارنامے درج کئے جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تحریر سارے مسیحی جوانوں کے کارناموں کا احاطہ نہ کرے لیکن کتاب میں ان کا ذکر نہ صرف ان مسیحی خاندانوں کیلئے اعزاز کا باعث ہے بلکہ ساری قوم ان مسیحی جوانوں کے کارناموں پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ ان قابل ذکر مسیحی جوانوں اور افسروں میں کرنل برگنزا، کرنل مینڈ ساجن، کرنل راتھ، حوالدار یعقوب مسیح شامل ہیں۔ جنہوں نے آزادی کشمیر کی ابتدائی جنگ میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ بے سروسامانی

کے عالم میں پاک فوج کی جانب سے انمٹ حریت کی داستانیں رقم کیں جو آج بھی ملک کی عسکری تاریخ میں سنہرے لفظوں سے لکھی ہوئی ہیں۔

1964ء میں ایک بار پھر وادیٔ کشمیر میں جدوجہد کی چنگاری نمودار ہوئی اور کشمیر پر قابض بھارتی فوج سے لڑنے والے مجاہدین کا بھرپور ساتھ پاک فوج نے دیا اور مجاہدین اور فوج کے جوانوں نے باہم مل کر کشمیر میں بھارتی فوج کو زبردست نقصان پہنچایا۔ آزادی کی منزل ابھی قریب ہی تھی کہ بھارتی فوج نے کشمیر پر پاک فوج کا دباؤ کم کرنے کیلئے ستمبر 1965ء میں لاہور، قصور اور سیالکوٹ کے محاذ پر زبردست حملہ کر دیا۔ خدا کے فضل و کرم سے پاک فوج کے جوانوں اور افسروں نے ناقابل یقین بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھارتی عزائم خاک میں ملا دیئے۔ ان جنگی معرکوں میں مسلمان فوجی افسروں اور جوانوں کے ساتھ ساتھ مسیحی کرنل راتھ، کیپٹن کے ایم رائے کرنل ٹریسلر، کرنل ڈبلیو ہربرٹ، بریگیڈیئر انتھنی لم، میجر ولیم گارنز، لیفٹیننٹ کرنل مروی کارڈوزا، کیپٹن مائیکل ولسن، میجر جوزف شرف، بریگیڈیئر ڈینئل آسٹن، کرنل راج کمار ٹریسلر، کرنل جے جے تاجک، میجر جے لارنس، میجر ولیم فارڈی، کیپٹن ہنس وارث، میجر آفتاب سوری نے جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ کئی مسیحی افسر اور جوان وطن پر قربان ہو گئے۔ 1971ء کی جنگ میں بھی میجر جنرل جاوید جولین پیٹر، بریگیڈیئر جارج کیلنڈر، کرنل سرل جی نیلسن، بریگیڈیئر ڈینئل آسٹن، کرنل کے ایم رائے، کرنل راتھ، کرنل ڈبلیو ہربرٹ، کرنل جے جے تاجک، میجر مرانڈا، میجر پیٹرک ٹیرنی، میجر مورس ولیم، میجر جان کرسٹوفر، لیفٹیننٹ جاوید حیات، میجر شمس گوڈون، میجر بشیر مسیح، میجر رابرٹ بروس، کرنل نیلسن، لیفٹیننٹ انوسیٹ اور نعمت مسیح نے دشمن کے عزائم کو خاک میں ملانے کیلئے اپنا تن من دھن سب کچھ وطن پر قربان کر دیا۔ وادیٔ لیپا میں

1972ء میں لڑے جانے معرکے میں میجر ہنس وارث نے سخت سردی، برفانی موسموں اور سنگلاخ پہاڑوں پر بے جگری سے وطن کا دفاع کیا اور جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوئے۔

اس لئے قوم جہاں مسلمان سپاہیوں اور افسروں کی بیش قیمت جانی و مالی قربانیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اسی طرح وطن کی خاطر جانیں نچھاور کرنے والے مسیحی جوان اور افسر بھی ساری قوم کیلئے قابل احترام ہیں۔

مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوج کے مبینہ مظالم اور حقیقی صورتِ حال

ہر پاکستانی کے دل پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا زخم اتنا گہرا اور تازہ ہے کہ 35 سال گزرنے کے باوجود ابھی تک رس رہا ہے۔ ہر سال دسمبر کا مہینہ اداسیاں، پریشانیاں اور ندامتیں لیے وارد ہوتا ہے اور ہمارے ذہنوں پر ایک معنی خیز سوال چھوڑ کر رخصت ہو جاتا ہے کہ وہ ملک جسے لاکھوں انسانی قربانیوں کے بعد قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں بے مثال جدوجہد کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔ صرف 24 سال بعد دو ٹکڑے کیسے ہو گیا بے شک اس ضمن میں اس وقت کے سیاسی اور فوجی رہنماؤں کے چہرے اور دامن آلود نظر آتے ہیں لیکن اس حوالے سے بحیثیت ادارہ، فوج کا امیج دانستہ بہت خراب کر دیا گیا ہے۔ اس سازش میں اندرونی دشمنوں کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر بھارتی میڈیا بھی پیش پیش رہا ہے یہی وجہ ہے کہ 35 سال پرانا زخم اور بدنما داغ پاک فوج کے ماتھے پر چمکتا نظر آتا ہے۔ لیفٹیننٹ کرنل (ر) سکندر خان بلوچ نے اس حوالے سے نہایت جامع مضمون لکھا جو اس وقت کے حالات کی حقیقی تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ مضمون صرف اسی نقطۂ نظر سے کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے تاکہ آنے والی نسلیں 1971ء کے واقعات سے بخوبی آگاہ ہو کر اپنے دشمنوں اور دوستوں کو پہچان سکیں۔

1971ء کی جنگ پر کچھ کتابیں فوجی افسران نے لکھیں لیکن وہ زیادہ تر جنگی نقطۂ نظر سے لکھی گئیں۔ خاص کر جنگ کے ان سیکٹرز کے متعلق جن میں وہ تعینات تھے۔ جو چند ایک سویلین نے اس ضمن میں کوششیں کیں وہ محض اخباری رپورٹوں کی مدد سے واقعات کی تفصیل ہے۔ کسی صحیح اسکالر کی کتاب تاحال میری نظر سے نہیں گزری جس میں حالات کی تہہ میں اتر کر حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ پیش کیا گیا ہو۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ شاید ہم نے میدانِ جنگ میں بھارت سے اتنی شکست نہیں کھائی جتنی میڈیا اور پروپیگنڈہ کے محاذ پر کھائی ہے۔ 1971ء کی جنگ بھی موثر میڈیا کی کلاسک مثال ہے۔ بھارتی میڈیا نے ہمارے خلاف ایسے ایسے الزامات لگائے جو انسانی بس میں ہی نہیں تھے لیکن اپنے موثر اور بھرپور پروپیگنڈہ کے زور پر بھارت نے پاکستانی فوج کو اپنے وقت کا شیطان اعظم ثابت کر کے پاکستان کو منظم طریقے سے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ محیر العقول قسم کے الزامات لگا کر پوری دنیا کو ہمارے خلاف کیا اور بالآخر پاکستان کو دولخت کر دیا۔ پاکستانی فوج کے خلاف تین بڑے الزامات لگائے گئے۔

اوّل: تیس لاکھ بنگالیوں کو فوج نے بیدردی سے قتل کیا۔

دوم: تین لاکھ عورتوں کی آبروریزی کی۔

سوم: گاؤں کے گاؤں جلا دیئے۔

یہی کچھ بھارتی میڈیا نے بین الاقوامی میڈیا کو فیڈ کیا اور بین الاقوامی میڈیا نے بغیر الزامات کی تحقیق کئے پاکستان کے تشخص کو اس برے طریقے سے مسخ کیا کہ ہم پوری دنیا میں نہ صرف تنہا رہ گئے بلکہ نفرت کا نشانہ بھی بنے۔

سب سے پہلا کام تو بھارتی ایجنسیوں نے یہ کیا کہ اس ساری بغاوت کو ''جنگ آزادی'' کا نام دیا اور اس ایک لفظ نے ہمیں محرم سے مجرم بنا دیا۔

بنگلہ دیش کے ایک مشہور اسکالر ڈاکٹر عبدالمنعم چوہدری نے جنگ آزادی پر اپنی مشہور کتاب "Behind the Myth of 3 Million" میں لکھا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن جنگ کے بعد جب مغربی پاکستان سے رہا ہوئے اور 8 جنوری 1972ء کو ڈھاکہ آنے کے لیے لندن پہنچے تو انہوں نے وہاں بیان دیا کہ ''بنگلہ دیش میں دس لاکھ افراد مارے گئے ہیں لیکن 10 جنوری کو جب وہ ڈھاکہ پہنچے اور بھارتی ایجنسیوں سے ملے تو انہوں نے اپنا بیان تبدیل کرتے ہوئے فرمایا اس جنگ میں ''تیس لاکھ آدمی مارے گئے ہیں اور تاریخ میں آزادی کے لیے اتنی عظیم قربانی کی کہیں مثال نہیں ملتی۔'' پھر اسی دن جب ایجنسیوں نے مزید برین واش کیا تو شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے بیان میں مزید اضافہ کیا وہ یہ کہ ''تیس لاکھ آدمی قتل ہوئے اور تین لاکھ عورتوں کی عزتیں برباد کی گئی ہیں۔'' یہ بیسویں صدی کا سب سے بڑا جھوٹ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پاکستانی فوج کسی غیر ملک میں نہیں تھی بلکہ اپنے ہی ملک میں تعینات تھی اور اپنے ملک میں حالات چاہے جیسے بھی ہوں اتنی بڑی گھناؤنی کارروائی کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ نہ فوج کو اس مقصد کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے اس قسم کے جرائم کی کھلی اجازت دی جاتی ہے۔

2 مارچ 1971ء تک مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کی فوج کی کل تعداد 12 ہزار نفوس سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں لڑاکا فوج کے جوانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ 8 ہزار تھی باقی سب دیگر سروسز کے لوگ تھے۔ جب مارچ میں تحریک سول نافرمانی شروع ہوئی اور مکتی باہنی کے تربیت یافتہ غنڈوں نے مغربی پاکستان کی فوج اور سویلین آبادی کو تہ تیغ کرنا شروع کیا تو فوج کی طاقت محض یہی کچھ تھی ان کے مقابلے میں ایک لاکھ تربیت یافتہ لڑاکا ایسٹ بنگال رجمنٹ، ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسز، ایسٹ پاکستان رائفلز کے لوگ موجود تھے اور یہ سب بنگالی تھے۔ بھارت کی ایسٹرن کمانڈ کے چیف آف جنرل اسٹاف جنرل جیکب (جو بھارتی جنگی منصوبہ کے منتظم اعلیٰ بھی تھے) کے مطابق تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے قریب بھارت میں مکمل تربیت یافتہ اور مسلح مکتی باہنی اور ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں مغربی بنگال کے گوریلا موجود تھے جو مختلف مقامات پر گھیراؤ جلاؤ کے لیے بھیجے گئے تھے، یہ لوگ پورے علاقے میں مختلف راستوں سے مغربی پاکستانی پروپاکستانی بنگالی آبادی اور سب سے بڑھ کر بہاری آبادیوں سے پوری طرح واقف تھے۔ ان لوگوں نے مغربی پاکستانیوں کے لیے پروپاکستان بنگالیوں کے لیے اور خاص کر بہاریوں کے لیے قیامت ڈھا دی۔ ان کی دکانیں جلا دی گئیں۔ مردوں کو قطاروں میں کھڑا کر کے مار دیا گیا۔ عورتوں کی برے طریقے سے آبروریزی کے بعد رائفل کی سنگینوں سے پیٹ چاک کیے گئے اور ملٹری ایکشن سے پہلے تک جو اعداد و شمار اس وقت سامنے آئے ان کے مطابق 15 ہزار محب وطن پاکستانی سنتا ہار کے

علاقے میں، 10 ہزار چٹاگانگ کے علاقے میں 900، سراج گنج کے علاقے میں اور دو ہزار میمن گنج کے علاقے میں شہید کر دیئے گئے۔ باقی علاقوں کی حالت اس سے مختلف نہ تھی شہید ہونے والے تمام لوگ، مغربی پاکستانی، بہاری اور پرو پاکستانی بنگالی تھے۔ کیا پاکستانی فوج پاگل ہوگئی تھی کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے ہی لوگوں کو شہید کرتی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ تمام کارروائی بھارت کی تربیت یافتہ مکتی باہنی نے کی اور اس کا الزام پاکستانی فوج پر لگا دیا گیا جس کی بیرونی میڈیا میں خوب تشہیر کی گئی۔

جب ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز نے ہتھیاروں سمیت بغاوت کی تو انہیں پاکستانی فوج کے ٹھکانوں کا پوری طرح علم تھا جہاں کہیں پاکستانی فوج کی چھوٹی ٹکڑیاں تھیں انہیں بیدردی سے قتل کر دیا گیا مثلاً پبنہ میں 300 جوان اور کشتیا میں 150 جوان بیدردی سے شہید کر دیئے گئے۔ کرنل عبدالرشید جنجوعہ ایک ایسٹ بنگال رجمنٹ کی کمان کر رہے تھے۔ میجر ضیاء الرحمن سابق صدر بنگلہ دیش رات کو انہیں بنگلے سے باندھ کر اپنے دفتر لائے۔ وہاں کرسی پر بٹھا کر انہیں سنگین سے چھلنی کر دیا۔ فوجدار ہاٹ کیڈٹ کالج کے پرنسپل کرنل فضل حق کے بنگلے پر رات کو حملہ کیا گیا اور ان کے ایک بنگالی اردلی نے ان کے پیٹ میں چاقو کے وار کیے جس سے وہ شہید ہو گئے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات رونما ہوئے جن کا تاریخ میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ ان لوگوں کو جہاں کہیں بھی موقع ملا بے دردی سے مغربی پاکستانیوں، پرو پاکستانیوں اور بہاریوں کو قتل کیا۔ اسی طرح پتہ چلا کہ ایک میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں کچھ مغربی پاکستانی طالبات مکتی باہنی نے پکڑ رکھی ہیں۔ ایک کپتان صاحب کو چند سپاہیوں کے ساتھ انہیں بچانے کے لیے بھیجا گیا جب وہ ہاسٹل کا گیٹ پھلانگ کر اندر داخل ہوئے تو دروازے اندر سے بند تھے۔ کمرے کا دروازہ توڑ کر جب پاکستانی فوج کے جوان داخل ہوئے تو 8 لڑکیوں میں سے 4 غائب تھیں اور بقیہ 4 محض انڈر ویئر میں چارپائیوں کے ساتھ بندھی تھیں۔ انہیں ہمارے جوان بستر کی چادروں میں لپیٹ کر حفاظتی ایریا میں لے کر آئے۔ اس لمحے جوان اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے۔ ہاسٹل کا چکر لگایا کچھ بنگالی نوجوان رائفلوں کے ساتھ پہرہ دے رہے تھے۔ اس نے غصے میں سب کو اڑا دیا۔ اسی طرح ایک جگہ پر اطلاع ملی کہ کچھ بہاری خاندانوں کو مکتی باہنی والوں نے قید کر رکھا ہے۔ ایک میجر اور چند جوانوں کو وہاں بھیجا گیا مگر افسوس کہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ لوگ قتل ہو چکے تھے۔ تمام

مردوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ عورتیں بالکل ننگی تھیں۔ ریپ کے بعد ان کی چھاتیاں کاٹ دی گئی تھیں۔ حتیٰ کہ معصوم بچوں کو نہ صرف قتل کیا گیا بلکہ ان کے جسم کے سوراخوں میں بانس کے ڈنڈے دے دیئے گئے تھے میجر سب کچھ دیکھ کر ذہنی توازن کھو بیٹھا اسے علاج کے لیے سی ایم ایچ بھیجنا پڑا۔ ان حالات کا ذکر تاریخ میں کیوں نہیں کیا گیا؟ ہماری نوجوان نسل کو ان غیر انسانی اور وحشیانہ کارروائیوں کی تفصیل سے کیوں بے خبر رکھا گیا ہے؟ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ان تمام کارروائیوں کے پوری طرح فوٹو لیے گئے۔ فلمیں بنائی گئیں اور پاکستانی فوج کے مظالم کے نام سے بین الاقوامی میڈیا میں تشہیر کی گئی اور نوجوان بنگالیوں میں پاکستانی فوج کے خلاف نفرت پھیلائی گئی۔

یہ تھے مارچ میں حالات جب فوجی ایکشن کا حکم ملا۔ اب ان حالات میں پاکستان فوج 30 لاکھ آدمیوں کو کیسے مار سکتی تھی جبکہ ہر سپاہی کو ہر وقت اپنی جان کا خطرہ تھا اور ہر جوان نے جیب میں حمائل شریف رکھی ہوئی تھی۔ 2 لاکھ مسلح درندہ صفت بنگالی فوج اور بھارتی گوریلاؤں کی موجودگی میں اتنی قتل و غارت اور اتنے ریپ کیسے کر لیے گئے جبکہ فوج کسی ایک جگہ اکٹھی ہی نہ تھی بلکہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں ڈیڑھ لاکھ مربع کلومیٹر کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس وقت مغربی پاکستان میں تقریباً 25 ہزار کے قریب بنگالی جوان، آفیسرز، سویلین اور ان کی فیملیز موجود تھیں۔ اس خطرے سے کہ یہاں بدلہ لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ دانستہ تمام حالات و واقعات سے مغربی پاکستان کو بے خبر رکھا گیا۔ شہداء کی لاشوں کو بھی یہاں نہ لانے دیا گیا۔ قوم کو مکمل اور صحیح حالات سے بے خبر رکھنا بہت بڑا جرم تھا جس کی سزا پوری قوم کو بھگتنی پڑی اور بھارت نے یہ سب کچھ ہماری فوج کے پلڑے میں ڈال کر خوب اچھالا۔ پوری دنیا ہم سے نفرت کرنے لگی اور مغربی پاکستان سے کوئی شخص جواب نہ دے سکا۔ اپنی فوج اپنی ہی قوم کی نظروں میں مجرم بن گئی۔ ہماری میڈیا اور پروپیگنڈہ مہم اتنی بودی اور بے اثر تھی کہ مسلم ممالک بھی ہمیں ہی مجرم سمجھتے تھے۔

مکتی باہنی اور باغی فوجیوں کی فیملیز فوجی ایکشن سے پہلے ہی بارڈر پار بھارت میں رہائش پذیر ہو چکی تھیں جن کی بھارت بہت اچھے طریقے سے دیکھ بھال کر رہا تھا اور پناہ گزینوں کے کیمپوں کی تصاویر دکھا دکھا کر پوری دنیا کو متاثر کر کے امداد بٹورتا رہا۔ مسلح باغی

مشرقی پاکستان میں افراتفری پھیلانے کے لیے قتل و غارت میں مصروف رہے۔ جب فوجی ایکشن شروع ہوا تو یہ سب باغی بھی بھاگ کر بھارتی کیمپوں میں چلے گئے۔ ان کے پاس نقصان اٹھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ پاکستانی فوج چونکہ علاقے اور مقامی زبان سے ناواقف تھی ان حالات میں سراغ رسانی کا موثر نظام بھی قائم نہیں ہوسکتا تھا اور مکتی باہنی والوں کا خوف اتنا تھا کہ کوئی بھی بنگالی یا بہاری ان کی یا ان کے گھروں کی نشاندہی کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس لیے ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے برعکس وہ دریاؤں کے ذریعے چپکے سے مشرقی پاکستان میں داخل ہوتے قتل و غارت کی کارروائیاں کرکے روپوش ہوجاتے ہمارے لیے انہیں تلاش کرنا ممکن ہی نہ تھا نہ ہم ان کی کارروائیاں روک سکتے تھے۔

فوجی کارروائی کے بعد مغربی پاکستان سے مزید فوج، ٹیکنیکل لوگ، پولیس اور کچھ ریٹائرڈ ریزروسٹ Reservist وہاں بھیجے گئے یہ لوگ بالکل ہی علاقے کے نئے ماحول سے اور سب سے بڑھ کر زبان سے ناواقف تھے۔ پولیس والوں کو مکتی باہنی کے لوگوں نے چن چن کر مارنا شروع کیا بلکہ ان لوگوں کی حفاظت بھی ایک مسئلہ بن گئی۔ ان لوگوں کو مکتی باہنی کے حملوں سے بچانے کے لیے کچھ اہم علاقوں میں فوجی یونیفارم پہنانی پڑی۔ اس لیے یہ لوگ بھی ہتھیار ڈالنے والوں میں فوجی شمار ہوئے۔ مارچ میں جب فوجی کارروائی ہوئی تو اس وقت سے لے کر جنگ دسمبر تک پاکستانی فوج کی تعداد مع پولیس تقریباً 60 ہزار تھی۔ اس تمام فوج کو سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ صرف نظم و نسق بحال کرے اور کسی شخص پر فائر نہ کریں مبادا کہ وہ پروپاکستانی ہو اور بھارت کو پروپیگنڈہ کا موقع مل جائے۔ ساتھ یہ بھی خوف تھا کہ گولی چلانے سے عداوت بڑھے گی جو متحدہ پاکستان کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ فوج نے اپنی طرف سے آخری لمحے تک کوشش کی کہ سول سوسائٹی کا ڈھانچہ برقرار رہے اور کوئی ایسی کارروائی نہ کی جائے جس سے نفرت مزید بڑھے۔ مغربی پاکستان میں خبروں کی بلیک آؤٹ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

اب ان حقائق کی روشنی میں بنگلہ دیشی الزامات پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالیں۔ تیس لاکھ قتل اور تین لاکھ ریپ۔ مندرجہ ذیل واقعات غور طلب ہیں:

ا۔ دوسری جنگ عظیم 6 سال جاری رہی اور کم و بیش 29 ممالک نے حصہ لیا۔ بہت سے ممالک تباہ ہوئے بلکہ روندے گئے۔ آرٹلری، ٹینک، ایئرفورس حتیٰ کہ ایٹم بم

تک استعمال ہوئے۔ فوجیں تباہ ہوئیں۔ پھر بھی اس جنگ کی کل ہلاکتیں تقریباً تین کروڑ پینتیس لاکھ تھیں۔ بالفاظ دیگر دو لاکھ اموات فی ملک سالانہ ان میں سے آدھے سویلین تھے اور آدھے فوجی، یعنی ایک لاکھ سویلین، جبکہ مشرقی پاکستان کا فوجی ایکشن محض 9 ماہ جاری رہا۔ اس ایکشن کا مقصد محض امن و امان بحال کرنا تھا نہ کہ قتل و غارت اور ریپ کرنا تھا۔ قتل و غارت سے نفرت تو بڑھ سکتی ہے لیکن امن قائم نہیں ہوسکتا۔ مزید یہ کہ پاکستان فوج کے پاس معمولی آرٹلری اور انفنٹری کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ کیا دنیا میں کہیں بھی ایسی مثال ممکن ہے کہ امن و امان قائم کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں پھیلی ہوئی فوج محض بندوقوں سے تیس لاکھ انسان مار دے اور تین لاکھ ریپ کرے۔ نہیں ہرگز نہیں۔

2- مسلح مکتی باہنی۔ ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفل کے لوگ مکمل طور پر تربیت یافتہ اور مسلح تھے۔ چونکہ وہ مقامی لوگ تھے اس لیے موثر طریقے سے گوریلا کارروائیاں کر رہے تھے۔ مزید مدد کے لیے بھارتی فوج اور فوجی گوریلے بھی موجود تھے جو مکتی باہنی کی رہنمائی میں حملے کرتے تھے۔ ان لوگوں کا سراغرسانی کا موثر نظام بھی موجود تھا۔ ان حالات میں 25 ہزار پاکستانی فوجی اگر 30 لاکھ کو مار دیتے ہیں اور 3 لاکھ ریپ کرتے ہیں تو یہ مافوق الفطرت قسم کی کارروائی ہوسکتی ہے۔ انسانی نہیں۔

3- اگر پورے ساٹھ ہزار فوجیوں اور پولیس والوں کو رائفلیں دے کر انسان مارنے پر لگا دیا جائے تو ہر فوجی کو تقریباً ساڑھے 11 ہزار آدمی روزانہ مارنا پڑیں گے اور 5 عورتیں ہر آدمی کو ریپ کرنی پڑیں گی۔ اگر بنگالیوں کے ہاتھ باندھ کر لائن میں اکٹھا کھڑا کر دیا جائے تو پھر بھی فی جوان ساڑھے 11 ہزار آدمی روزانہ رائفلوں سے نہیں مار سکتا چہ جائیکہ آزاد لوگوں کو مارنا۔ صرف فاتر العقل انسان ہی اس پر یقین کرسکتا ہے۔

4- بنگالی اس علاقے کے مقامی لوگ تھے۔ انہیں فوج کی ہر حرکت کا بخوبی علم تھا۔ فوج جہاں بھی پہنچتی مکتی باہنی شہر خالی کرا لیتی تھی۔ لوگ گاؤں یا جنگلوں میں بھاگ کر چھپ جاتے۔ ایئرفورس بھی نہیں تھی کہ بم گرا کر لوگ مار دیئے جاتے آرٹلری

بھی سویلین کے خلاف کبھی استعمال نہیں ہوئی نہ اس کا الزام بھارت یا بنگلہ دیشیوں نے کبھی لگایا ہے تو پھر اتنی تعداد میں کب اور کہاں اور کیسے لوگ مارے گئے ہیں۔

5- اگر اتنے لوگ مارے گئے تھے تو یہ کہاں دفن ہوئے یقیناً اجتماعی قبریں بنی ہوں گی جنگ کے بعد بنگلہ دیشی حکومت یا انٹرنیشنل ایجنسیاں ان قبروں کا کھوج لگاتیں۔ آخر وہ کیوں نہیں ملیں۔

6- فوجی جو جیبوں میں قرآن کریم لے کر پھر رہے تھے انہیں ہتھیار ڈالنے تک یقین تھا کہ حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو انہیں تین لاکھ عورتیں کہاں مل گئیں جبکہ شہر اور گاؤں خالی تھے اور قرآن جیب میں رکھ کر اور جنگی ڈیوٹی سے ہٹ کر ریپ میں کیسے مشغول ہوگئے۔ اگر یہ سچ مان بھی لیا جائے تو ان تین لاکھ عورتوں کے بچے جننے کے لیے موجود ہسپتال تو ناکافی ہوں گے۔ کیا کسی نے ایسا کوئی ریکارڈ پیش کیا ہے کہ جنگ کے بعد 9 ماہ بعد کتنے بچے پیدا ہوئے اور ان تین لاکھ عورتوں کی آبادکاری کب اور کیسے کی گئی۔

7- بنگلہ دیش اسمبلی کے ممبر کرنل اکبر حسین کے مطابق صرف تین لاکھ لوگوں نے جنگی نقصانات کے لیے کلیم داخل کیے لیکن وزیر خزانہ عبدالمہیمن کے مطابق صرف 72 ہزار کلیم وصول ہوئے تھے جن میں سے 22 ہزار بوگس تھے صرف 50 ہزار جائز تھے جن کے نقصان کا ازالہ کیا گیا۔ کہاں تیس لاکھ اور کہاں 50 ہزار۔

8- ڈاکٹر عبدالمومن چوہدری کی کتاب کے مطابق حکومت بنگلہ دیش نے ریپ کی گئی خواتین کے لیے ویلفیئر سینٹر کھولے تھے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ تین لاکھ کے لیے کتنے سینٹر کھلے پھر ان کا کیا ہوا۔ ریکارڈ کے مطابق صرف سو خواتین کی شادی کی گئی تھی۔ باقی کا کیا بنا؟

9- عوامی لیگ کے ایک معتبر صحافی کی رپورٹ کے مطابق 16 لاکھ بنگالی بھارتی مہاجر کیمپوں میں مختلف وجوہات کی وجہ سے مرگئے۔ ان کا کیا بنا اور یہ کس کھاتے میں لکھے گئے۔

10- جیسور کے مقتدر مذہبی رہنما مولانا خوندکر عبدالخیر کے بیان کے مطابق ان کا علاقہ

پرامن رہا۔ کچھ گاؤں سے معمولی تعداد میں بھاگ کر لوگ بھارت گئے۔ بہت سے گاؤں میں ایک بھی موت واقع نہیں ہوئی۔ اگر پاکستانی فوج قتل و غارت میں مشغول تھی تو یہ علاقہ کیسے پرامن رہا؟

11- بنگلہ دیش ہی کے ایک مشہور صحافی مسٹر جوہری نے لکھا کہ ''مجھے سمجھ نہیں آئی کہ 8 ماہ کی معمولی نوعیت کی گوریلا کارروائیوں میں تیس لاکھ لوگ کیسے مارے گئے اور تین لاکھ عورتوں کی کس طرح عصمت دری کی گئی۔''

12- حمودالرحمٰن کمیشن کے مطابق اس جنگ میں صرف 35 ہزار لوگ مارے گئے تھے جبکہ جنرل متین الدین اپنی کتاب "Tragedy of Error" میں یہ عداد ایک لاکھ لکھتے ہیں۔ کہاں 35 ہزار۔ کہاں ایک لاکھ اور کہاں تیس لاکھ۔

13- The Daily Telegraph کے صفحہ 61 پر پیٹر گل نے جو تجزیہ پیش کیا ہے وہ کافی حقائق سے قریب معلوم ہوتا ہے۔ اس تجزیے کے مطابق ''پاکستانی فوج 1971ء میں مشرقی پاکستان میں ایک بغاوت فرو کرنے میں مشغول تھی۔ نہ کہ غیر ملک سمجھ کر اس پر قبضے کے لیے کوشاں تھی۔ اس لیے شیخ مجیب الرحمٰن کے تخیلاتی اعداد و شمار اگر حقائق سے 50 سے 60 گنا زیادہ نہیں ہیں تو کم از کم 20 گنا تو ضرور مبالغہ آمیز ہیں اور پھر اس تمام قتل و غارت کا حساب کتاب کہاں ہے جو بنگالیوں (مکتی باہنی) نے کیے۔ دراصل 16 دسمبر کو جب پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈالے تو نظم و نسق ختم ہو چکا تھا۔ مکتی باہنی کے لوگ بہاریوں، پرو پاکستانی بنگالیوں اور وہ محب وطن بنگالی رضاکاروں (جنہوں نے پاکستانی فوج کا ساتھ دیا تھا) کے خلاف غصے سے پاگل ہو چکے تھے۔ بوڑھوں، بچوں اور خواتین کو گھروں میں بیدردی سے قتل کیا گیا۔ نوجوانوں کو باہر میدانوں میں جمع کرکے بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے تالیوں کی گونج میں سنگینوں، چاقاؤں اور چھریوں سے بیدردی سے شہید کیا گیا۔ ڈھاکہ اور گرد و نواح میں رہنے والے پرو پاکستانیوں اور بہاریوں کو ڈھاکہ پلٹن میدان میں جمع کیا گیا۔ لاکھوں لوگوں کے مجمع کے سامنے انہیں اس بیدردی سے مارا گیا کہ انسانیت کانپ اٹھی۔ بھارتی فوج اور بنگلہ دیش کے رہنما وہاں موجود تھے لیکن ان نہتے بے بس اور مجبور انسانوں کو بچانے کے

لیے کوئی آگے نہ بڑھا۔ انسانیت دم توڑ گئی۔ مکتی باہنی کے لوگ وحشی بن گئے مختلف گروپ قتل و غارت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہے ان تمام لوگوں کے گھر اور دکانیں لوٹ کر آگ لگا دی گئی۔ یہ تمام خبریں پوری دنیا کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ ٹی وی پر آئیں لیکن ہیومن رائٹس اور یونائیٹڈ نیشن والے بھی خاموش رہے شاید یہ قتل بھی بعد میں بھارت نے ہمارے ہی کھاتے میں ڈال دیئے۔

قتل و غارت کی یہ تصاویر غیر ممالک میں رہنے والے پاکستانیوں نے اپنے عزیز و اقارب کو بھیجیں لیکن یہاں پھر بھی خبروں پر سنسر رہا۔ پوری قوم صحیح حالات سے بے خبر رہی۔ مغربی پاکستان میں اس وقت جو بنگالی تھے وہ یہاں پورے عزت و احترام کے ساتھ آخری وقت تک اپنے اپنے گھروں میں پوری مراعات کے ساتھ رہتے رہے۔ ایک بھی بنگالی پر یہاں حملہ نہیں ہوا۔ ہم پھر بھی انہیں بھائی سمجھتے رہے جنگ کے بعد انہیں پوری مراعات کے ساتھ مختلف کیمپوں میں رکھا گیا۔

پاک فوج نے بنگالی باغی افسروں کے ساتھ کیا سلوک کیا اس کی مثال بریگیڈیئر موجمدار ہے جو ایسٹ بنگال رجمنٹل سینٹر کا کمانڈنٹ تھا اس نے اپنے رجمنٹل سینٹر اور چٹاگانگ میں رہنے والے مغربی پاکستانیوں کو چن چن کر مارا تھا۔ اس کے ہاتھ معصوم اور محب وطن لوگوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے اسے فوجی کارروائی کے دوران گھر سے پکڑ کر مغربی پاکستان لایا گیا اور پہلے کھاریاں کے نزدیک بنی کے مقام پر ایک خوبصورت ریسٹ ہاؤس میں بعد میں اسے وانا وزیرستان کے آفیسر میس کے VIP روم میں رکھا گیا بلکہ اسے آخر تک تمام مراعات حاصل رہیں۔ سوائے اس کے کہ اسے باہر شہر میں آزادی سے گھومنے کی اجازت نہ تھی۔ جب یہاں سے بنگالی جانے لگے تو ان کے اعزاز میں ضیافتیں دی گئیں۔ ہر ایک کو قرآن کریم کا ایک ایک نسخہ دے کر پورے عزت و احترام سے واپس بھیجا گیا۔ اس موقع پر کئی بنگالیوں نے پاکستان زندہ باد کے نعرے بھی لگائے۔ کئی رو کر ہمارے گلے لگے اور ہم نے بھی آنسوؤں کی جھڑیوں میں انہیں رخصت کیا۔ میں یہ بات بھی پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب پاکستان مخالف یا غدار نہ تھے۔ کئی لوگوں نے واپس جانے سے بھی انکار کر دیا۔ مثلاً ایک کیپٹن نے یہ کہہ کر واپس جانے سے انکار کر دیا کہ میں نے پاکستانی فوج میں

رہ کر پاکستان کی حفاظت کی قسم کھائی تھی میں زندگی میں کسی اور ملک کی وردی نہیں پہن سکتا۔ یہ شخص پاکستان کی فوج میں ہی رہا۔ یہیں شادی کی اور بریگیڈیئر کے عہدے سے ریٹائر ہوا۔

دراصل مشرقی پاکستان میں را اور بھارتی ایجنسیوں نے بہت کام کیا تھا اور انہوں نے مغربی پاکستان کے خلاف منافرت انتہا تک پہنچا دی تھی۔ مکتی باہنی کو تربیت دی۔ ہتھیار دیئے اور منظم طریقے سے گوریلا کارروائیوں کے لیے تیار کیا۔ ایسٹ پاکستان رائفلز، ایسٹ بنگال رجمنٹس سول آرمڈ فورسز اور بنگالی پولیس میں بھی بنگالی نیشلزم کی روح اس حد تک پھونک دی کہ جب مارچ میں تحریک سول نافرمانی شروع ہوئی تو یہ تمام لوگ ہتھیاروں سمیت بغاوت کر گئے اور یہ لوگ قتل و غارت کے لیے پوری طرح مسلح اور تیار تھے۔ حملوں کی منصوبہ بندی پہلے سے ہی کر دی گئی تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 70 سے 80 ہزار بے گناہ لوگ مارچ تک ان کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ پاک فوج کو بدنام کرنے کے لیے عورتوں کی عصمتیں لوٹنا بھی اسی پلان کا حصہ تھا جو بہت دلیری سے پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا اور پھر بھارتی میڈیا کے ذریعے اس کی پوری دنیا میں تشہیر کی گئی۔ اگر یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا تو فوری فوٹو کیسے لیے گئے۔ فلمیں کیسے بن گئیں جبکہ بھارتیوں کو تو وہاں آنے کی اجازت ہی نہ تھی اور حیران کن بات یہ تھی کہ واقعات رونما ہونے کے چند گھنٹوں کے اندر اندر یہ سب کچھ بھارتی ٹی وی اور بنگلہ دیش ٹی وی (جو کچھ عرصہ کے لیے باغیوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے) پر کیسے آجاتا تھا تاکہ علاقے میں پاکستانی فوج کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکائے جا سکیں۔ کیا پاکستانی فوج قتل و غارت اور عصمت دری کھلے علاقوں میں علی الاعلان فلمی کیمروں کے سامنے کر رہی تھی تاکہ ان کی فلمیں بن سکیں۔

فوجی کارروائی کے بعد حالات بہت بہتر ہو گئے تھے۔ دو ماہ کی مسلسل محنت اور تگ و دو سے فوج نے نظم و نسق بھی بحال کر لیا تھا اور تو اور شہروں سے گاؤں کی طرف اور حتیٰ کہ بھارتی کیمپوں میں بھاگ جانے والے کئی لوگ اہل خانہ سمیت واپس گھروں میں آ گئے تھے جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ انہیں پاکستان فوج سے کوئی شکایت نہ تھی بلکہ فوج پر مکمل اعتماد تھا۔ فوج نے بھی ان کی بحالی کے لیے بہت مدد کی۔ دور دراز علاقوں میں علاج معالجہ کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ کاروبار زندگی بحال ہونا شروع ہو گیا۔ فوج نے سڑکیں بحال کیں ان سب باتوں کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے محب وطن نوجوان فوج کی مدد کے لیے خوشی

سے آگے آئے۔ یہ لوگ بھارتی کیمپوں سے سخت متنفر تھے۔ رضا کار گروپ قائم کیے گئے اور حالات بڑی تیزی سے سنورنے لگے اور یہ سب باتیں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ جن کی آج بھی وہاں کے بوڑھے لوگوں سے تصدیق کی جاسکتی ہے اور یہ سب کچھ فوج پر اعتماد کا سب سے بڑا ثبوت ہے اگر واقعی فوج نے بے تحاشا قتل و غارت کیا ہوتا تو یہ لوگ کبھی نزدیک نہ آتے۔ لیکن جب بھارت نے حالات سنورتے دیکھے تو اس نے ایسٹ بنگال رجمنٹ کے بھگوڑے فوجیوں کے گروپ بھیج کر فوج پر حملے کرانے شروع کیے جس سے فوج کا بہت نقصان ہوا۔ فوج جو شہری زندگی کی بحالی کی کوشش کر رہی تھی وہ عمل رک گیا اور بالآخر بھارت نے سینہ زوری کر کے اپنی 12 ڈویژن فوج کے ساتھ مشرقی پاکستان (بالفاظ دیگر 30 ہزار پاکستان فوج پر جو ڈیڑھ لاکھ مربع کلومیٹر کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھی) پر حملہ کر دیا اور بعد کے نتائج تاریخ کا حصہ بن گئے۔

پاکستانی فوج کے ہاتھوں جو قتل ہوئے اس کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ اوّل جس ظلم و بربریت کے ساتھ مغربی پاکستانیوں اور بہاریوں کو وہاں مارا گیا وہ اتنا خوفناک تھا کہ دلیر سے دلیر آدمی کے لیے بھی اپنے آپ پر قابو رکھنا ممکن نہ تھا کیونکہ شروع شروع میں اعتماد کی فضا قائم رکھنے کے لیے پاکستانی فوج نے قتل و غارت کے بڑے بڑے واقعات سے بھی درگزر کیا اور اس سے مکتی باہنی کے غنڈوں کے حوصلے اتنے بڑھے کہ فوج کی موجودگی میں فوجیوں کو چاقو مارنا اور نہتے شہریوں کو بیدردی سے قتل کرنا عام ہوگیا ایسے واقعات کی روک تھام میں فوج کو کچھ اقدامات بامر مجبوری کرنے پڑے۔ دوم یہ کہ فوجی کارروائی کے بعد بنگالی فوجی بھگوڑے اور مکتی باہنی کے غنڈوں نے مل کر منظّم طریقے سے فوج پر حملے شروع کیے چونکہ وہ علاقے سے پوری طرح واقف تھے۔ جیسا کہ اوپر بھی لکھا جا چکا ہے کہ پبنہ میں 2 کمپنیوں کو اور کشتیا میں ایک کمپنی کو اور بے شمار چھوٹی پلاٹونوں کو بیدردی سے قتل کیا گیا۔ اس سے فوج میں بددلی پھیل گئی۔ لہٰذا فوج کے لیے ایسے لوگوں کے خلاف کارروائی کرنا ضروری ہوگئی کیونکہ ایسے لوگوں کا نہ کوئی پکا ٹھکانہ تھا اور نہ کوئی پہچان۔ اس لیے جہاں کہیں بھی شک ہوتا یا کسی جنگل میں کوئی گروپ چھپا ہوا نظر آتا کارروائی کی جاتی رہی اور یقیناً ان حالات میں کئی معصوم لوگ بھی نشانہ بنے ہوں گے لیکن پاکستانی فوج نے جتنی بھی کارروائیاں کیں اپنے بچاؤ میں کیں اور میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ فوج کے ہاتھوں قتل ہونے والے لوگوں کی تعداد جنگ شروع ہونے سے پہلے تک تین ہزار سے زیادہ کسی صورت نہ تھی۔ البتہ مکتی باہنی اور فوجی باغیوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے معصوم لوگوں کی تعداد دو لاکھ سے کم نہ تھی جس کی تصدیق ان بوڑھے بہاریوں سے کی جاسکتی ہے جو اب تک بنگلہ دیشی کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جہاں تک ریپ کا تعلق ہے یہ بھی سراسر بہتان ہے پاکستانی فوج نظم و ضبط کی پابند فوج ہے۔ مشرقی پاکستان ہمارا اپنا ملک تھا دشمن ملک نہ تھا کہ جہاں بدلہ لینا مقصود ہو گھروں سے دور رہنے والے لوگوں میں اکا دکا واقعات تو ممکن ہیں اور یقیناً ہوئے ہوں گے لیکن ایسے واقعات کا سختی سے تدارک کیا جاتا ہے ورنہ فوج کا ڈسپلن ختم ہو جاتا ہے اور ڈسپلن کے بغیر فوج لڑ نہیں سکتی۔ وہاں حالات ایسے تھے کہ جذبہ ایمانی کی سخت ضرورت تھی اسی لیے تمام جوانوں کی جیبوں میں چھوٹے چھوٹے قرآن کریم یا پنج سورہ شریف یا مختلف دعاؤں کے مجموعے وغیرہ ہر وقت موجود ہوتے تھے۔ چونکہ یہ گوریلا جنگ تھی اس لیے موت کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔ پھر سول علاقوں میں جانے کی قطعاً اجازت نہ تھی کہ وہاں ہر جگہ ہر وقت مکتی باہنی کے غنڈے پھرتے رہتے تھے جونہی کوئی فوجی یا مغربی پاکستانی نظر آتا وہ لوگ گولی مار دیتے یا چاقو۔ فوجیوں کو تو بازار تک جانے کی بھی اجازت نہ تھی تو پھر وہ ریپ کب اور کہاں کر لیتے تھے۔ فوج کی ہر یونٹ میں بنگالی جوان اور آفیسر موجود تھے جنہوں نے مارچ میں جا کر بغاوت کی۔ اس کے علاوہ فوجیوں کو سخت حکم دیا گیا تھا کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے لوگوں میں نفرت پھیلے اور ریپ سے زیادہ نفرت اور حقارت کا کام کیا ہوسکتا ہے۔ ان حالات میں ریپ کا کوئی ذی ہوش انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ تمام مغربی پاکستانیوں (جوان اور آفیسرز جو مشرقی پاکستان میں تعینات تھے) کا مغربی پاکستان میں تمام آفیسرز دوستوں سے رابطہ تھا۔ مارچ کے بعد یہ لوگ چھٹیاں بھی آئے۔ مغربی پاکستان میں سروس کرنے والے بنگالی جوان اور آفیسر اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کے لیے چھٹیوں پر وہاں گئے لیکن کسی ایک نے بھی ریپ کی بات نہیں کی۔ یہ اتنی بڑی بات تھی جو چھپی نہ رہ سکتی تھی۔ بہت سے بنگالی آفیسرز مکتی باہنی اور ان کی مدد کرنے والے بھارتی کمانڈوز کے سخت خلاف تھے۔ ان لوگوں کی کارروائیوں کی پل پل کی خبریں کسی نہ کسی ذریعے سے یہاں پہنچتی رہتی تھیں۔ پاکستانی فوج بطور ایک مسلمان فوج کے ایسا کام کبھی نہیں کرسکتی چاہے اسے ایسا

کرنے کا حکم ہی کیوں نہ دیا جائے۔ ہماری فوج اقوام متحدہ کی طرف سے امن قائم کرنے کے لیے کئی ممالک میں گئی ہے جہاں ہر قسم کے مواقع موجود تھے لیکن آج تک کبھی کسی ایک سپاہی کے خلاف بھی اس قسم کی شکایت نہیں آئی۔ یہ الزام سراسر بہتان ہے تین لاکھ عورتوں کو باندھ کر بھی اگر فوج کے سامنے پھینک دیا جائے تب بھی یہ ممکن نہیں۔

ہم یہ جنگ محض پروپیگنڈے کی وجہ سے ہار گئے۔ ناکردہ گناہوں کے لیے مجرم و سزاوار ٹھہرائے گئے پاکستان دولخت ہوگیا۔ ان ناکردہ گناہوں کی وجہ سے ہماری اپنی نوجوان نسل ہمیں مجرم گردانتی ہے۔ میری تمام لکھاریوں سے درخواست ہے پیشتر اس کے ہماری نسل ختم ہو جائے بھارت کی اس گھناؤنی سازش اور مکروہ کارروائی سے پردہ اٹھانا ضروری ہے۔ اپنے مستقبل کے لیے بھی اور اپنی نئی نسل کے لیے بھی۔ میں اپنی نوجوان نسل کو اور مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان فوج خالصتاً مسلمان فوج ہے۔ اسلامی جذبہ سے سرشار ہے وطن کے دفاع کے لیے ہر قسم کی قربانی دے سکتی ہے۔ وطن کی آن پر کٹ سکتی ہے لیکن ایسی گھٹیا حرکت کبھی نہیں کرسکتی۔ کبھی نہیں کرسکتی۔ کبھی نہیں کرسکتی۔ پاکستانی فوج کی ہر جنگی کارروائی ایمان افروز ہے۔ قابل فخر ہے، باعث اعزاز ہے۔ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر شرمندہ ہوا جائے۔ پاک فوج کو سلام!

❁ ❁

استفادہ

کتب / میگزین

1- پاک فوج کی تاریخ (1965ء تک) جنرل فضل صمیم

2- ہفت روزہ "ہلال" میگزین راولپنڈی

3- عسکری میگزین روزنامہ پاکستان لاہور

4- جینز ڈیفنس میگزین

5- شہادتوں کا سفر

6- جہاد کشمیر

7- جنگ اخبار

8- انصاف اخبار